ایمان اُمید اور محبت
عمیرہ احمد
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

پیش لفظ......!

''ایمان، اُمید اور محبت'' ذاتی طور پر میری اپنی پسندیدہ تحریروں میں سے ایک ہے...... اسے ملنے والے فیڈ بیک سے آپ لوگ مجھ سے زیادہ واقف ہیں۔

میں نے کوشش کی ہے کہ میں آپ لوگوں کو زندگی کے کچھ اور رنگ دکھاؤں یا زندگی کو اس اینگل سے دکھاؤں جہاں سے میں اسے دیکھتی ہوں، ہوسکتا ہے آپ کو یہ رنگ بہت پھیکے یا ضرورت سے زیادہ گہرے لگیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ میرا اینگل چیزوں کو یا زندگی کو اس طرح آپ کے سامنے پیش نہ کر سکے جس طرح آپ چاہتے ہیں۔ پھر بھی دنیا پر موجود چھ ارب انسانوں میں کم از کم ایک انسان زندگی کو اسی اینگل سے دیکھتا ہے اور وہی رنگ دنیا کے کینوس پر بکھیرنا چاہتا ہے، جو اس کہانی میں آپ کو نظر آئیں گے......اور وہ انسان میں ہوں۔

بہت سے لوگوں کی ترجمانی کرتے ہوئے کچھ لکھنا یا کہنا انسان کو بہت خوشی دیتا ہے۔ مگر صرف اپنی ترجمانی کرتے ہوئے اپنی بات کہنا یا لکھنا اس سے زیادہ خوشی دیتا ہے۔ اس تحریر میں، میں نے اپنی بات کہی ہے اسے پڑھتے ہوئے شاید آپ اسے ''اپنی بات'' سمجھیں۔

عمیرہ احمد

باب 1

وہ بہت آہستہ آہستہ آنکھیں کھول رہا تھا اور ہوش میں آنے کے ساتھ ہی سب سے پہلا احساس سر کے پچھلے حصے میں ہونے والی شدید تکلیف کا تھا۔ ایک کراہ کے ساتھ اس نے دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔ پھر اس نے اپنے کندھے پر کسی کے ہاتھ کا دباؤ محسوس کیا، کوئی اس کے بہت قریب جھکا ہلکی آواز میں کہہ رہا تھا۔

''تم کیسا محسوس کر رہے ہو؟'' اس نے ایک بار پھر اپنی آنکھیں کھولنے کی کوشش کی، وہ دوبارہ آنکھیں کھولنے میں کامیاب رہا، بیڈ کے کنارے اسے چند ہیولے سے نظر آئے۔ اس نے انہیں دیکھنے.....ان پر نظر جمانے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ درد بہت شدید تھا۔ اس نے ایک بار پھر آنکھیں بند کر لیں اور کراہنے لگا۔

''تمہارا نام کیا ہے؟'' اب اس سے کچھ اور پوچھا گیا، وہ چند لمحے اسی طرح آنکھیں بند کیے کراہتے ہوئے اپنا نام سوچتا رہا پھر جیسے اس کے ذہن میں ایک اسپارک ہوا اور اسے اپنا نام یاد آ گیا۔ بے اختیار اس نے مدھم آواز میں اپنا نام بتایا۔

''تمھارے گھر کا فون نمبر کیا ہے؟''

اب اس سے ایک اور سوال کیا گیا۔ اس نے ایک بار پھر فون نمبر یاد کرنے کی کوشش کی، مگر وہ یاد نہیں کر سکا۔ اس کا ذہن منتشر تھا۔ وہ کچھ کہے بغیر کراہتا رہا۔

''تمھارے گھر کا فون نمبر کیا ہے؟'' اس سے ایک بار پھر پوچھا گیا۔

''یاد نہیں۔'' اس نے لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں کہا۔

''آفس کا فون نمبر بتا سکتے ہو؟'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس سے دوبارہ پوچھا گیا۔

اس نے ایک بار پھر اپنے منتشر ذہن کو ایک جگہ مرکوز کرنے کی کوشش کی، ایک بار پھر وہ ناکام رہا۔ اسے آفس کا فون نمبر بھی یاد نہیں آیا۔

''آفس کا فون نمبر بتا سکتے ہو؟''

''نہیں'' اس بار اس نے کہا۔

''سوچنے کی کوشش کرو، یاد کرو۔'' اس بار اس کا کندھا تھپتھپا کر اس سے کہا گیا۔

''مجھے یاد نہیں۔'' اس کے درد کی شدت میں یک دم اضافہ ہو گیا۔

''کیا تم جانتے ہو، تم کہاں ہو؟''

اس نے آنکھیں کھول کر سوال کرنے والے کے چہرے کو شناخت کرنے کی کوشش کی وہ اسے پہچان نہیں سکا، چہرہ شناسا نہیں تھا۔ صرف ایک

لمحے کے لیے وہ آنکھیں کھلی رکھ سکا پھر اسے دوبارہ آنکھیں بند کرنی پڑیں۔

''ہاسپٹل۔'' ذہن پر چھانے والی تاریکی سے پہلے اس نے بہت ہلکی آواز میں اٹکتے ہوئے کہا۔ اس کے بعد وہ کچھ بول نہیں سکا۔

''یہ دوبارہ بے ہوش ہو گیا ہے۔'' اس کے پاس کھڑے ڈاکٹر نے اس کی نبض دیکھتے ہوئے کہا۔

''کہیں یہ پہلے کی طرح پھر کوما میں تو نہیں چلا جائے گا۔'' ساتھ کھڑی نرس نے خدشہ ظاہر کیا۔

''نہیں، اب یہ کوما میں تو نہیں جائے گا۔ میرا خیال ہے آدھے گھنٹہ تک یہ دوبارہ ہوش میں آ جائے گا۔'' ڈاکٹر نے نرس سے کہا۔

''اپنے بارے میں یہ اب بھی نام کے علاوہ کچھ نہیں بتا سکا۔ تو پولیس اس کے گھر کیسے اطلاع دے گی۔'' نرس نے ڈاکٹر سے پوچھا۔

''مجھے نہیں پتا...... یہ ان کا معاملہ ہے۔ وہ کچھ نہ کچھ کر ہی لیں گے۔ ہمارا کام صرف اس کی جان بچانا تھا۔ وہ ہم کر چکے ہیں۔'' اس بار ڈاکٹر نے قدرے لاپروائی سے کہا۔ نرس نے جواب میں کچھ کہے بغیر ایک نظر مریض کو دیکھا اور پھر ڈاکٹر کے پیچھے کمرے سے نکل گئی، کمرے میں اب اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

''محبت تاریک جنگل کی طرح ہوتی ہے، ایک بار اس کے اندر چلے جاؤ پھر یہ باہر آنے نہیں دیتی۔ باہر آ بھی جاؤ تو آنکھیں جنگل کی تاریکی کی اتنی عادی ہو جاتی ہیں کہ روشنی میں کچھ بھی نہیں دیکھ سکتیں...... وہ بھی نہیں جو بالکل صاف، واضح اور روشن ہوتا ہے۔''

اس نے آہستہ آہستہ اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اب وہ یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ اس نے یہ سب کس سے کب کہا۔ اسے یاد تھا اس نے یہ سب کس سے کب کہا تھا۔

''ہاں جنگل ہی تو ہے جس کے اندر میں آ گئی ہوں نہ باہر نکل سکتی ہوں نہ اندر رہ سکتی ہوں۔ اندر رہنے پر میرے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔ باہر جانے پر میں آنکھیں رکھتے ہوئے بھی دیکھنے کے قابل نہیں رہوں گی، بالکل ویسے ہی جیسے ان پانچ سالوں میں ہوا تھا جب میں......''

''امید! امید!'' اس کی سوچوں کا تسلسل امی کی آواز سے ٹوٹ گیا۔

''یہاں اندھیرے میں کیوں بیٹھی ہو؟''

''میرا دل چاہ رہا ہے امی! یہاں بیٹھنے کو...... اندر تو بہت گھٹن محسوس ہو رہی تھی۔'' اندھیرے میں اس کے چہرے پر پھسلتی ہوئی نمی امی کو نظر نہیں آ سکی اور اس کی آواز سے کوئی بھی یہ نہیں جان سکتا تھا کہ وہ رو رہی تھی۔

''گھٹن حبس کی وجہ سے ہے۔ ابھی تھوڑی دیر میں آندھی آ جائے گی اور پھر بارش ہو گی تو موسم ٹھیک ہو جائے گا'' وہ اندازہ نہیں کر سکی کہ وہ اسے تسلی دے رہی تھیں۔

''میں صحن کی لائٹ جلا دوں؟'' اب وہ ایک بار پھر اس سے پوچھ رہی تھیں۔

''نہیں، اندھیرے میں بہت سکون مل رہا ہے۔ روشنی پریشان کرے گی۔'' اس نے گردن موڑے بغیر انہیں جواب دیا تھا۔

''اور اگر انھیں پتا چل جائے کہ میں کیا کر بیٹھی ہوں یا میرے ساتھ کیا ہو چکا ہے تو شاید یہ ساری عمر مجھے تاریکی میں ہی رہنے دیں۔'' اس نے ان کے اگلے جملے پر سوچا تھا۔

''ایک تو تمہاری عادتیں بھی بہت عجیب ہیں۔ بھلا روشنی کیسے پریشان کرے گی؟'' وہ اب بھی اس کی پشت پر کھڑی تھیں۔ ''اس طرح اندھیرے میں بیٹھنا کوئی اچھی بات تو نہیں ہے۔'' وہ ایک بار پھر کہہ رہی تھیں۔

''بس تھوڑی دیر بیٹھنے دیں، پھر میں اٹھ جاؤں گی۔'' اس نے بہتے آنسوؤں کے ساتھ انھیں یقین دلایا۔

''اچھا اور کھانا؟ کھانا کب کھاؤ گی؟'' وہ اب دوسری بات پر پریشان ہو رہی تھیں۔

''کچھ دیر بعد۔'' اس نے کہا۔

''میں اندر جا رہی ہوں۔ تم بھی جلدی اندر آ جاؤ۔ ٹھیک ہے؟'' وہ کسی بچے کی طرح اس سے یقین دہانی چاہ رہی تھیں۔

وہ خاموش رہی۔ اس کی پشت پر قدموں کی چاپ ابھری۔ وہ اب واپس اندر جا رہی تھیں۔

''کاش اس وقت وہ میری پشت پر کھڑی نہ ہوتیں، میرے سامنے آ جاتیں، میرے آنسوؤں کو دیکھ لیتیں پھر مجھ سے وجہ پوچھتیں یا پھر میری آواز سے ہی کچھ اندازہ کر لیتیں پھر میں ان کو سب کچھ بتا دیتی سب کچھ ایک ایک بات ایک ایک لفظ، ایک ایک حرف، وہ سب جو میں آج تک کسی سے کہہ نہیں سکی، جسے چھپانے کے لیے مجھے اپنے وجود کو ایک قبر بنانا پڑا ہے۔''

وہ اسی طرح صحن میں پڑی کرسی پر بیٹھی سوچتی رہی۔

''مگر اس نے میرے ساتھ یہ سب کیوں کیا؟ میرے ساتھ ہی کیوں؟ میں نے تو...... میں نے تو'' وہ کچھ سوچتے سوچتے ایک بار پھر رک گئی۔

''ہاں مخلص تو میں بھی نہیں رہی، میں نے بھی اسے ہمیشہ For granted لیا۔ مگر میں نے اس سب کی خواہش تو نہیں کی تھی اور پھر اب، اب جب میں''

اس نے ہونٹ بھینچ لیے۔ آنسو اب اس کی گردن پر پھسلتے ہوئے قمیص کے گریبان میں جذب ہو رہے تھے۔

ہوا ایک دم تیز ہو گئی، اس نے فضا میں گرد محسوس کی، صحن میں لگے ہوئے درخت بہت تیزی سے ہل رہے تھے۔ ہوا میں اڑنے والے پتے اب اس سے ٹکرانے لگے تھے۔ وہ بے جان قدموں سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اندر کمرے میں آ کر اس نے دروازہ بند کر لیا، بیڈ پر لیٹ کر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

اسے وہاں آئے کتنے دن ہو گئے تھے۔ اسے یاد نہیں تھا۔ وہ کوشش کے باوجود بھی وہاں سے واپس جانے میں کامیاب نہیں ہوئی۔

''تمہاری عادتیں، بہت خراب ہو گئی ہیں۔ اس بار اسے آنے دو، میں بات کروں گی اس سے کہ تمھیں کچھ کہتا کیوں نہیں اپنی مرضی کرتی رہتی ہو۔''

وہ امی کی باتوں کو خالی ذہن کے ساتھ سنتی رہی۔

''تمھیں اپنا خیال رکھنا چاہیے، اس طرح کی لاپروائی تمھارے لیے مناسب نہیں ہے۔'' وہ چپ چاپ ان کا چہرہ دیکھتی رہتی۔

آنکھیں بند کیے اس نے اپنی پوری زندگی کو دیکھنے کی کوشش کی، کون سی چیز کہاں غلط تھی اس سے کب کون سی غلطی ہوئی تھی...... غلطی؟ کیا واقعی مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے۔ زندگی میں جس Code of ethics (اخلاقی قدروں) کو لے کر میں چلتی رہی، کیا وہ غلط تھا؟ اور اب...... اب میں کس سے کون سی اخلاقیات کی بات کرنے کے قابل رہی ہوں۔ اس نے تکلیف سے سوچا۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ تلاوت کی جا رہی تھی اور کرنے والے سے وہ اچھی طرح واقف تھی اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ ابھی چند منٹوں کے بعد یہ آواز اسے جگا رہی ہوگی، وہ مندھی آنکھوں کو رگڑتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ منہ پر ہاتھ رکھ کر اس نے جماہی کو روکا۔

''پتا نہیں ڈیڈی کس طرح اتنی صبح اٹھ جاتے ہیں یا شاید یہ رات کو سوتے ہی نہیں۔''

اس نے بیڈ سے اترتے ہوئے تجزیہ کیا ساتھ والے بیڈ سے اس نے عدیلہ کو جھنجھوڑ کر اٹھایا پھر وہ اٹھ کر اپنے کمرے سے باہر آ گئی۔

''ویری گڈ! آج تو بغیر جگائے ہی بیداری ہوگئی۔'' میجر عالم جاوید نے اپنی بیٹی کو جماہیاں لیتے ہوئے کمرے سے باہر آتے دیکھ کر کہا۔

''ہاں تو میں نے سوچا، اس سے پہلے کہ آپ اندر آئیں۔ میں خود ہی آ جاؤں۔'' وہ ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

''اب اتنی ہمت کر لی ہے تو اٹھو اور وضو کر کے نماز بھی پڑھ لو۔'' انھوں نے قرآن پاک بند کرتے ہوئے اسے پچکارتے ہوئے کہا۔ وہ کچھ کہے بغیر اٹھ گئی۔

وہ میجر عالم جاوید کی سب سے بڑی بیٹی تھی اس سے چھوٹی عدیلہ تھی اور پھر دو جڑواں بھائی۔ وہ صرف ان کی بڑی بیٹی ہی نہیں تھی، بلکہ ان کی بہت زیادہ لاڈلی بھی تھی۔ اس کے مزاج میں میٹرک میں آنے کے باوجود بہت زیادہ بچپنا تھا اور اس کی بنیادی وجہ میجر عالم جاوید کا لاڈ پیار تھا۔ بچپن میں میجر عالم جاوید جب بھی گھر پر ہوتے وہ ان کی گود میں چڑھی رہتی۔ اس کا اب بھی یہی حال تھا جب تک وہ گھر پر رہتے۔ وہ سائے کی طرح ان کے ساتھ لگی رہتی۔ وہ ماں کے بجائے اپنا ہر کام باپ سے کروانے کی عادی تھی۔ کتابوں پر کور چڑھانے کا کام ہو۔ لنچ باکس تیار کروانا ہو یا پھر بال سنوارنے کا خالص زنانہ کام امید اپنے سارے کام باپ سے ہی کرواتی تھی اور شاید اس عادت کو ڈالنے میں بھی بڑا ہاتھ میجر عالم جاوید کا ہی تھا۔ انھوں نے بچپن سے ہی اس کا ہر کام خود کیا تھا اور اب یہ حالت ہوگئی تھی کہ اپنی ماں کی ناراضی کے باوجود وہ سارے کام باپ سے ہی کرواتی۔ جب عالم جاوید ایکسر سائز پر گئے ہوتے تو امید کے سوا کسی کو مشکل پیش نہیں آتی تھی صرف وہ تھی جو اپنا ہر کام رو رو کر کیا کرتی تھی کیونکہ اسے عادت ہی نہیں تھی کوئی دوسرا بھی اس کا کوئی کام کرتا تو وہ مطمئن نہ ہوتی جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اس کی امی خفا ہو کر اس کا کوئی کام نہ کرتیں اور بیٹ مین کو بھی منع کر دیتیں۔

باپ کے واپس آنے پر وہ یہ سب کچھ باپ کو بتاتی اور وہ اگلے کئی دن جیسے تلافی کے طور پر اس کا چھوٹے سے چھوٹا کام بھی خود ہی کرتے۔

امید نے اپنے باپ کو بہت مذہبی دیکھا تھا۔ وہ باقاعدہ پانچ وقت کی نماز پڑھا کرتے تھے اور بہت چھوٹی سی عمر میں انھوں نے اسے بھی نماز کی عادت ڈال دی تھی۔ وہ ساتھ رکھتے ہوئے اسے مذہب کے بارے میں بہت کچھ بتایا کرتے تھے۔ وہ کچھ باتوں کو سمجھ جاتی کچھ کو سمجھ نہ پاتی مگر خاموشی سے سنتی رہتی۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

زندگی بہت پرسکون انداز میں گزر رہی تھی۔ امید نے ان دنوں بہت اچھے نمبروں سے میٹرک کرتے ہوئے ایف ایس سی میں داخلہ لیا تھا، جب اسے گھر کے ماحول میں کچھ عجیب سی تبدیلیاں محسوس ہوئی تھیں۔ امی اور ڈیڈی یک دم بجھے بجھے نظر آنے لگے تھے۔ اس نے امی کو کئی دفعہ آنسو بہاتے دیکھا۔ ڈیڈی بھی بہت پریشان نظر آنے لگے تھے۔ ان کی شوخی اور شگفتگی یک دم ماند پڑ گئی تھی۔ اس نے کئی بار امی اور ڈیڈی سے ان کی پریشانی کی وجہ پوچھنے کی کوشش کی مگر وہ بڑی عمدگی سے ٹال گئے۔

پھر ایک دن میجر جاوید عالم نے اسے اپنے پاس بٹھاتے ہوئے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

''تمھیں آج کچھ ضروری باتیں بتانی ہیں امید۔''

اسے ان کی آواز میں کوئی بہت ہی غیر معمولی چیز محسوس ہوئی تھی جس نے اسے خوفزدہ کر دیا تھا مدھم آواز میں سر جھکائے انھوں نے اسے بتایا تھا کہ میڈیکل چیک اپ کے دوران ان کے دماغ میں تین جگہ ٹیومر کی تشخیص ہوئی ہے۔ ڈاکٹرز نے انھیں فوری طور پر آپریشن کا کہا ہے۔ اسے زندگی میں کبھی اتنا خوف نہیں آیا تھا۔ جتنا اس نے اس وقت باپ کا چہرہ دیکھتے ہوئے محسوس کیا۔

''میرے پاس کوئی راستہ نہیں ہے، آپریشن کرواؤں تب بھی بچنے کے چانسز بہت کم ہیں نہ کرواؤں تب بھی چند ماہ کے اندر میری بینائی ختم ہو جائے گی۔'' پھر شاید ان کی آواز بھاری ہو گئی۔ وہ پلکیں جھپکے بغیر بے یقینی کے عالم میں ان کا چہرہ دیکھتی رہی۔

''تم گھر میں سب سے بڑی ہو، میرے بعد تمھیں ہی میرا رول ادا کرنا ہے۔ میری ذمہ داریاں اٹھانی ہیں تمھیں بہت بہادر بننا ہوگا۔'' اس کا باپ آہستہ آہستہ اس سے کہہ رہا تھا۔

''مگر میں، میں تو کچھ بھی نہیں کر سکتی؟''

''کر لوگی، سیکھ جاؤ گی...... کرنا پڑے گا ورنہ گھر کا کیا ہوگا۔ مجھے آرمی سے ریلیز کیا جا رہا ہے۔ آنے والے دن بہت مشکل ہو جائیں گے، خاص طور پر تمہارے چھوٹے بہن بھائیوں کے لیے۔ تمہاری امی کہہ رہی تھیں کہ میں یہ سب کچھ تمھیں نہ بتاؤں تم سن نہیں سکو گی مگر تمھیں بتانا بہت ضروری تھا۔ تم میرے بعد گھر میں سب سے بڑی ہو۔ میں نے تمہاری امی سے کہا کہ تم بہت بہادر ہو تم سب کچھ سمجھ جاؤ گی۔''

اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ گھٹی گھٹی آواز میں اس نے باپ سے کہا۔ ''امی ٹھیک کہتی ہیں میں بہادر نہیں ہوں۔''

انھوں نے جواب میں کچھ نہیں کہا تھا، وہ صرف خاموشی سے اسے دیکھتے رہے تھے۔ امید کو اپنا وجود پگھلتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

''صرف میرے باپ کے ساتھ یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ وہ تو......'' اس کے دل میں بے اختیار شکوہ آیا تھا۔

''زندگی میں بہت کچھ ہوتا ہے امید......! اگر رونے سے تقدیر بدلی جاسکتی تو یہاں ہر انسان رو رہا ہوتا...... تمہاری طرح۔'' انھوں نے بائیں ہاتھ سے اس کے گالوں پر بہتے ہوئے آنسو صاف کیے تھے۔

''ہر شخص زندہ رہنا چاہتا ہے...... مگر یہ اپنے ہاتھ میں نہیں ہوتا...... میرے ہاتھ میں بھی نہیں ہے۔'' وہ بے اختیار باپ سے لپٹ گئی۔

''مگر مجھے یقین نہیں آرہا...... آپ کی باتوں پر مجھے یقین نہیں آرہا...... یہ کیسے ہوسکتا ہے...... یہ سب ہمارے ساتھ کیسے ہوسکتا ہے...... ہم آپ کے بغیر کیا کریں گے۔''

وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ میجر عالم جاوید کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔ وہ کتنی دیر روتی رہی تھی۔ اسے یاد نہیں صرف اتنا یاد ہے کہ جب اس کے آنسو تھمے تھے تو اس کے باپ نے ایک بار پھر اسے بہت سی نصیحتیں کی تھیں۔

وہ رات اس کی زندگی کی سب سے بھیانک راتوں میں سے ایک تھی۔ وہ ایک لمحے کے لیے بھی اپنی آنکھیں بند نہ کرسکی تھی۔ کیا سب کچھ اس طرح اتنی آسانی سے ختم ہو جائے گا۔ میرا گھر میرا باپ اور پھر میں...... میں کیا کروں گی؟ میں تو...... میں نے تو کبھی اپنے باپ کے علاوہ کچھ، کیا ہونے والا ہے؟ کیوں ہونے والا ہے؟ میرے ساتھ ہی کیوں؟ ہمارے ساتھ کیوں؟ اسے یاد نہیں صبح کب ہوئی تھی۔ اسے صبح ہونے کا احساس صرف تب ہوا تھا جب اس نے اپنے باپ کی تلاوت کرتی ہوئی آواز سنی تھی ہمیشہ کی طرح مطمئن۔ پرسکون...... وہ آواز سن کر ایک بار پھر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

اگلے کئی دن وہ کالج نہیں گئی۔ اگلے کئی دن اس نے روتے ہوئے گزارے۔ میجر عالم جاوید اسے ہر روز اپنے پاس بٹھا کر سمجھایا کرتے تھے پھر آہستہ آہستہ وہ سنبھلنے لگی تھی یا کم از کم اس نے باپ پر یہ ظاہر کرنا ضرور شروع کردیا کہ وہ نارمل ہونے لگی ہے۔ اب وہ ان کے سامنے نہیں روتی تھی ان سے چھپ کر روتی تھی۔ اس نے کالج جانا بھی شروع کردیا تھا۔ اس کی زندگی سے شوخی اور بچپنا یک دم غائب ہوگیا تھا۔ اسے آنے والی ذمہ داریوں کا احساس ہونے لگا تھا۔ ان کے پاس کوئی ذاتی یا خاندانی گھر نہیں تھا نہ ہی کوئی مناسب بینک بیلنس اور آرمی سے ریلیز ہونے کے بعد بھی مالی حالات میں کوئی زیادہ بڑی تبدیلی نہیں آسکتی تھی صرف یہی ہوسکتا تھا کہ وہ لوگ کوئی چھوٹا موٹا گھر یا فلیٹ خرید لیتے اور کچھ رقم فکس ڈپازٹ کروا دیتے مگر زندگی گزارنے کے لیے بہت سی دوسری چیزوں کی ضرورت تھی...... وہ چیزیں کہاں سے آتیں اور سب کچھ مل بھی جاتا تب بھی...... باپ کہاں سے ملتا۔

اگلے چند ماہ اس کے لیے کچھ اور مشکل ہوگئے...... وہ آہستہ آہستہ اپنے باپ کو ختم ہوتے دیکھ رہی تھی۔ میجر عالم جاوید آپریشن نہیں کروانا چاہتے تھے۔

''میں زندگی کے جتنے دن ہوش کے عالم میں تم لوگوں کو دیکھ سکتا ہوں دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں اپنی زندگی کو اور مختصر کرنا نہیں چاہتا۔'' انھوں نے آپریشن کروانے سے انکار کرتے ہوئے کہا تھا۔ کسی نے دوبارہ اس پر اصرار نہیں کیا تھا۔ امید کو کبھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ باپ کے سر میں ہونے والا کبھی کبھار کا درد کسی اتنی سنگین بیماری کا نتیجہ بھی ہوسکتا ہے۔ ان کے سر میں درد ہوتا تو وہ کوئی ٹیبلٹ لیتے اور سب کچھ ٹھیک ہو جاتا اور اب۔

میجر عالم جاوید آپریشن سے صرف اس لیے خوفزدہ تھے کہ ان کی زندگی اور مختصر ہو جائے گی مگران کی زندگی کو اتنا ہی مختصر ہونا تھا۔ ان کی موت کس قدر پرسکون طریقے سے ہوگی یہ کوئی نہیں جانتا تھا۔ ایک رات نیند کے دوران وہ بڑی خاموشی سے دنیا کو خیر باد کہہ گئے تھے۔

اسے اچھی طرح یاد تھا کہ ان کی موت کے بعد کتنے ہی دن وہ سب خود کو یقین نہیں دلا پائے تھے کہ وہ اب نہیں ہیں ہر وقت انہیں یونہی لگتا تھا جیسے وہ ابھی آ جائیں گے یا جیسے وہ وہیں موجود ہیں مگر پھر آہستہ آہستہ ان سب نے حقیقت سے سمجھوتا کر لیا تھا۔

امید نے ایک میچور لڑکی کی طرح گھر کی ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں۔ باپ کے ایک دوست کی وجہ سے انہیں آرمی کی طرف سے دیے گئے گھر میں کچھ اور عرصہ رہنے کا موقع مل گیا تھا۔

اس زمانے میں صرف ایک شخص تھا جس نے ہر قدم پر اس کی مدد اور رہنمائی کی تھی اور وہ جہاں زیب تھا۔ شاید اس کی اور اس کی فیملی کی مدد کے بغیر ان لوگوں کی دشواریوں اور مشکلات میں بہت زیادہ اضافہ ہو جاتا۔

جہاں زیب اس کے والد کے ایک دوست کا بیٹا تھا اور ان کے ساتھ ان لوگوں کے بہت گہرے تعلقات تھے۔ دونوں گھرانوں میں بہت زیادہ آنا جانا تھا۔ جہاں زیب کے والد ایک بزنس مین تھے اور وہ مستقل طور پر راولپنڈی میں مقیم تھے جبکہ امید کے گھر والے مختلف شہروں میں گھومتے رہتے اور ہر بار جب بھی چھٹیوں میں وہ راولپنڈی آتے تو پھر تمام چھٹیاں دونوں گھرانے تقریباً اکٹھے ہی گزارتے تھے جہاں زیب اس سے چار پانچ سال بڑا تھا اور اس کے مزاج میں بھی اتنی ہی شوخی تھی جتنی امید میں، وہ بہت جلد ہی امید میں دلچسپی لینے لگا تھا اور یہ بات دونوں خاندانوں میں چھپی نہیں رہی تھی مگر اس پر کسی نے اعتراض کرنے کے بجائے ان دونوں کی نسبت طے کر کے ان کی پسندیدگی کو قبولیت بخش دی تھی۔ وہ اس وقت میٹرک کر رہی تھی جب جہاں زیب سے اس کی نسبت طے ہوئی تھی اور وہ اس نسبت پر بہت زیادہ خوش تھی۔ نسبت طے ہونے کے بعد جہاں زیب ہفتے میں دو تین بار اسے راولپنڈی سے فون کیا کرتا تھا۔

میجر عالم جاوید کی علالت کے دوران بھی جہاں زیب اور اس کی فیملی سے ان کے تعلقات اتنے ہی گہرے تھے۔ وہ لوگ راولپنڈی سے ہر ویک اینڈ پر عالم جاوید کی عیادت کے لیے آتے۔ جہاں زیب کے والد اصرار کرتے کہ عالم علاج کے لیے باہر چلا جائے مگر میجر عالم جاوید ان کی بات کو نظر انداز کر دیتے، امریکہ میں علاج بہت مہنگا تھا۔ وہ اگر اپنا سب کچھ بیچ کر باہر چلے بھی جاتے تب بھی ان کے پاس کوئی گارنٹی نہیں تھی کہ ان کا آپریشن کامیاب ہوگا اور تب ان کے گھر والے کیا کرتے وہ انہیں فٹ پاتھ پر لا بٹھانا نہیں چاہتے تھے۔ جہاں زیب کے والد انہیں اپنے خرچ پر باہر بھیجنے کی آفر بھی کر چکے تھے مگر میجر عالم جاوید نے یہ آفر بھی ٹھکرا دی وہ ان سے قرض لینا چاہتے تھے نہ ہی احسان کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی وجہ سے ان کی بیٹی کے مستقبل پر کوئی اثر پڑے۔

ان کی وفات کے بعد بھی ان لوگوں نے اسی طرح ان سے اپنے رابطے قائم رکھے تھے۔ جہاں زیب ان دنوں گریجویشن کرنے کے بعد مزید تعلیم کے لیے باہر جانے کی تیاریوں میں مصروف تھا لیکن اس کے باوجود وہ تقریباً ہر ویک اینڈ پر اس کے پاس آتا اور ہر روز فون کیا کرتا۔ اس کی تسلیوں اور دلاسوں نے زندگی کے ایک مشکل مرحلے پر اس کی بہت مدد کی تھی۔ جہاں زیب کے لیے اس کی محبت اور گہری ہوتی گئی تھی۔ پھر وہ اس

سے بہت سے وعدے کر کے باہر چلا گیا تھا اور باہر جا کر اس نے اپنے سارے وعدے پورے کیے تھے وہ باقاعدگی سے اسے خط لکھتا تھا اور وقتاً فوقتاً فون بھی کرتا رہتا۔

اس نے جہاں زیب کے جانے کے بعد ایف ایس سی کر لیا تھا۔ ایف ایس سی میں اس کے بہت اچھے نمبر تھے وہ چاہتی تو میڈیکل کالج میں جا سکتی تھی مگر وہ اتنے زیادہ اخراجات نہیں اٹھا سکتی تھی۔ جہاں زیب کے والد نے انھیں راولپنڈی میں ایک چھوٹا مگر بہت اچھا گھر تلاش کر دیا تھا، اپنے باپ کی وفات کے بعد ان کے مختلف فنڈز کی رقوم سے انھوں نے وہ گھر خریدا اور راولپنڈی شفٹ ہو گئے۔

اب ان کے پاس بہت زیادہ رقم نہیں رہی تھی امید کے پاس اس کے سوائے کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ اپنی تعلیم چھوڑ دے اور کوئی جاب کر کے اپنی فیملی کو سپورٹ کرنے کی کوشش کرے اس نے یہی کیا تھا۔ کچھ عرصہ وہ راولپنڈی میں مختلف جابز کرتی رہی۔ پھر وہ بہتر مواقع کی تلاش میں لاہور آ گئی تھی۔

انٹر تک تعلیم اسے کوئی بھی اچھی جاب نہیں دلا سکتی تھی۔ یہ بات وہ اچھی طرح جان چکی تھی، اس لیے اس نے پرائیویٹ طور پر بی اے کی تیاری شروع کر دی تھی۔ اس زمانے میں اس نے بہتیرے کام کیے تھے، اس کا دن صبح پانچ بجے سے شروع ہوتا اور رات گیارہ بارہ بجے ختم ہوتا، آٹھ بجے تک وہ خود پڑھتی پھر تیار ہو کر اس آفس چلی جاتی جہاں وہ ریسپشنسٹ کے طور پر تین بجے تک کام کرتی تھی تین بجے وہاں سے فارغ ہو کر وہ ٹیوشنز پڑھانے چلی جاتی۔ رات آٹھ بجے تک وہ مختلف جگہوں پر ٹیوشنز پڑھاتی اور پھر ہاسٹل چلی آتی۔ جہاں آنے کے بعد وہ ایک بار پھر کتابوں میں گم ہو جاتی۔ اتنے بہت سے کام کرنے کے بعد ہی وہ اس قابل ہو پاتی تھی کہ ہر ماہ اپنے گھر والوں کو کچھ معقول رقم بھجوا سکے جنھیں اس کی ضرورت تھی۔

چوبیس گھنٹے ایک مشین کی طرح کام کرنے کے باوجود وہ ناخوش نہیں تھی۔ وہ ہر وقت پُرسکون اور مطمئن رہتی تھی۔ ''یہ سب کچھ صرف چند سال کے لیے ہے، پھر جہاں زیب آ جائے گا اور سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ میں تب تک اپنی ذمہ داریوں سے فارغ ہو چکی ہوں گی اور ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بہت اچھی زندگی گزاریں گے۔'' وہ ہر ہفتے جہاں زیب کی طرف سے ملنے والے خط کو پڑھ کر سوچتی۔

اس کی روم میٹ عقیلہ بھی جہاں زیب کے بارے میں جانتی تھی۔

''تم بہت لکی ہو امید! تمہارا منگیتر بہت اچھا ہے۔ مجھے حیرانی ہے کہ باہر جا کر بھی وہ تمھیں یاد رکھے ہوئے ہے۔ اس طرح لیٹرز اور کارڈز بھیجتا ہے۔''

عقیلہ اس کے باقاعدگی سے آنے والے خطوط اور کارڈز کو دیکھ کر کہتی۔ وہ مسکرا کر اس کی باتیں سنتی رہتی اور اسے خود پر رشک آتا ہاسٹل میں اس کے ساتھ والے کمرے میں بھی اس کے منگیتر کو ڈسکس کیا جاتا تھا۔ وہاں بھی اس پر رشک کیا جاتا تھا۔ سارے دن کی مصروفیت کے بعد اس کے پاس سکون کے لیے واحد چیز اس کے خط اور کارڈز ہی ہوتے تھے وہ کچھ دیر ان کے ساتھ مصروف رہتی اور پھر حیرت انگیز طور پر پُرسکون ہو جاتی۔

مہینے میں ایک دو بار وہ راولپنڈی جاتی۔ ویک اینڈ وہاں گزارتی اور پھر مطمئن ہو کر واپس آ جاتی۔ جہاں زیب کے والد نے اسے بہت دفعہ کہا تھا کہ وہ کوئی کام نہ کرے۔ وہ اس کے گھر کے اخراجات، برداشت کر سکتے ہیں مگر وہ یہ نہیں چاہتی تھی۔ وہ اپنی فیملی کے لیے سب کچھ خود ہی کرنا چاہتی

تھی۔ وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ جس گھر میں اسے کل کو بہو بن کر جانا ہے اس کے گھر والے پہلے ہی ان کے احسانوں تلے دب جائیں۔

''ٹھیک ہے محنت کرنا پڑ رہی ہے زندگی قدرے مشکل ہے۔ آسائشیں نہیں رہیں، مگر عزتِ نفس تو ہے ناں مجھے جہاں زیب کی فیملی کے سامنے نظریں جھکانا پڑتی ہیں نہ ہاتھ پھیلانا پڑتا ہے۔'' وہ سوچتی اور مطمئن ہو جاتی۔

بی اے کرنے کے بعد اس نے کچھ کمپیوٹر کورس کیے اور ایک فرم میں کمپیوٹر آپریٹر کے طور پر کام کرنے لگی۔ اس کے دوران دونوں بھائی میٹرک میں تھے۔ جہاں زیب باہر سے اسے تسلیاں دیا کرتا تھا کہ ان کے گریجویشن کرتے ہی وہ انھیں باہر بلا لے گا۔ وہ سوچتی یہ شخص میرے لیے کیا کیا کرے گا اور میں اس کا احسان کس طرح اتاروں گی۔ وہ اسے خط میں یہی لکھ دیتی۔ اس کا جواب آتا۔

''میں احسان نہیں کرتا...... محبت کرتا ہوں۔'' وہ اس کا جواب پڑھ کر سوچتی زندگی کوئی اندھا کنواں نہیں ہے اس میں بہت روشنی بہت جگمگاہٹ ہے بس ذرا دور ہے۔

♥......♥......♥

ان ہی دنوں وہ اپنی تعلیم ختم کر کے واپس پاکستان آ گیا تھا۔ پاکستان آنے کے چند دن بعد وہ ہاسٹل اسے ملنے آیا وہ پہلے سے زیادہ شاندار ہو گیا تھا۔

''امید! ہمیں کسی ریسٹورنٹ میں چلنا چاہیے۔ یہاں بیٹھ کر تو ہم باتیں نہیں کر سکتے۔'' وہ راولپنڈی سے اپنی کار ساتھ لایا تھا اور اب اس سے اصرار کر رہا تھا کہ وہ اس کے ساتھ چلے۔

''نہیں جہاں زیب! ہمیں باتیں کرنی ہیں تو ہم یہاں بیٹھ کر بھی کر سکتے ہیں۔ باہر تمھارے ساتھ جانا مناسب نہیں میں جب سے یہاں رہ رہی ہوں۔ کسی کے ساتھ باہر نہیں گئی اب تمھارے ساتھ جاؤں گی تو سب کی نظروں میں آ جاؤں گی۔''

اس نے معذرت کر لی۔ ''تو آ جاؤ نظروں میں کیا فرق پڑتا ہے؟'' وہ بے حد لاپروائی سے کہہ رہا تھا۔ امید نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

''فرق پڑتا ہے جہاں زیب مجھے فرق پڑتا ہے کیونکہ مجھے یہیں رہنا ہے۔''

''تمھیں ساری عمر تو یہاں نہیں رہنا۔ جتنا رہ چکی ہو کافی ہے اب میں آ چکا ہوں اور میں شادی کرنا چاہتا ہوں پھر تمھیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس کے چہرے کا رنگ تھوڑا بدل گیا۔

''وہ ٹھیک ہے لیکن پھر بھی میں جب تک یہاں رہنا چاہتی ہوں۔ اچھے طریقے سے رہنا چاہتی ہوں۔'' امید نے بات بدلنے کی کوشش کی۔

''اتنا قدامت پرست بننے کی ضرورت نہیں ہے امید! میرا خیال تھا کہ تم اب تک کچھ لبرل ہو چکی ہو گی مگر تم...... خیر اس بحث کو چھوڑ و فی الحال تو میرے ساتھ چلو۔ میں صرف تمھارے لیے راولپنڈی سے گاڑی پر لاہور آیا ہوں۔''

''جہاں زیب! یہ ٹھیک نہیں ہے۔ اس وقت ویسے بھی شام ہو رہی ہے اور تمھارے ساتھ پھرنا تمھیں سمجھنا چاہیے میرے پرابلم کو۔'' امید نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''اس میں پرابلم والی کون سی بات ہے۔ میں تمہارا منگیتر ہوں تم بتا دینا ہاسٹل میں سب کو۔''

''یہاں ہر لڑکی کسی کے ساتھ جاتے ہوئے اسے کزن بتاتی ہے یا منگیتر۔ اس لیے میرے یہ کہنے سے کوئی زیادہ فرق نہیں پڑے گا۔''

''امید! یہ بہت فضول بات ہے۔ تمہیں میری خواہش کا احترام کرتے ہوئے میرے ساتھ چلنا چاہیے۔'' جہاں زیب کا موڈ یک دم بگڑنے لگا تھا، امید حیران ہو رہی تھی جہاں زیب کبھی اس طرح ضد نہیں کیا کرتا تھا۔ راولپنڈی میں ان کی منگنی کے بعد ان کے درمیان روزانہ فون پر بات ہوتی اور وہ اکثر ان کے گھر آیا کرتا لیکن اس نے اس طرح کبھی اسے باہر چلنے کے لیے کہا تھا نہ ہی ایسی کسی بات پر کبھی ضد کی تھی اور اب وہ ناراض ہو رہا تھا۔ امید کو اس کے رویے سے عجیب سی الجھن ہونے لگی تھی۔ اس کے مسلسل اصرار کے باوجود وہ اس کے ساتھ نہیں گئی وہ بہت مشتعل ہو کر وہاں سے گیا تھا۔

امید پریشانی کے عالم میں اپنے کمرے میں واپس آ گئی۔

''کیا ہوا ہے بہت پریشان لگ رہی ہو۔'' عقیلہ نے اس کے چہرے کے تاثرات سے اس کی پریشانی کو بھانپ لیا۔

''نہیں، کچھ نہیں۔'' وہ اپنے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''تم جہاں زیب سے ملنے گئی تھیں مل لیں؟'' عقیلہ نے غور سے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں۔''

''کوئی جھگڑا ہو گیا ہے؟''

''ہاں۔''

''کیا ہوا؟''

''عقیلہ! وہ مجھے باہر لے جانا چاہ رہا تھا۔''

''تو؟'' عقیلہ نے بہت پرسکون انداز میں جواب دیا۔

''تو......تو یہ کہ میں نے انکار کر دیا۔''

''کیوں؟''

''یہ ٹھیک نہیں ہے۔ اس طرح اس کے ساتھ باہر جانا۔''

''کیوں ٹھیک نہیں ہے؟ وہ تمہارا منگیتر ہے۔ اتنے سالوں کے بعد باہر سے آیا ہے۔''

''مگر یہ غلط ہے عقیلہ!'' وہ تقریباً چلا پڑی۔ ''ہاسٹل میں سب لوگ میرے بارے میں کیا سوچتے اور میرے گھر والوں کو پتا چلتا تو وہ کیا محسوس کرتے۔''

''ہاسٹل میں رہنے والوں کی پروا کرنے کی تمہیں ضرورت نہیں ہے۔ وہ جو چاہیں انہیں سمجھنے دو۔ جہاں تک گھر والوں کی بات ہے تو تمہارے

گھر والوں کو کیسے پتا چلے گا۔ وہ تو راولپنڈی میں ہیں۔''

''اسی لیے تو میں یہ دھوکا نہیں کرنا چاہتی۔ ان کا اعتماد توڑنے کی ہمت نہیں ہے مجھ میں۔'' اس نے صاف انکار کیا۔

''جہاں زیب بالکل صحیح ناراض ہوا ہے۔ تمھارے جیسی لڑکی کے ساتھ یہی کرنا چاہیے۔ وہ تم سے محبت کرتا ہے اور تم...... تمھیں کبھی ہاسٹل کی فکر ہوتی ہے اور کبھی گھر والوں کی اپنی کیوں نہیں سوچتیں تم؟''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟''

''مطلب بالکل واضح ہے۔ وہ تمہارا منگیتر ہے۔ تمھیں اس کی خواہشات کو اولیت دینی چاہیے۔ وہ تمھیں اگر اپنے ساتھ باہر لے جانا چاہ رہا تھا تو اس میں کوئی ایسی بری بات نہیں ہے۔''

''بری بات ہے...... میرے ڈیڈی نے جہاں زیب کے ساتھ منگنی ہونے کے بعد ایک بار مجھ سے کہا تھا کہ وہ فون کرتا ہے۔ ٹھیک ہے، اس سے بات کرلیا کرو مگر اس کے ساتھ شادی سے پہلے کبھی باہر مت جانا۔''

عقیلہ اس کی بات پر عجیب سے انداز میں ہنسی۔

''تمھارے ڈیڈی بہت عرصہ پہلے مر چکے ہیں جو لوگ مر جاتے ہیں۔ ان کے اقوال زریں دہرانے اور ان پر عمل کرنے کے بجائے زندہ لوگوں کی خواہشات کے بارے میں غور کرنا چاہیے۔'' امید کو اس کی بات پر دھچکا لگا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ وہ اس کے باپ کے بارے میں اتنی بے رحمی سے بات کرے گی۔

''مجھے دیکھو، میں بھی شفیق کے ساتھ باہر جاتی ہوں، حالانکہ ہم دونوں کی تو کوئی منگنی نہیں ہوئی، تمھارے نظریات کے لحاظ سے تو میں بھی ایک بری لڑکی ہوں، ہے نا؟'' وہ سمجھ نہیں پائی وہ طنز کر رہی تھی یا......

''وہ تمہارا اپنا فیصلہ ہے، میں دوسروں کے کردار کے حوالے سے کوئی بات نہیں کرتی، مگر اپنے لیے مجھے یہ کرنا اچھا نہیں لگتا۔''

''کیوں اچھا نہیں لگتا۔ نو سال سے وہ تمہارا منگیتر ہے۔ تمہاری اپنی مرضی سے وہاں منگنی ہوئی ہے۔ اپنے ڈیڈی کے فرمان اگر بھول جاؤ تو بتاؤ کہ اس کے ساتھ باہر جانے میں کیا حرج ہے۔ وہ تمھیں کھا تو نہیں جائے گا۔ اگر تم اسے فون کر سکتی ہو...... خط لکھ سکتی ہو۔ ہاسٹل میں مل سکتی ہو تو پھر اس کے ساتھ باہر جانے میں کیا حرج ہے انسان میں منافقت نہیں ہونی چاہیے۔''

وہ اسے پتا نہیں کیا جتا رہی تھی کچھ کہنے کی بجائے وہ خاموشی سے اپنے کمرے سے باہر نکل آئی۔ لان میں بہت دیر تک وہ اضطراب اور بے چینی کے عالم میں ٹہلتی رہی تھی۔ پھر اچانک اس نے عقیلہ کو اپنی طرف آتے دیکھا۔

''تمھیں کب سے ڈھونڈ رہی ہوں، بتا تو جاتیں کہ لان میں بیٹھو گی۔ جہاں زیب کی کال آئی ہے میرے موبائل پر، وہ کچھ دیر بعد دوبارہ کال کرے گا۔''

اس نے اطلاع دی۔ وہ بے اختیار خوش ہوئی۔ اس کا مطلب ہے کہ اس کا غصہ کم ہو گیا ہے۔ وہ جہاں زیب کی عادت جانتی تھی۔ عقیلہ کے

ساتھ وہ کمرے میں آ گئی تھی۔ پندرہ منٹ بعد جہاں زیب کی کال آئی تھی۔ اس کا غصہ واقعی ختم ہو چکا تھا۔ اس نے امید سے اپنے تلخ رویے کے لیے معذرت کی۔ امید نے کھلے دل سے اسے معاف کر دیا تھا۔

''اس ویک اینڈ پر تم راولپنڈی آ سکتی ہو؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔

''کیوں؟''

''میرے گھر والے تمھارے گھر آنا چاہ رہے ہیں۔ میں بھی ان کے ساتھ آؤں گا۔ یہاں نہیں تو چلو وہاں تو ملاقات ہو ہی سکتی ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ میں راولپنڈی آ جاؤں گی۔'' اس نے بڑی خوشی سے ہامی بھرلی۔

فون بند کرتے ہی عقیلہ نے اس سے کہا۔ ''تم بہت لکی ہو امید کہ تمھیں جہاں زیب جیسا شخص ملا ہے، ورنہ کوئی دوسرا شخص تو، مجھے لگتا ہے، وہ واقعی تم سے بہت محبت کرتا ہے۔''

امید، عقیلہ کی بات پر فخریہ انداز میں مسکرائی۔

''ہاں اس میں تو کوئی شک نہیں کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔ وہ میری بات سمجھ لیتا ہے۔'' وہ کہتے ہوئے کھانا لینے کے لیے میس میں چلی گئی۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

ویک اینڈ پر وہ راولپنڈی آ گئی۔ رات کو جہاں زیب اپنے گھر والوں کے ساتھ آیا تھا۔ ہمیشہ کی طرح اس کی خوش مزاجی اپنے عروج پر تھی۔

''میری امی آج تاریخ طے کرنے آئی ہیں۔'' وہ اس کے کمرے میں آ کر اسے بتانے لگا۔

''کیا؟'' وہ تقریباً چلا اٹھی۔

''اتنی جلدی۔''

''یہ اتنی جلدی ہے؟ تمھیں یاد رکھنا چاہیے کہ ہماری منگنی ہوئے آٹھ نو سال ہو گئے ہیں۔ اب ویسے بھی میں آیا ہی سیٹل ہونے کے لیے ہوں جاب کر رہا ہوں۔ ظاہر ہے مجھے گھر تو بسانا ہی ہے۔''

''مگر جہاں زیب! مجھ پر ابھی بہت سی ذمہ داریاں ہیں، میری بہن اور بھائی ابھی۔'' اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔

''یار! تم اپنی فیملی کے بارے میں فکر مند مت ہو۔ میں سپورٹ کر سکتا ہوں انھیں، میری پے بہت اچھی ہے جتنی رقم کے لیے تم دوسرے شہر میں رہ کر سارا دن کام کرتی ہو۔ اتنی رقم میں بہت آسانی سے دے سکتا ہوں...... اس لیے تمھیں اس معاملے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ بہت مطمئن تھا۔

''میں یہ نہیں چاہتی جہاں زیب کہ تم میری فیملی کو سپورٹ کرو۔ یہ کام مجھے خود کرنا ہے کیونکہ وہ میری ذمہ داری ہیں تمھاری نہیں۔ میں انھیں تم پر یا کسی دوسرے پر بوجھ بنانا نہیں چاہتی۔'' وہ اس کی بات پر سنجیدہ ہو گئی۔

''وہ مجھ پر بوجھ نہیں ہوں گے۔ تمھاری فیملی کے ساتھ ہمارے کیسے تعلقات ہیں، یہ تم اچھی طرح جانتی ہو اور ویسے بھی جب تمھارے بھائی

اپنے پیروں پر کھڑے ہو جائیں گے تو پھر انھیں ہم سے کچھ لینے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی صرف چند سال ہی کی تو بات ہے۔''

''نہیں چند سال کے لیے بھی نہیں...... میں انھیں تمہارا احسان مند نہیں بنانا چاہتی۔ تم پہلے ہی میرے لیے بہت کچھ کر چکے ہو۔'' امید نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

''امید! میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا۔ یہ بات اپنے ذہن سے نکال دو۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں اور جو بھی میں نے کیا۔ وہ فرض سمجھ کر کیا ہے۔''

''پھر بھی میں اپنی فیملی کو کسی دوسرے کی ذمہ داری بنانا نہیں چاہتی۔''

''اچھا یہ تو ہو سکتا ہے نا کہ تم شادی کے بعد بھی جاب کرتی رہو اور اپنی فیملی کو اپنی پے سے سپورٹ کرو۔'' جہاں زیب نے بحث ختم کرنے کے لیے ایک تجویز پیش کی۔

''کیا تم جاب کی اجازت دے دو گے؟'' وہ کچھ سوچ میں پڑ گئی۔

''ہاں، جب تک تمہاری فیملی کو ضرورت ہے تب تک تو تم جاب کر سکتی ہو۔'' جہاں زیب نے فوراً کہا وہ خاموش ہو گئی۔

ڈیڑھ ماہ بعد اس کی شادی کی تاریخ طے ہو گئی تھی۔ وہ ویک اینڈ کے بعد واپس لاہور آ گئی۔ قدرتی طور پر وہ بہت پُرسکون اور خوش تھی۔ اس کی زندگی کا ایک نیا باب شروع ہونے والا تھا۔ اس نے ہاسٹل کی انتظامیہ کو آگاہ کر دیا تھا کہ وہ اگلے ماہ سے ہاسٹل چھوڑ رہی ہے ہاسٹل میں اس کی جن لڑکیوں سے واقفیت تھی وہ سب بھی جان گئی تھیں کہ اس کی شادی ہونے والی ہے۔ جہاں زیب اکثر اسے فون کیا کرتا تھا۔ فون پر ہمیشہ کی طرح وہ اس سے اپنی محبت کا اظہار کرتا شادی کے حوالے سے اپنے منصوبے بتاتا، کچھ دن پہلے کی ہونے والی تلخی کو وہ جیسے یکسر فراموش کر چکا تھا۔ امید کا خیال تھا کہ شاید دوبارہ وہ اسے کبھی باہر ملنے کے لیے نہیں کہے گا مگر اس کا خیال غلط تھا۔

♥......♥......♥

وہ ایک دن پھر ہاسٹل چلا آیا اور اس نے ایک بار پھر اسے اپنے ساتھ چلنے پر مجبور کرنا شروع کر دیا۔ وہ دونوں ہاسٹل کے اندر گیٹ کے قریب لان میں موجود بینچ پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ ''جہاں زیب! میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ یہ ٹھیک نہیں ہے میں اس طرح تمھارے ساتھ نہیں جا سکتی۔''

''کیوں اب تمھیں کیا مسئلہ ہے۔ اب تو تمھیں اس ہاسٹل میں بھی نہیں رہنا میرے ساتھ شادی ہونے والی ہے۔''

''اسی لیے میں تمھارے ساتھ اس طرح پھرنا نہیں چاہتی۔''

''کیا تم مجھ پر اعتماد نہیں کرتیں۔''

''میں تم پر اعتماد کرتی ہوں، لیکن اس طرح باہر جانا مجھے ٹھیک نہیں لگتا۔''

جہاں زیب کچھ دیر خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا پھر اس نے امید کا ہاتھ پکڑ لیا۔ امید کو جیسے ایک کرنٹ لگا اس نے آج تک کبھی ایسی حرکت نہیں کی تھی۔ امید نے بے اختیار اپنا ہاتھ واپس کھینچ لیا۔

''جہاں زیب! تم کیا کر رہے ہو؟''

''کیا کر رہا ہوں؟ تمہارا ہاتھ پکڑا ہے۔ اب تم کہہ دو کہ یہ بھی ٹھیک نہیں ہے۔'' اس نے تلخ لہجے میں کہا تھا۔

''میں ایسی لڑکی نہیں ہوں جہاں زیب۔''

''اب اپنی پارسائی کے بارے میں وعظ شروع مت کرنا، چار پانچ سال سے تم اس ہاسٹل میں ہو۔ سارا دن مردوں کے ساتھ کام کرتی ہو۔ میرے ہاتھ پکڑنے پر تم نے اس طرح ہاتھ کھینچا ہے۔ جہاں کام کرتی ہو وہاں پتا نہیں کتنے مردوں نے تمہارا ہاتھ پکڑا ہوگا۔'' وہ بے یقینی سے جہاں زیب کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''کیا یہ الفاظ اس شخص نے کہے ہیں جس سے میں محبت کرتی ہوں؟'' وہ فق چہرے کے ساتھ سوچ رہی تھی۔

''میرا ہاتھ کبھی کسی نے نہیں پکڑا۔ میں مردوں کے ساتھ صرف کام کرتی ہوں اور وہ بھی اس لیے کہ کام کرنا میری مجبوری ہے مگر میں آوارہ لڑکی نہیں ہوں۔''

''میں نے تم سے کہا ہے کہ مجھے اپنی پارسائی کے بارے میں کوئی وعظ مت دینا۔ میں یہ کبھی مان ہی نہیں سکتا کہ مردوں کے ساتھ کام کرنے والی کوئی لڑکی مکمل طور پر شریف ہو اور میں تم سے تمہاری شرافت یا پارسائی کا کوئی ثبوت مانگنے نہیں آیا۔ تم کیا کرتی رہی ہو۔ مجھے دلچسپی نہیں ہے میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ میں تمہارا ہاتھ پکڑوں تو تم ہاتھ نہ چھڑاؤ اور اگر میں یہ چاہوں کہ میرے ساتھ باہر چلو تو تم بغیر کچھ سوچے سمجھے میرے ساتھ چل پڑو۔ تمہارا منگیتر اور ہونے والے شوہر کی حیثیت سے میں اتنا حق تو رکھتا ہی ہوں کہ تم میری بات مانو اگر کوئی لڑکی ان لوگوں پر نوازشات کر سکتی ہے جن کے ساتھ وہ کام کرتی ہے تو پھر اپنے منگیتر پر کیوں نہیں۔''

وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بڑی بے خوفی سے کہہ رہا تھا وہ اتنی ہی بے یقینی سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

''تم جانتے ہو جہاں زیب! میں کس خاندان سے تعلق رکھتی ہوں۔ میرے باپ نے مجھے کیسی تربیت دی ہے پھر تمہارے ذہن میں یہ شک کیوں ہے کہ یہاں آنے کے بعد میں یہاں یہ سب کچھ کرتی رہی ہوں۔'' اس نے دل گرفتہ ہو کر اس سے پوچھا۔

''خاندان سے کوئی فرق پڑتا ہے نہ ہی ماں باپ کی تربیت سے...... آزادی انسان سے بہت کچھ کروا دیتی ہے۔ میں بھی پارسا نہیں ہوں۔ اتنا عرصہ باہر رہتے ہوئے میں بھی زندگی اپنی مرضی سے گزارتا رہا ہوں ہر چیز اپنی مرضی سے کرتا رہا ہوں۔''

''تم یہ سب کرتے رہے ہو گے مگر میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ میں مسلمان ہوں میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا جس پر مجھے تمہارے، اپنے گھر والوں یا اللہ کے سامنے ندامت اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا ہو۔ میرے مذہب میں جو چیز گناہ ہے۔ اسے میں گناہ ہی سمجھتی ہوں اور اس سے بچتی رہی ہوں۔''

''مذہب بہت آؤٹ ڈیٹڈ چیز ہے۔ اس کا سہارا منافق لیتے ہیں۔''

وہ اس کا منہ دیکھ کر رہ گئی۔

''تمہارا ذہن اتنا قدامت پرست ہے کہ تم آج کی دنیا میں چل نہیں سکتیں، مذہب کا سہارا لے کر جو اخلاقی اقدار تم اپنائے ہوئے ہو، وہ بہت پہلے ختم ہو چکی ہیں۔ زندگی میں سب سے ضروری چیز خوشی ہوتی ہے اور انسان کو چاہیے کہ خوشی حاصل کرنے کے لیے جو چاہے کرے۔ مذہب کی دیواریں اپنے گرد حائل مت کرے میں اپنی بیوی میں وہ ساری خوبیاں دیکھنا چاہتا ہوں جو کسی بھی لبرل، براڈ مائنڈڈ عورت میں ہوں کیونکہ مجھے جس سوسائٹی میں موو کرنا ہے وہاں مجھے ایک ایسی ہی عورت چاہیے۔ تمہاری شرافت میرے کام آئے گی نہ تمہیں میرے ساتھ چلنے دے گی۔ آج بیٹھ کر میری باتوں پر سوچو، کل میں اسی وقت تمہیں لینے آؤں گا۔'' وہ تلخی سے کہتا ہوا اٹھ کر چلا گیا۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

''تم احمق ہو، وہ ساتھ لے جانا چاہتا ہے۔ چلی جاؤ۔ ہو سکتا ہے اس طرح اس کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے اور تمہارا مسئلہ ختم ہو جائے۔'' اس رات عقیلہ نے اس کی ساری باتیں سننے کے بعد کہا۔

''تم جتنا اس سے بچ رہی ہو۔ اس کی خفگی اتنی ہی بڑھ رہی ہے۔ ظاہر ہے ایک بندہ اگر کسی سے محبت کرے، خاص طور پر اس کے لیے دوسرے شہر سے آئے اور اگلا بندہ ساتھ چلنے پر بھی تیار نہ ہو تو غصہ تو آئے گا۔''

امید نے بے بسی سے اپنے سر پر ہاتھ رکھ لیے۔

''امید! جہاں محبت ہو وہاں اس طرح کی فضول ضدیں نہیں ہونی چاہئیں۔ تمہاری تو ویسے بھی اگلے ماہ اس سے شادی ہونے والی ہے۔ اگر اس کی خواہش ہے کہ تم اس کے ساتھ کہیں گھومنے کے لیے چلو تو کیا برائی ہے۔ ہر مرد کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنی منگیتر کے ساتھ کہیں تفریح کے لیے جائے۔ مگر تمہاری ضد تمہارے مستقبل پر اثر انداز ہو سکتی ہے اگر غصہ میں آ کر اس نے تم سے شادی سے انکار کر دیا تو تم کیا کرو گی۔''

''پلیز عقیلہ! اس طرح مت کہو۔ وہ مجھ سے بہت محبت کرتا ہے۔ نو سال ہونے والے ہیں ہماری منگنی کو۔ اتنی چھوٹی سی بات پر تو وہ اسے

نہیں چھوڑ سکتا۔''

''بعض دفعہ رشتے چھوٹی چھوٹی باتوں پر ہی ٹوٹتے ہیں۔''

''میں اس سے بہت محبت کرتی ہوں۔''

''اسی لیے کہہ رہی ہوں کہ اس کی بات مان لو۔ وہ کھانے پر لے جانا چاہتا ہے۔ چلی جاؤ۔ وہ بھی خوش ہو جائے گا اور تم لوگوں کا جھگڑا بھی ختم ہو جائے گا۔''

عقیلہ اب سونے کے لیے لیٹ چکی تھی۔ لیکن امید سو نہیں پا رہی تھی۔ جہاں زیب کے بدلے ہوئے لہجے نے آج اسے بہت تکلیف دی تھی۔ اسے توقع نہیں تھی کہ کبھی وہ اس سے اس طرح کی باتیں کہہ سکتا تھا۔ کیا اسے یاد نہیں ہے کہ ہم دونوں کا تعلق کتنا پرانا ہے۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے کتنی محبت کرتے تھے۔ اب ایک معمولی سی بات کو وہ اتنی اہمیت دے کر اس طرح کی باتیں کیوں کر رہا ہے۔ کیا ہمارا رشتہ اتنا کمزور ہے کہ اس کی ایک بات نہ ماننے کی وجہ سے ٹوٹ جائے گا اور میں...... میں اب کیا کروں؟ کیا اس کے ساتھ چلی جاؤں یا پھر اور اگر میں اس کے ساتھ نہیں جاتی تو کیا وہ واقعی منگنی توڑ دے گا۔

اسے جہاں زیب کا سرد لہجہ یاد آیا۔

''کیا عقیلہ کی بات مان لینی چاہیے۔ ایک بار اس کے ساتھ چلے جانا چاہیے پھر میں اس سے کہہ دوں گی کہ وہ مجھے دوبارہ اپنے ساتھ چلنے پر مجبور نہ کرے۔ اس طرح اس کی ناراضی ختم ہو جائے گی۔'' وہ کسی فیصلہ پر پہنچنے کی کوشش کر رہی تھی۔

♥......♥......♥

اگلے روز دوپہر کو جہاں زیب نے اس کے آفس فون کیا۔ ''ٹھیک ہے میں آج شام تمھارے ساتھ چلوں گی مگر تم دوبارہ کبھی مجھے اس طرح اپنے ساتھ چلنے پر مجبور مت کرنا۔''

اس نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔ جہاں زیب کا موڈ یک دم خوشگوار ہو گیا۔

''ٹھیک ہے یار! میں آئندہ نہیں کہوں گا، مگر اب تو تم میرے ساتھ چلنا اور پلیز، بہت اچھی طرح سے تیار ہونا۔ میں تمھیں اپنے ساتھ پی سی لے جانا چاہتا ہوں۔'' وہ پتا نہیں اور بھی کیا کچھ کہتا رہا تھا۔ اس نے بے جان ہاتھوں سے اس کی گفتگو سننے کے بعد فون بند کر دیا۔

شام کو وہ ضمیر کی ملامت کے باوجود تیار ہونے لگی تھی۔ عقیلہ نے اسے اس فیصلہ پر سراہا تھا۔ جہاں زیب سات بجے اسے لینے کے لیے آ گیا تھا۔ وہ بوجھل قدموں سے آ کر فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔

''یار! اب موڈ بھی ٹھیک کر لو، اتنی خوبصورت لگ رہی ہو، مگر چہرے پر بارہ بجے ہوئے ہیں یوں لگ رہا ہے جیسے تم میرے ساتھ کہیں تعزیت کے لیے جا رہی ہو۔''

وہ خود کو جتنا شرمندہ محسوس کر رہی تھی۔ جہاں زیب اتنا ہی چہک رہا تھا۔ اس کے کانوں میں بار بار اپنے باپ کی آواز آ رہی تھی اور اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے گلے کا پھندا مسلسل تنگ ہو رہا ہو۔ جہاں زیب اسے اپنے ساتھ پی سی لے گیا وہ مسلسل اس سے باتیں کر رہا تھا۔ اس کی خوبصورتی کی تعریف کر رہا تھا۔ اس کے لباس کو سراہ رہا تھا آج پہلی بار اسے جہاں زیب کے منہ سے یہ سب کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا وہاں بیٹھے سارے لوگ اسے ملامت بھری نظروں سے دیکھ رہے ہوں، جیسے وہ ہنستے ہوئے ایک دوسرے سے کہہ رہے ہوں دیکھو یہ بھی ایک اور آوارہ لڑکی ہے جو اپنے آشنا کے ساتھ پھر رہی ہے۔ رات آٹھ بجے پی، سی میں بیٹھے ہوئے اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ پھانسی والی کوٹھڑی میں بیٹھی ہو اگر آج ڈیڈی زندہ ہوتے تو کیا پھر بھی مجھ میں اتنی ہمت ہوتی کہ میں سب کی نظروں میں دھول جھونک کر یہاں اس شخص کے ساتھ بیٹھی ہوتی۔ کھانا کھاتے ہوئے اس سوچ نے اس کے حلق میں کانٹے اگا دیے تھے۔

نو بجے پی، سی میں ڈنر سے فارغ ہو کر جہاں زیب نے اسے ایک آئس کریم پارلر سے آئس کریم کھلائی۔ اس کے بعد وہ بے مقصد سڑکوں پر پھرنے لگا۔

''جہاں زیب! اب مجھے ہاسٹل واپس چھوڑ دو۔ گیارہ بجے کے بعد ہاسٹل میں کوئی مجھے داخل نہیں ہونے دے گا۔''

''تمھیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں خود ہاسٹل کی انتظامیہ سے بات کر لوں گا۔'' وہ بے حد مگن تھا۔

''کیا ہم نے کافی تفریح نہیں کر لی۔ اب اس طرح آوارہ گردی کرنے سے بہتر ہے کہ تم مجھے ہاسٹل چھوڑ آؤ۔''

اس نے کچھ زچ ہو کر کہا۔ اس وقت وہ کینٹ کی سڑکوں پر ڈرائیو کر رہا تھا۔

''یار! تم خوامخواہ پریشان ہو رہی ہو...... کہا نا چھوڑ آؤں گا۔''

اس نے کار میں لگے ہوئے اسٹیریو کا والیم تیز کرتے ہوئے کہا۔ وہ خاموش ہو گئی، وہ اس سے باتیں کر رہا تھا۔ باتیں کرتے کرتے اس نے

کینٹ کی ایک سنسان اور قدرے تاریک سڑک کے کنارے گاڑی پارک کردی۔ امید نے اپنے کندھے پر اس کے ہاتھ کا دباؤ محسوس کیا تھا۔ خوف کی ایک لہر اس کے اندر سے اٹھی۔

''جہاں زیب! گاڑی یہاں کیوں روک دی؟'' اس نے اپنے لہجے کو بہت نارمل رکھتے ہوئے کہا۔

جہاں زیب ڈیش بورڈ میں موجود گلو کمپارٹمنٹ میں سے ایک کین نکال رہا تھا۔ اس کا ایک بازو ابھی بھی امید کے کندھے پر تھا، چند لمحوں کے لیے اس کے کندھے پر سے اپنا ہاتھ ہٹا کر اس نے کین کھول لیا پھر اس نے دوبارہ امید کے کندھے پر اپنا بازو پھیلا لیا۔

''جہاں زیب! یہاں سے چلو...... دیر ہو رہی ہے۔'' اسے اپنے جسم میں کپکپاہٹ محسوس ہو رہی تھی۔

وہ پرسکون انداز میں کین سے گھونٹ بھرتے ہوئے مسکراتے ہوئے اسے دیکھتا رہا۔ ''میں کم از کم آج رات تمھیں واپس چھوڑ آنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔''

وہ کچھ بول نہیں پائی۔

''لو تم بھی ڈرنک کرو۔'' اسی اطمینان کے ساتھ بات کرتے ہوئے وہ کین اس کے ہونٹوں کے پاس لے آیا۔

امید نے ایک ہاتھ سے کین کو اپنے چہرے سے دور کر دیا۔ ''جہاں زیب! مجھے فوراً واپس چھوڑ کر آؤ۔'' اس بار اس نے بلند آواز میں کہا۔

''میں نے کہا نا کم از کم آج رات میں تمھیں واپس چھوڑ کر نہیں آؤں گا۔ یہاں سے تم میرے ساتھ اس ہوٹل چلو گی جہاں میں ٹھہرا ہوں پھر کل تم کو میں واپس چھوڑ آؤں گا۔'' وہ پرسکون انداز میں اسے اپنی پلاننگ بتا رہا تھا۔

''تم پاگل ہو گئے ہو، میں تمھارے ساتھ کبھی نہیں جاؤں گی۔'' وہ یک دم اپنے کندھے سے اس کا ہاتھ جھٹک کر غرائی۔

''تم میرے ساتھ آچکی ہو۔ ہوٹل نہیں جاؤ گی تو بھی ٹھیک ہے۔ ہم یہیں رہیں گے۔''

وہ اب بھی کین سے گھونٹ بھر رہا تھا۔ وہ چند لمحے اسے بے بسی سے دیکھتی رہی پھر اس نے یک دم دروازہ کھول کر گاڑی سے نکلنا چاہا۔ جہاں زیب نے برق رفتاری سے اسے واپس اندر کھینچ لیا۔ گاڑی کا دروازہ اسی تیزی کے ساتھ بند ہو گیا پھر اس نے امید کے چہرے پر زوردار تھپڑ مارا۔

''کوئی ڈرامہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''اگر تم نے میرے ساتھ کوئی بدتمیزی کی تو میں چلاؤں گی۔''

''تو چلاؤ...... گلا پھاڑو...... میں دیکھنا چاہتا ہوں تم کیا کر سکتی ہو؟'' وہ غرایا۔

امید نے ایک بار پھر گاڑی سے باہر نکلنے کی کوشش کی۔ جہاں زیب نے اپنا ایک ہاتھ اس کی سمت والے دروازے کے ہینڈل پر رکھتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

''اب کیا کرو گی؟ چلتی گاڑی سے چھلانگ لگاؤ گی؟'' اس نے دروازے کے ہینڈل سے ہاتھ اُٹھا کر اسے اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ گاڑی بہت تیز رفتاری سے سڑک پر بھاگ رہی تھی اور تب ہی انھوں نے اپنے پیچھے سائرن کی آواز سنی۔

جہاں زیب نے یک دم اسے چھوڑ کر بیک ویو مرر سے پیچھے دیکھا۔ ملٹری پولیس کے دو سارجنٹ ایک بائیک پر ان کے پیچھے آ رہے تھے۔ تیز رفتاری سے چلتی ہوئی موٹر بائیک ان کے بالکل سامنے گاڑی کا راستہ کاٹتے ہوئے رک گئی۔

''میں ان سے کہوں گا۔ تم میری بیوی ہو......اور اگر تم نے اس بات سے انکار کیا تو......'' گاڑی روکتے ہوئے امید نے جہاں زیب کو کہتے سنا۔ دونوں سارجنٹ اب جہاں زیب کو دروازہ کھول کر باہر نکلنے کے لیے کہہ رہے تھے۔

''مگر پرابلم کیا ہے؟'' اس نے دروازہ کھولنے کے بجائے شیشہ نیچے کرتے ہوئے کہا۔

''کیا کر رہے تھے تم دونوں گاڑی کے اندر؟'' ملٹری پولیس کے اس سارجنٹ نے کھڑکی سے اندر جھانکتے ہوئے تیز اور کرخت آواز میں ان دونوں سے پوچھا۔

''ہم دونوں میاں بیوی ہیں۔'' جہاں زیب نے آواز کو پرسکون کرتے ہوئے کہا۔

''کیوں بی بی! یہ شوہر ہے تمہارا؟'' سارجنٹ نے اس بار امید سے پوچھا۔ اس کے حواس اب تک بحال نہیں ہوئے تھے اور شاید یہ اس کے چہرے کے تاثرات ہی تھے جس نے سارجنٹ کے لہجے کو کچھ اور کرخت کر دیا۔

امید کے جواب کا انتظار کیے بغیر اس نے جہاں زیب کو گاڑی سے نکلنے کے لیے کہا۔ جہاں زیب نے باہر نکلنے سے پہلے ایک تیز نظر اس پر ڈالی اور گاڑی سے باہر نکل گیا اس کے باہر نکلتے ہوئے سارجنٹ نے ایکسیلیٹر کے پاس نیچے پائیدان پر پڑے ہوئے کین کو دیکھ لیا۔ جہاں زیب کے باہر نکلتے ہی سارجنٹ نے آگے بڑھ کر کین اٹھا لیا۔ امید نے پہلی بار جہاں زیب کا رنگ اڑتے دیکھا۔ کین کا جائزہ لیتے ہوئے سارجنٹ کے چہرے پر ایک طنزیہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''بیوی کے ساتھ سڑک پر شراب پی رہے تھے۔''

آگے بڑھ کر اس نے امید پر ایک اور نظر ڈالی اور اسے پچھلی سیٹ پر جانے کے لیے کہا، وہ بے جان قدموں سے پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ ایک سارجنٹ جہاں زیب کے ساتھ بیٹھ گیا اور وہ ان دونوں کو ملٹری پولیس کے ہیڈ کوارٹر لے آئے تھے، امید کو ایک الگ کمرے میں بٹھایا گیا۔ جہاں زیب کو کہاں لے جایا گیا، وہ نہیں جانتی تھی۔ ملٹری پولیس کا ایک افسر کرخت لہجے میں اس سے جہاں زیب اور اس کے بارے میں پوچھنے لگا۔ اس کا ذہن ابھی بھی ماؤف تھا۔ آدھ گھنٹہ کے اندر اندر اس کے ساتھ کیا ہو گیا تھا اس کی سمجھ سے باہر تھا۔ جہاں زیب کا ایک نیا چہرہ اور اب یہ نئی جگہ اور اگلے دن اخبار کی ایک نئی سرخی وہ گم صم اس آفیسر کا چہرہ دیکھتی رہی۔ پتا نہیں اس آفیسر کو اس پر ترس آیا تھا یا وہ یہ جان گیا تھا کہ وہ شاکڈ ہے۔ اس نے کمرے میں موجود ایک شخص کو پانی لانے کے لیے کہا۔ اس نے پانی کے چند گھونٹ پیے اور سامنے بیٹھے ہوئے آفیسر کو دیکھنے لگی۔

یک دم ہی جیسے اس کے حواس بحال ہو گئے۔ آفیسر کے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی اس نے کانپتی لڑکھڑاتی آواز میں سب کچھ بتانا شروع کر دیا۔ وہ جہاں زیب کے ساتھ کیوں گئی؟ جہاں زیب کون تھا اس کے بعد کیا ہوا سب کچھ۔ اس کا خیال تھا آفیسر کو اس کی بات پر یقین نہیں آئے گا۔ خلاف توقع آفیسر خاموش رہا تھا۔ اس کی ساری باتیں سننے کے بعد اس نے بیل بجا کر باہر کھڑے فوجی کو اندر بلایا۔

''اس لڑکی کو اس سے پتا پوچھ کر چھوڑ آؤ۔'' اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔

''آئندہ آپ محتاط رہیے، اس طرح رات کے وقت منگیتر کے ساتھ جانا بھی مناسب نہیں ہوتا۔''

وہ کچھ کہے بغیر بے یقینی کے عالم میں باہر نکل آئی۔ ''کیا واقعی یہ لوگ مجھے چھوڑ رہے ہیں۔'' وہ ابھی بھی شش و پنج میں تھی۔ مگر آرمی کی ایک جیپ میں بٹھا کر وہ فوجی نہ صرف اسے ہاسٹل چھوڑ گئے بلکہ انھوں نے چوکیدار سے گیٹ کھلوا کر اسے اندر بھی بھجوایا۔

عقیلہ اپنے کمرے میں اس کی منتظر تھی۔ اس کے چہرے پر کوئی ایسی بات ضرور تھی کہ وہ چونک گئی۔

''کیا ہوا؟'' امید نے جواب دینے کے بجائے بستر پر بیٹھ کر اپنے جوتے اتار دیے۔ پھر آہستہ آہستہ وہ اپنی ساری جیولری اتارنے لگی۔

''کیا ہوا امید؟ سب کچھ ٹھیک تو ہے؟'' وہ اٹھ کر اس کے پاس آ گئی۔ امید خالی نظروں سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی پھر یک دم عقیلہ کے ساتھ لپٹ کر اس نے بلند آواز میں رونا شروع کر دیا۔ عقیلہ اس کی اس حرکت سے گھبرا گئی۔

اسے ساتھ لپٹا کر دلاسا دیتے ہوئے وہ اس کے رونے کی وجہ پوچھتی رہی۔ بہت دیر روتے رہنے کے بعد اس نے سسکیوں اور ہچکیوں کے درمیان اپنے ساتھ ہونے والا سارا واقعہ اسے سنا دیا۔ اس کا خیال تھا۔ عقیلہ جہاں زیب کو برا بھلا کہے گی۔ اسے اس سے منگنی توڑنے کے لیے کہے گی۔ ایسا نہیں ہوا تھا۔ اس کی ساری بات سننے کے بعد اس نے اسے خود سے الگ کر دیا۔

''تمہاری حماقت کی وجہ سے جہاں زیب پکڑا گیا۔'' وہ بے یقینی سے اس کے جملے پر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''میری حماقت کی وجہ سے؟''

''ہاں، تمہاری حماقت کی وجہ سے۔ جب اس نے تم سے کہا تھا کہ تم سارجنٹ سے کہہ دو کہ تم اس کی بیوی ہو تو تم خاموش کیوں رہیں اور بعد میں تم نے ملٹری پولیس کے ہیڈ کوارٹر پہنچ کر سب کچھ کیوں بتایا؟''

''عقیلہ! تم جانتی ہو۔ وہ میرے ساتھ کیا کر رہا تھا؟''

''کیا کر رہا تھا؟'' عقیلہ نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔ وہ اس کا چہرہ دیکھ کر رہ گئی۔

''وہ جو بھی کرنا چاہتا تھا۔ وہ نیچرل چیز ہے۔ تمہاری شادی اس شخص کے ساتھ ہونی ہے اور وہ بھی چند ہفتوں کے اندر پھر اس کا یہ مطالبہ کوئی ایسا غیر مناسب نہیں تھا۔''

وہ خوف کے عالم میں عقیلہ کا چہرہ دیکھتی رہی وہ اس سے کیا کہہ رہی تھی۔

''تم دونوں میچور ہو۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جس پر تم اس طرح ہنگامہ کھڑا کر دیتیں۔ اب سوچو ذرا، وہ بے چارہ تو پھنس گیا۔''

عقیلہ اطمینان سے کہہ رہی تھی۔ وہ فق رنگت کے ساتھ اسے دیکھتی رہی۔

''مجھے اس طرح مت دیکھو امید! میں کوئی ایسی بات نہیں کر رہی جو ناممکن ہو۔ تم ہی کہتی رہی ہو مجھ سے کہ تم اس سے محبت کرتی رہی ہو اور یہ محبت نو سال پرانی ہے وہ بھی تم سے محبت کرتا ہے۔ اسی طرح جس طرح تم...... تمہارے لیے وہ باہر سے واپس آ گیا۔ اس نے اگر تم سے ایک مطالبہ

کیا تو میں نہیں سمجھتی یہ غلط تھا۔''

امید ایک جھٹکے سے کھڑی ہوگئی۔ ''اگر میری جگہ تم ہوتیں اور جہاں زیب کی جگہ شفیق ہوتا تو، تو کیا تم اس کی بات مان لیتیں۔'' وہ مشتعل ہو گئی۔

''ہاں بالکل مان لیتی جس شخص سے محبت ہو۔اس شخص کی بات ماننی پڑتی ہے۔''

''چاہے وہ بات غلط ہو؟''

''ہاں چاہے وہ غلط ہو۔ میں نے کہا ناں، ساری بات محبت ہی کی ہوتی ہے۔ انسان کو محبت ہو تو اس کے عوض کچھ نہ کچھ تو قربان کرنا پڑتا ہے۔'' وہ بے یقینی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

''کیا محبت کی بھی قیمت ہوتی ہے؟'' اسے اپنی آواز کسی کھائی سے آتی ہوئی سنائی دی۔

''محبت ہی کی تو قیمت ہوتی ہے۔'' عقیلہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہہ رہی تھی۔

''تمھیں پتا ہے عقیلہ تم کیا کہہ رہی ہو؟''

''ہاں میں جانتی ہوں۔ میں کیا کہہ رہی ہوں۔''

''تمہارا مطلب ہے۔ مجھے اس شخص کی بات مان لینی چاہیے تھی۔''

''ہاں بالکل مان لینی چاہیے تھی۔''

''میں یہ سب نہیں کرسکتی۔''

''کیوں نہیں کرسکتیں تمھیں تو خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے کہ کہیں وہ تمھیں چھوڑ نہ دے، وہ تو شادی کر رہا ہے تم سے...... نو سال سے وہ شخص تمھارے ساتھ ہے۔ تمھاری ہر مصیبت میں اس نے تمہارا ساتھ دیا۔ مگر تم اسے مصیبت میں پھنسا آئیں، لڑکیاں تو بوائے فرینڈز کے ساتھ چلی جاتی ہیں اور تم اپنے منگیتر کے ساتھ...... آخر وہ شادی کر رہا ہے تمہارے ساتھ...... پھر مسئلہ کیا تھا۔''

''بات شادی کی نہیں ہے۔ بات تو گناہ کی ہے۔ میں گناہ نہیں کرسکتی۔ میرے مذہب میں یہ سب جائز نہیں ہے۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''مذہب کو زندگی سے الگ رکھ کر دیکھو...... جو اخلاقیات ہمیں مذہب دیتا ہے۔ وہ معاشرے میں لاگو نہیں ہوتیں، زندگی میں گناہ اور ثواب کے چکر میں پڑی رہو گی تو تمھیں کچھ بھی نہیں ملے گا، میری بات لکھ لو امید! تمھیں کچھ بھی نہیں ملے گا کم از کم محبت نہیں۔ ہم بیسویں صدی میں رہ رہے ہیں عورت کو اپنی زندگی کے فیصلوں کی آزادی ہونی چاہیے اور اس آزادی کا استعمال کرنا چاہیے۔ تم بھی آج کی عورت ہو۔ اپنے آپ کو ان فضول رسموں رواجوں سے آزاد کرو۔ کم از کم محبت کو گناہ اور ثواب کے دائرے سے نکال دو۔ محبت کو محبت رہنے دو۔''

وہ بہتے آنسوؤں کے ساتھ اس کا چہرہ دیکھتی رہی، وہ سب کچھ بڑی لاپروائی سے کہہ رہی تھی۔ امید ساری رات اپنے بستر پر اکڑوں بیٹھی روتی

رہی۔اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔اس نے کیا کیا؟ کیوں کیا۔ جہاں زیب کے ساتھ کیا ہوگا۔اسے چھوڑ دیا گیا ہوگا یا پھر وہ واپس چلا گیا ہوگا اور جب وہ چھوٹ جائے گا تو وہ کیا کرے گا۔

وہ شدید ڈپریشن کا شکار تھی۔اگلے دن جہاں زیب نے فون نہیں کیا۔دو دن اور گزر گئے۔اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ پھانسی کے پھندے پر جھول رہی ہو۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

چوتھے دن رات دس بجے کے قریب عقیلہ کے موبائل پر اس نے کال کیا۔

''امید! جہاں زیب کا فون ہے۔'' عقیلہ نے سلام دعا کے ساتھ ہی فون اس کی طرف بڑھا دیا۔ کپکپاتے ہاتھ کے ساتھ اس نے موبائل پکڑ لیا۔

''ہیلو۔'' اس نے لڑکھڑاتی آواز میں کہا۔

''کل رات آٹھ بجے میں تمھیں لینے آؤں گا اور کل رات تم میرے ساتھ رہوگی۔''

''جہاں زیب! میں۔''

اس نے سرد آواز میں امید کی بات کاٹ دی۔

''پہلے میری بات سن لو پھر میں تمہاری سنوں گا۔آٹھ بجے تم گیٹ پر آ جاؤ گی اور کل اگر تم میرے ساتھ چلنے پر تیار نہیں ہوئیں تو پھر میں تم سے شادی نہیں کروں گا۔ہمارا رشتہ ختم ہو جائے گا۔اب تم یہ طے کر لینا کہ تم میری بات مانو گی یا پھر......''

''تمھیں پتا ہے۔تم مجھ سے ایک گناہ کروانا چاہتے ہو۔'' وہ بے اختیار سسکنے لگی۔

''اچھا، کروانا چاہتا ہوں پھر؟'' اس کا لہجہ اتنا ہی جارحانہ تھا۔

''جہاں زیب! تمھیں کیا ہو گیا ہے؟''

''جو بھی ہوا ہے ٹھیک ہوا ہے۔میں دیکھنا چاہتا ہوں۔تمھیں مجھ سے کتنی محبت ہے۔''

''تم جانتے ہو۔میں تم سے کتنی محبت کرتی ہوں۔''

''پھر ٹھیک ہے۔میری بات مان لو''

''ہمارے مذہب میں یہ جائز نہیں ہے۔حرام ہے یہ۔''

''مجھے مذہب سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور دوبارہ مجھ سے مذہب کے بارے میں بات مت کرنا۔''

''جہاں زیب! میں ایسا کام کر کے اللہ کے سامنے کیسے جاؤں گی......''

''تو ٹھیک ہے۔میری بات نہ مانو اور مجھے چھوڑ دو......رہ سکتی ہو میرے بغیر؟''

''نہیں۔ میں نہیں رہ سکتی۔'' وہ بلکنے لگی۔

''تو ٹھیک ہے پھر میری بات مان لو۔''

''نہیں، میں یہ بات نہیں مان سکتی۔''

''اس کے باوجود کہ میں تم سے شادی کرنے والا ہوں، کیا تمھیں یہ خوف ہے کہ میں تم سے شادی نہیں کروں گا اگر اس خوف کی وجہ سے تم......''

''مجھے کوئی خوف نہیں ہے۔ مجھے صرف اللہ کا خوف ہے۔ اللہ نفرت کرتا ہے ان چیزوں سے، مجھے اتنا بے وقعت مت کرو کہ میں تمھارے سامنے زندگی میں دوبارہ کبھی نظریں اٹھا سکوں نہ اپنے وجود پر نظریں دوڑا سکوں۔''

''جس ہاسٹل میں تم رہتی ہو۔ اس ہاسٹل کی کسی بھی لڑکی کو میں اگر محبت کے جال میں پھانسوں تو جہاں چاہے بلوا سکتا ہوں حتیٰ کہ تمہاری اس دوست عقیلہ کو بھی اور مجھے ایسی ہی لڑکیاں پسند ہیں جو بولڈ ہوں۔ فیصلہ کر سکتی ہوں جس سوسائٹی میں، میں موو کرتا ہوں۔ اس سوسائٹی میں موو کر سکیں۔ تمہاری طرح گناہ اور ثواب کی رسیاں گلے میں لٹکانے والی لڑکیوں سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اس لیے مس امید عالم! آج آپ یہ فیصلہ کر لیں، آپ کو جہاں زیب عادل کی محبت چاہیے یا آپ مذہب کو گلے کا ہار بنا کر پھریں گی، آپ کو زندگی میرے ساتھ گزارنی ہے یا پھر اپنا Code of ethics لیے پھرنا ہے۔ محبت اور مذہب میں سے ایک چیز کو چن لو، اس سے کم از کم میری زندگی بہت آسان ہو جائے گی۔'' فون بند ہو گیا تھا۔

عقیلہ ساری رات اسے سمجھاتی رہی۔ اسے بتاتی رہی کہ جہاں زیب کے بغیر زندگی اس کے لیے کتنی مشکل ہو جائے گی۔ کیا وہ ایک ایسے شخص کے بغیر زندگی گزار سکے گی جو اس سے محبت کرتا تھا۔ نو سال جس کے ساتھ اس نے اپنی ہر خواہش ہر خواب بانٹا تھا۔ جس کا ساتھ اس کے گھر والوں کا مستقبل سنوار سکتا تھا اور اگر...... وہ اس شخص کو چھوڑتی ہے تو پھر...... پھر اسے کون مل سکے گا۔ مڈل کلاس فیملی کی ایک لڑکی کو اس کے گھر والوں کی ذمہ داری کے ساتھ کون قبول کرے گا۔

وہ خالی نظروں کے ساتھ اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

''جہاں زیب...... ہاں جہاں زیب کے بغیر میں کیسے رہ سکتی ہوں۔ کیسے برداشت کر سکوں گی کہ وہ شخص میرا نہ رہے جسے نو سال میں نے دن رات اپنے خوابوں میں دیکھا ہے...... جس سے محبت کی ہے...... میں تو اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی یا اللہ میں جانتی ہوں یہ گناہ ہے مگر یہ ایک گناہ میری زندگی تباہ ہونے سے بچا سکتا ہے۔ سب کچھ بچا سکتا ہے۔''

اس نے اپنی گردن کے گرد لپٹی ہوئی رسی کے پھندے کو کسنا شروع کر دیا۔

اگلے روز عقیلہ نے شام کو اسے خود تیار کرنا شروع کیا تھا۔ وہ جیسے اس کے ہاتھوں میں ایک کٹھ پتلی تھی۔ آٹھ بجے عقیلہ کا موبائل بجنے لگا۔ امید کا دل ڈوبنے لگا۔

''ہاں، وہ آ رہی ہے۔'' عقیلہ نے جہاں زیب سے بات کرنے کے بعد فون بند کر دیا۔

''وہ گیٹ پر تمہارا انتظار کر رہا ہے جاؤ۔'' وہ اپنے کمرے سے باہر نکل آئی۔ ہاسٹل کے لان تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ کہیں کہیں جلنے والی روشنیاں تاریکی کو مکمل طور پر ختم کرنے میں ناکام ہو رہی تھیں۔ دور ہاسٹل کا بند گیٹ اس وقت اسے ایک بھوت کی طرح لگ رہا تھا۔ وہ چلتے چلتے رک گئی۔

''کیا میں واقعی جانتی ہوں کہ میں کیا گنوانے جا رہی ہوں اور اگر میں یہ گیٹ کراس نہیں کرتی تو......تو کیا میں اس شخص کے بغیر رہ پاؤں گی۔''

اس نے قدم بڑھانے کی کوشش کی۔

''تو امید عالم! تم آج وہ کرنے جا رہی ہو، جس پر تمہارا باپ اپنی زندگی میں خودکشی کر لیتا۔ کیا ساری عمر وہ اس لیے تمہاری انگلی پکڑ کر تمھیں چلاتا رہا ہے کہ سامنے گڑھا آنے پر تم آنکھیں بند کر کے اس میں کود جاؤ۔ کیا اپنے باپ کی آواز کا نقش اتنا پھیکا تھا۔''

اس نے ہونٹ بھینچ لیے۔ ''مگر میرے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں۔ میں نے اس شخص سے اتنی محبت کی ہے کہ اب اس کے بغیر رہنا میرے لیے ممکن ہی نہیں۔'' اس نے اپنے گالوں پر نمی محسوس کی۔

''مسلمان ہو کر تم وہ کرنے جا رہی ہو جو......امید! کیا تم اللہ کا سامنا کر پاؤ گی۔''

اس نے اپنے وجود میں سے ساری ہمت نچوڑتی پائی تھی۔ ''مگر اللہ جانتا ہے میں مجبور ہوں اور وہ معاف بھی تو کر دیتا ہے کیا مجھے معاف نہیں کرے گا؟''

اس نے دل کو دلیل سے سمجھانا چاہا۔

''اور اگر اللہ نے اس گناہ کے لیے تمھیں معاف نہ کیا تو؟''

اسے اپنے پیروں میں زنجیریں پڑتی محسوس ہوئیں۔ ''اور پاکیزگی تو صرف اللہ ہی عطا کرتا ہے۔''

اپنے باپ کی اکثر سنائی جانے والی ایک آیت کا ترجمہ اسے لرزا گیا۔

''تو کیا میں پاکیزگی کو چھوڑ کر اپنے وجود کو گندگی میں دھکیلنے جا رہی ہوں۔ مگر اللہ جانتا ہے میں مجبور ہوں۔'' اس نے اپنے ملامت کرتے ہوئے ضمیر کو ایک اور بہانا پیش کیا۔

''تمھیں اللہ سے خوف کیوں نہیں آتا امید......؟ گناہ کو پہچاننے کے باوجود تم اس کی طرف جانا چاہتی ہو اور تمھیں آس ہے کہ وہ تمھیں معاف کر دے گا۔ دین میں صرف دو راستے ہوتے ہیں اچھائی کا یا برائی کا۔ گناہ کا یا ثواب کا۔ تم کون سا تیسرا راستہ ڈھونڈنے جا رہی ہو۔ گناہ کرنے سے پہلے ہی خود کو بخشوا لینا چاہتی ہو کیا اس طرح تمہارا گناہ ثواب میں بدل جائے گا۔''

اس کا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔ سامنے نظر آنے والا گیٹ یک دم ہی بہت دور نظر آنے لگا تھا۔

''کیا میں بھی ان لڑکیوں میں سے ہو جاؤں جو......ایک طوائف اور مجھ میں کیا فرق رہ جائے گا، وہ روپے کے لیے اور میں، میں محبت کے لیے......''

اس کی کنپٹی میں درد کی ایک لہر گزر گئی تھی۔

''محبت کی اتنی بڑی قیمت دینے کے بعد میرے پاس تو اپنا وجود بھی نہیں رہ جائے گا کیا مذہب، کیا خدا، کیا Morality میری اوقات تو ایک کھوٹے سکے جتنی بھی نہیں رہ جائے گی۔ میرا باپ اپنی ساری عمر جس وجود پر آیات پڑھ پڑھ کر پھونکتا رہا اسے میں گندگی میں کیسے جھونک دوں۔ اتنے سال پانچ وقت کی نمازوں میں اپنے لیے پاکیزگی اور ہدایت کی دعائیں مانگتے رہنے کے بعد اب میں کہاں جا رہی ہوں کیا اللہ نے میرے دل پر مہر لگا دی ہے یا، یا اس گیٹ کو کراس کرنے کے بعد مہر لگا دے گا۔''

اسے بے تحاشا خوف آیا۔ اس کا پورا وجود زنجیروں میں قید ہوتا جا رہا تھا۔

''باہر وہ شخص ہے جس سے بڑھ کر میں نے کسی کو نہیں چاہا تو اندر عافیت ہے، امان ہے اور ایمان ہے۔ اس چار دیواری کو پار کرنے کے بعد محبت مل جائے گی مگر ایمان......''

اس کی کنپٹیاں درد سے پھٹ رہی تھیں۔ خالی نظروں سے اس نے سامنے گیٹ کو دیکھا پھر اپنے پیچھے مڑ کر ہاسٹل کی عمارت کو دیکھا۔

''جب تم حیا نہ کرو تو جو چاہے کرو۔''

اپنے باپ کے منہ سے بہت بار سنی جانے والی حدیث اسے یاد آئی تھی۔

اس نے گیٹ کو ایک بار پھر دیکھا...... فیصلہ ہو گیا تھا...... سرد وجود کے ساتھ وہ لان کے ایک تاریک کونے میں جا کر بیٹھ گئی۔ ہاتھ بڑھا کر اس نے بالوں میں لگا ہوا کلپ اتار دیا۔ بیگ میں سے ٹشو نکال کر اس نے ہونٹ صاف کر دیے۔ اپنے ہاتھوں اور گلے میں پہنی ہوئی جیولری ایک ایک کر کے اس نے بیگ میں ڈال دی۔ اپنے ہاتھ میں پہنی ہوئی منگنی کی انگوٹھی کو اس نے آخری بار دیکھا پھر اسے اتار دیا۔

زندگی میں کبھی اس نے اتنی خاموشی، اتنی تاریکی، اتنی گھٹن نہیں دیکھی تھی جتنی اس رات لان کے اس تاریک کونے میں بیٹھ کر محسوس کی تھی۔ اسے یاد نہیں، وہ وہاں کتنی دیر بیٹھی رہی تھی۔ خشک آنکھوں اور خالی نظروں کے ساتھ اس نے لان کی روشوں پر چلتی لڑکیوں کو آہستہ آہستہ غائب ہوتے دیکھا تھا۔ رات کی تاریکی بڑھتی گئی تھی۔ پھر لان میں مکمل خاموشی چھا گئی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اپنے کمرے کی طرف واپس جانے کے بجائے وہ گیٹ کی طرف گئی تھی۔ وہ جانتی تھی۔ گیٹ کے دوسری طرف اب وہ نہیں ہوگا نہ ہی دوبارہ کبھی آئے گا۔ دور سے کسی مجسمے کی طرح بے حس و حرکت وہ گیٹ کو دیکھتی رہی پھر واپس اپنے کمرے میں آ گئی۔ عقیلہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے جن نظروں سے اسے دیکھا تھا ان میں کیا تھا۔ وہ جانتی تھی۔ وہ جہاں زیب کے فون کرنے پر اسے پورے ہاسٹل میں تلاش کرتی پھری ہوگی وہ اس بات سے بھی واقف تھی اور اب شاید وہ امید کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتی ہوگی۔ عقیلہ ہاتھ میں پکڑی ہوئی کتاب دوبارہ پڑھنے میں مصروف ہو گئی۔ امید نے خاموشی سے اپنے کپڑے بدلے اور اپنے بستر پر جا کر لیٹ گئی۔

صبح فجر کے وقت نماز کے بعد دعا مانگنے کے لیے ہاتھ اٹھانے پر اسے یاد آیا کہ اب اس کے پاس دعا مانگنے کے لیے کچھ نہیں رہا تھا۔ سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔ وہ دعا مانگے بغیر جائے نماز سے اٹھ گئی۔ نماز پڑھنے کے بعد آفس جانے کے لیے تیار ہونے کے بجائے وہ اپنے بستر پر لیٹ گئی۔

عقیلہ آٹھ بجے معمول کے مطابق اپنے آفس جانے کے لیے اٹھی تھی۔ اس نے اس وقت بھی امید کو جاگتا دیکھنے کے باوجود اسے مخاطب نہیں کیا۔ اس کے آفس جانے کے بعد امید نے وہ بیگ نکال لیا جس میں نو سال کے دوران اس کی طرف سے ملنے والے سارے خطوط اور کارڈز رکھے تھے۔ کمرے میں پڑے ہوئے ہیٹر کو آن کر کے اس نے سارے کاغذ جلا دیے تھے۔ کمرے کا پورا فرش راکھ سے بھر گیا تھا۔ وہ کمرے کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھامے باری باری ہر خط، ہر کارڈ کو جلتے دیکھتی رہی۔ سب کچھ جلنے کے بعد وہ بہت دیر وہ کمرے میں بکھری ہوئی راکھ پر نظریں گاڑے اسی طرح بیٹھی رہی۔ پھر اس نے کمرے کا فرش صاف کر دیا۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

اگلے دو دن بھی اس نے اسی خاموشی کے ساتھ گزارے، عقیلہ اور اس کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔ تیسرے دن شام کو عقیلہ نے موبائل اس کی طرف بڑھا دیا۔

''تمہاری امی کا فون ہے۔'' اس نے کچھ کہے بغیر موبائل تھام لیا۔

امی رو رہی تھیں ''جہاں زیب کے گھر والے رشتے سے انکار کر گئے ہیں جہاں زیب تم سے شادی پر تیار نہیں ہے اس نے کہا ہے کہ اسے جس طرح کی لڑکی کی ضرورت ہے۔ وہ تم نہیں ہو۔ وہ تمہارے ساتھ نہیں چل سکتا۔ اس نے کہا ہے کہ اس نے تمہارے سامنے کچھ شرطیں رکھی تھیں جنھیں تم نے ماننے سے انکار کر دیا۔''

کچھ کہے بغیر اس نے فون بند کر دیا۔ عقیلہ اندازہ لگا چکی تھی کہ اس کو ملنے والی خبر کیا ہو سکتی تھی۔ اس کے ہاتھ سے موبائل لیتے ہوئے اس نے مدھم آواز میں کہا۔

''کیا ملا امید یہ سب کر کے؟'' وہ خالی نظروں سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

''تم نے ظلم کیا اپنے آپ پر اپنے گھر والوں پر اور جہاں زیب پر۔''

وہ اب بھی خاموش رہی۔

''دو ہفتے کے بعد تمہاری شادی ہونے والی تھی۔ مگر اب...... یہاں کس کس کو بتاؤ گی کہ تمہاری شادی کیوں ملتوی ہو گئی...... وہاں راولپنڈی میں تمہارے گھر والے کس کس کو صفائیاں دیں گے کہ شادی کی تاریخ طے ہونے کے بعد منگنی ٹوٹنے کی وجہ کیا تھی۔ ایسی منگنی جو نو سال رہی لوگ کہیں گے لڑکی میں ضرور کوئی ایسی خرابی ہو گی کہ لڑکا نو سال بعد شادی سے انکار کر گیا۔ تمھیں اندازہ ہے کہ تمہارے گھر میں اس وقت ماتم ہو رہا ہو گا۔ اب ایک ہاتھ میں اپنی اخلاقیات اور دوسرے میں اپنا مذہب لے کر ساری عمر پھرتے رہنا۔ لوگوں کو یہی آیتیں اور حدیثیں سنا سنا کر اپنی صفائیاں پیش کرنا جو تم مجھے سناتی ہو پھر دیکھنا، کتنے لوگ تمہاری پارسائی پر یقین کریں گے۔ تمہاری نمازیں اور تمہاری اخلاقیات تمہارے ماتھے پر شرافت کا کوئی ٹھپہ نہیں لگائیں گی۔ لوگ تمھیں اسی طرح دیکھیں گے جس طرح ہر لڑکی کو دیکھتے ہیں، تمہارے بارے میں وہی کچھ کہیں گے جو ایک ورکنگ گرل کے بارے میں کہتے ہیں تمہارے مقدر میں جو تھا اسے تم نے ٹھوکر مار دی اب دیکھنا تمہارے لیے باقی کیا رہ گیا ہے۔''

وہ تلخ لہجے میں مسلسل بول رہی تھی۔ امید بہت دیر تک اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ پھر اس کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی تھی۔

اس رات وہ دھاڑیں مار مار کر پاگلوں کی طرح روتی رہی تھی۔ عقیلہ نے کمرے میں ڈیک لگا دیا تھا تا کہ اس کی چیخوں کی آوازیں سن کر کوئی ادھر نہ آئے۔ اسے چپ کرواتے ہوئے وہ خود بھی روتی رہی۔ وہ جہاں زیب کو آوازیں دیتی اپنے باپ کو پکارتی پھر دونوں ہاتھ سر پر رکھ کر چلانے لگتی۔ رات دو بجے تک وہ نڈھال ہو چکی تھی۔ عقیلہ نے دو بجے اسے سلیپنگ پلز کھلا کر سلا دیا۔

اس رات کے بعد بھی وہ بہت بار اسی طرح پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی تھی، مگر عقیلہ کے سامنے نہیں۔ عقیلہ چند دن اسے ٹرنکولائزر دیتی رہی تھی پھر اسے نارمل ہوتے دیکھ کر اس نے خدا کا شکر ادا کیا۔

♥......♥......♥

باب 2

اس کے بعد کیا ہوا تھا، اسے کچھ بھی ٹھیک سے یاد نہیں تھا۔ وہ دنیا میں رہتے ہوئے بھی جیسے دنیا سے کٹ گئی تھی۔ اسے صرف یہ یاد تھا کہ اسے صبح اس وقت آفس جانا ہے، پھر ٹیوشنز کرنا ہیں اور رات کو واپس ہاسٹل آ جانا ہے باقی ہر چیز جیسے اس کے ذہن سے نکل گئی تھی۔ اس واقعہ کے دو ہفتے کے بعد ہاسٹل نہ چھوڑنے پر ہاسٹل کی لڑکیاں کیا سوچتی رہی تھیں۔ وارڈن نے اسے کتنی ہمدردی سے دیکھا تھا۔ اس کے وجود پر یک دم اس طرح چھا جانے والی خاموشی نے اس کے وجود کو دوسروں کے لیے کتنا قابلِ اعتراض بنایا تھا۔ وہ ہر چیز سے لاپرواہو چکی تھی۔ اس نے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھنا چھوڑ دیا۔ اس کے پاس آئینے کے سامنے جانے کی ہمت نہیں تھی۔ وہ نماز پڑھنے بیٹھتی اور دعا مانگے بغیر اٹھ جاتی۔ سڑک پر چلتی تو ہر طرف اسے جہاں زیب نظر آتا اور پھر یہ الوژن ہر وقت اس کے ساتھ رہنے لگا۔ اسے یوں لگتا جیسے وہ اس کے پاس ہے۔ ہر وقت ہر جگہ...... رات کو سونے سے پہلے اور صبح اٹھنے کے بعد اس کے ذہن میں ابھرنے والا آخری اور پہلا تصور اسی شخص کا ہوتا۔ بہت دفعہ میس میں سے کھانا اپنے کمرے میں لے جاتے ہوئے اس نے اپنے بارے میں لڑکیوں کی سرگوشیاں سنی تھیں۔

''اچھا تو یہ وہ لڑکی ہے جس کی شادی طے ہونے کے بعد منگیتر نے شادی سے انکار کر دیا...... وہ بھی دو ہفتے پہلے۔ بے چاری۔ مگر ہوا کیا تھا۔ ہوسکتا ہے منگیتر کو اس کے بارے میں کسی ایسی ویسی بات کا پتا چل گیا ہو...... آخر اتنے سالوں سے ہاسٹل میں رہ رہی تھی...... مجھے کوئی بتا رہا تھا بہت سال پرانی منگنی تھی۔ بہت خوبصورت تھا اس کا منگیتر۔ یہاں ایک دوبار ملنے آیا تھا...... باہر سے پڑھ کر آیا تھا...... مجھے تو ترس آ رہا ہے...... کتنا ظلم ہوا ہے اس پر...... ہمیں حقیقت کا کیا پتا ہوسکتا ہے اسی میں کوئی برائی ہو ورنہ اتنی پرانی منگنی کون توڑتا ہے اور وہ بھی شادی کی تاریخ طے کرنے کے بعد...... مگر لگتی تو نہیں ہے ایسی ویسی۔ چہرے سے کیا پتا چلتا ہے اصلیت کا پتا تو خدا کو ہی ہوتا ہے یا پھر ان کو جن کا واسطہ پڑے۔''

اگلے کئی ماہ وہ گفتگو کا موضوع بنی رہی۔ میس سے کھانا لیتے وہ سرگوشیاں سنتی۔ لڑکیوں کے پاس سے گزرتے ہوئے وہ بہت کچھ سنتی رہتی۔ اسے کچھ بھی برا نہیں لگتا تھا۔ کوئی طنز، کوئی طعنہ، کسی کی مذاق اڑاتی ہوئی ہنسی، متجسس آنکھیں، ایک دوسرے کو کیے جانے والے اشارے، وہ کسی چیز پر مشتعل نہیں ہوتی تھی۔ شاید اسے اب تک یقین نہیں آیا تھا کہ یہ سب اس کے ساتھ ہوا ہے۔ شروع میں اسے سب کچھ خواب لگتا تھا۔ ایک ڈراؤنا خواب، مگر وہ خواب نہیں تھا اور خواب کو حقیقت مان لینے کی کوشش کرتے ہوئے وہ مکمل طور پر ذہنی انتشار کا شکار ہو گئی تھی۔ ہاسٹل کی لڑکیوں کے قہقہے ان کے چہروں کی مسکراہٹیں اسے عجیب لگتیں۔ وہ بچپن سے باقاعدگی سے نماز پڑھتی آ رہی تھی۔ اب آہستہ آہستہ وہ نماز چھوڑنے لگی۔ اگر نماز پڑھتی بھی تو دعا مانگتے ہوئے وہ بہت دیر تک خاموش بیٹھی رہتی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا، وہ خدا سے اب کیا مانگے۔ ویک اینڈ پر راولپنڈی جاتی تو امی اس سے بات کرتے کرتے رونے لگتیں۔ وہ تب بھی خاموشی سے انہیں دیکھتی رہتی اس کے پاس انہیں دلاسا دینے کے لیے کچھ تھا نہ آنسو پونچھنے کے لیے ہمت۔ وہ اس سے اصرار کرتیں کہ آخر اس نے کون سی شرائط ماننے کے لیے کہا تھا جس پر اس نے انکار کیا۔ وہ کچھ بتانے کے بجائے پھر خاموشی

اختیار کیے رکھتی۔ اس کے اندر کیا کچھ بدل چکا تھا۔ اس کا اندازہ اس کی امی کو کبھی نہیں ہوا۔ انھیں صرف اس کی خاموشی ہولایا کرتی تھی۔

''اس طرح گونگا بن جانے سے کیا تمہاری تکلیف کم ہو گئی ہے یا کم ہو جائے گی...... مگر جو ہو گیا ہے۔ اس پر پچھتانے کے بجائے سب کچھ بھول جاؤ کوشش کرو کہ اپنی زندگی نئے سرے سے شروع کرو حالانکہ جو کچھ تم کر چکی ہو خیر اپنے آپ کو اس خول سے نکال لو، کبھی اپنی آنکھوں کو دیکھا ہے تم نے۔ کبھی کتنی چمک اور شوخی ہوتی تھی ان میں اور اب میں تمھیں دیکھتی ہوں تو مجھے خوف آنے لگتا ہے۔ اتنی اداسی اور اتنی خاموشی ہے تمہاری آنکھوں میں بھی کہ......''

عقیلہ ہاسٹل میں اسے کہتی رہتی۔ وہ اسے بھی بے تاثر خاموشی کے ساتھ دیکھتی رہتی۔

''محبت تاریک جنگل کی طرح ہوتی ہے ایک بار اس کے اندر چلے جاؤ پھر یہ باہر آنے نہیں دیتی...... باہر آ بھی جاؤ تو آنکھیں جنگل کی تاریکی کی اتنی عادی ہو جاتی ہیں کہ روشنی میں کچھ بھی نہیں دیکھ سکتیں وہ بھی نہیں جو بالکل صاف، واضح اور روشن ہوتا ہے۔''

اس دن بھی عقیلہ کی بہت سی نصیحتوں کے جواب میں اس نے یہی کہا تھا۔

''میں بھی ابھی کچھ دیکھ نہیں پا رہی ہوں۔ بس مجھے یہ اندازہ نہیں ہے کہ میں جنگل کے اندر ہوں یا باہر۔''

عقیلہ نے اسے چہرے پر چادر لیتے دیکھ کر ہمدردی سے اس کا سر تھپتھپا دیا۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

اگلے کچھ سالوں میں اس کی بہن کی شادی ہو گئی۔ ثاقب ایف ایس سی کرنے کے بعد آرمی میں چلا گیا اور معین بھی کام کرنے کے بعد ایک موبائل فون کی کمپنی میں سیلز ایگزیکٹو کے طور پر کام کرنے لگا، اس کے کندھوں پر پڑی ہوئی ذمہ داریاں ہٹتی گئی تھیں اور خاموشی نے کچھ اور مضبوطی سے اسے اپنے شکنجے میں جکڑ لیا تھا۔

عقیلہ نے یکے بعد دیگرے کئی منگنیاں توڑی تھیں اور چند دن رونے دھونے کے بعد وہ بالکل نارمل ہو جاتی اور نئے سرے سے کسی بوائے فرینڈ کی تلاش شروع کر دیتی مگر امید کی تلاش جہاں زیب پر ختم ہو چکی تھی۔ عقیلہ ایک چھوٹے شہر سے تعلق رکھتی تھی اور لاہور میں اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہ واپس نہیں گئی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے والدین کی ڈیتھ ہو گئی۔ دو بھائی شادی کرنے کے بعد اپنے الگ الگ گھروں میں سیٹل تھے۔ جبکہ وہ خود مستقل طور پر ہاسٹل میں مقیم تھی۔ بعض دفعہ امید اسے دیکھ کر سوچتی۔ کیا خوش رہنے کے لیے رشتے ضروری بھی ہیں یا نہیں اگر یہ اپنی پوری زندگی یہاں گزار سکتی ہے تو کیا میں بھی...... ہاں کیا فرق پڑتا ہے یہاں رہنے سے...... شاید گھر کی ضرورت اس کو ہوتی ہے جس کو خوش رہنا ہو اور مجھے تو صرف زندہ رہنا ہے، چاہے اس ہاسٹل میں یا کہیں اور...... خوشی میری ضرورت ہے ہی نہیں۔

ہاسٹل میں رہنے والی ایک لڑکی ایک فاسٹ فوڈ کی چین میں کام کرتی تھی وہ اپنی جاب چھوڑ کر واپس جا رہی تھی۔

''تم اگر چاہو تو میں تمھارے لیے بات کر سکتی ہوں۔ جاب اچھی ہے کوئی ٹینشن نہیں پھر سیلری بھی بہت بہتر ہے۔''

اس نے ایک دن امید سے کہا۔ امید نے ان دنوں اپنی فرم بند ہونے کے بارے میں سنا تھا اور وہ فرم میں اس کا آخری مہینہ تھا۔ شاید عقیلہ

نے اس کے بارے میں ہاسٹل کی کچھ لڑکیوں سے بات کی تھی یہی وجہ تھی کہ اس لڑکی نے امید کو اس جاب کے بارے میں مطلع کر دیا۔ امید نے کچھ بھی کہے بغیر اثبات میں سر ہلا دیا۔ فرم سے فارغ ہونے کے بعد اس کے پاس کوئی ذریعہ آمدنی نہ ہوتا کیونکہ کچھ عرصہ پہلے وہ ٹیوشنز چھوڑ چکی تھی۔ اس پر اب گھر کو سپورٹ کرنے کی ذمہ داری نہیں تھی مگر اس کے باوجود اسے اپنے اخراجات کے لیے رقم چاہیے تھی۔ کم از کم اس وقت تک جب تک وہ واپس راولپنڈی نہ چلی جاتی۔ اگلے چند دنوں میں اس نے لڑکی کے ساتھ فاسٹ فوڈ کی انتظامیہ سے ملاقات کی پھر اس نے اپنی جاب سے ریزائن کر دیا۔ اگلا کچھ عرصہ وہ وہاں اپنے کام کی ٹریننگ حاصل کرتی رہی۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

اسے اس فاسٹ فوڈ چین میں کام کرتے بہت دن ہو گئے تھے۔ اسے احساس ہو رہا تھا بلا مقصد ہر کسی کے لیے مسکرانا کتنا مشکل ہوتا ہے کہ بعض دفعہ یہ کام آنکھوں میں آنسو بھی لے آتا ہے۔ آرڈر نوٹ کرتے اور آرڈر کی ٹرے تھماتے وہ ہر بار مسکراتی۔ سارا دن اس کے سامنے بہت سے چہرے گزرتے رہتے۔ اس کے ساتھ کام کرنے والی لڑکیوں کا خیال تھا کہ وہ ضرورت سے زیادہ خاموش رہتی ہے۔ وہ خاموشی سے ان کا تبصرہ سنتی اور ان کے پاس سے اٹھ جاتی۔

اسے یاد نہیں اسے وہاں کام کرتے کتنے دن ہوئے تھے، مگر ایک دن وہاں اس نے جہاں زیب کو دیکھا تھا۔ اسے یقین نہیں آیا۔

"شاید یہ بھی ویسا ہی الوژن ہے جس کے ساتھ میں اتنے عرصے سے رہ رہی ہوں۔"

اس نے خود کو بہلانے کی کوشش کی مگر اس دن وہ الوژن نہیں تھا۔ وہ واقعی جہاں زیب تھا۔ وہ کاؤنٹر کے کونے میں کھڑی بے حس و حرکت اس پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔ وہ ایک لڑکی کے ساتھ ہنستا ہوا کاؤنٹر پر کھڑا اپنا آرڈر نوٹ کروا رہا تھا۔ امید کا دل چاہا وہ بھاگ کر اس کے پاس چلی جائے اس سے پوچھے کہ کیا وہ اسے یاد ہے۔ اسی وقت اس کے پاس ایک لڑکی آ کر اپنا آرڈر نوٹ کروانے لگی۔ جہاں زیب اب اس لڑکی کے ساتھ ایک ٹیبل پر بیٹھ کر باتیں کر رہا تھا۔ وہ اس لڑکی کا آرڈر لے کر اندر چلی گئی۔ واپس آنے میں اسے دس منٹ لگے تھے اور...... وہ...... وہ وہاں نہیں تھا...... اسے یقین نہیں آیا...... ابھی وہ یہاں...... اور اب......

"امید! تم ٹھیک ہو؟" اس کے ساتھ کام کرنے والی فیروزہ پوچھ رہی تھی۔

"ہاں۔" اس نے جیسے کسی کھائی سے جواب دیا تھا۔

"مگر تمہارا چہرہ اتنا زرد کیوں ہو رہا ہے؟" وہ اب اس کے ماتھے کو چھو رہی تھی۔

"تم ایسا کرو، کچھ دیر اندر بیٹھ کر آرام کرو پھر آ جانا۔"

وہ اس کا بازو پکڑ کر اسے اندر لے آئی۔ وہ بہت دیر چپ چاپ اندر بیٹھی رہی اسے اپنے اندر کہیں ٹیسیں اٹھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

"وہ لڑکی کون ہو سکتی ہے؟ اب وہ سوچ رہی تھی۔ "شاید اس کی بیوی یا پھر گرل فرینڈ؟"

"بیوی۔" اس کے اندر ایک بار پھر ٹوٹ پھوٹ ہو رہی تھی۔ "اگر میں چار سال پہلے...... تو آج اس کے ساتھ میں ہوتی...... اسی طرح

یہیں۔''

اس کے اندر یک دم بہت شور ہونے لگا تھا۔ وہ بے اختیار رونے لگی۔ بہت دیر رونے کے بعد وہ منہ دھو کر واپس کاؤنٹر پر آ گئی۔ اس کی شفٹ ختم ہونے میں ابھی ایک گھنٹہ تھا۔

تب ہی اس کے پاس ایک غیر ملکی آیا تھا۔ وہاں غیر ملکیوں کا آنا کوئی حیرت انگیز بات نہیں تھی۔ وہاں ان کا بہت زیادہ آنا جانا تھا مگر اس غیر ملکی نے انگلش کے بجائے بہت شستہ اردو میں اپنا آرڈر نوٹ کروایا۔ ہمیشہ کی طرح اس نے ایک مسکراہٹ کے ساتھ اس کا آرڈر نوٹ کیا اور پھر کچھ دیر کے بعد آرڈر سرو کیا۔ شفٹ ختم ہونے کے بعد وہ وہاں سے آ گئی۔

اس رات وہ دیر تک بیٹھی روتی رہی تھی۔ عقیلہ کچھ دیر اسے خاموش کروانے کی جستجو میں مصروف رہی پھر تنگ آ کر وہ سونے کے لیے لیٹ گئی۔

''انسان میں اتنی ہمت ہونی چاہیے کہ وہ اپنے لیے فیصلہ کر سکے جس وقت تم اسے حاصل کر سکتی تھیں اس وقت تم کو اخلاقیات یاد آ رہی تھیں۔ ایمان اور اسلام کی فکر پڑ گئی تھی اور اب اسے کسی اور لڑکی کے ساتھ دیکھ لینے پر رو رہی ہو۔ آخر تم اس کے لیے کتنا روؤ گی۔ چار سال ہو گئے یہ تماشا دیکھتے ہوئے۔ چار سال تو کوئی کسی مر جانے والے کے لیے بھی نہیں رویا کرتا اور تم ایک زندہ شخص کے لیے...... اتنا ہی یاد آتا ہے تو چلی جاؤ اس کے پاس...... اس کی بات مان لو...... تمہارے بقول وہ تم سے محبت کرتا ہے۔ جب تم دونوں کے درمیان محبت ہے تو مسئلہ کیا ہے؟ جاؤ اس کے پاس اگر اس نے اب تک شادی نہیں کی تب تو کوئی مسئلہ ہی نہیں...... بالفرض شادی کر بھی لی ہے تو دوسری شادی کی جا سکتی ہے اور اگر یہ بھی ممکن نہیں تو کوئی بات نہیں شادی ہی تو سب کچھ نہیں ہوتی۔ اگر بندہ کسی سے محبت کرتا ہے تو شادی کے بغیر بھی اس کے ساتھ رہا جا سکتا ہے بلکہ زیادہ اچھے طریقے سے رہا جا سکتا ہے۔''

عقیلہ اپنے بستر میں لیٹی ہوئی بہت دیر تک بولتی رہی تھی۔ وہ خاموشی سے آنسو بہاتے ہوئے اس کی باتیں سنتی رہی۔

اسے یاد نہیں، اگلے کتنے دن وہ ہر سڑک، ہر رستے، ہر گاڑی، ہر چہرے میں اسے ڈھونڈتی رہی تھی۔ اسے لگتا تھا، وہ ایک بار پھر اس کے سامنے آ جائے گا۔ بالکل اسی طرح جس طرح اس دن آیا تھا۔ کاؤنٹر پر کھڑے ہو کر، شیشوں سے باہر جھانکتے ہوئے، ہر گاڑی کے کھلتے ہوئے دروازے سے وہ اسی کے نکلنے کی امید کرتی تھی۔

اس دن وہ کاؤنٹر پر ایک کسٹمر سے آرڈر لے رہی تھی جب اس غیر ملکی نے آرڈر دینے کے بعد اچانک اس سے اس کا نام پوچھا۔ اس نے حیرانی سے اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ وہ روز یہاں آتا ہے اور وہی اسے اٹینڈ کرتی تھی اس لیے وہ اس کا نام جاننا چاہ رہا تھا۔ وہ حیران ہوئی۔

''میں اسے اٹینڈ کرتی ہوں...... روز؟'' اس نے سوچا ''مگر مجھے یاد نہیں کہ یہ۔'' وہ الجھن بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''مجھے جہاں زیب کے علاوہ کسی دوسرے شخص کا چہرہ یاد نہیں رہ سکتا۔''

اس نے دل میں اپنی کمزوری کا اعتراف کیا۔ آرڈر سرو کرتے ہوئے اس شخص نے ایک بار پھر اس کا نام پوچھا۔ اس نے اپنا نام بتا دیا۔ اس دن ہاسٹل جا کر وہ اس شخص کے بارے میں سوچتی رہی اور پھر اسے یاد آیا کہ ایک ماہ پہلے اسی شخص کی اردو سن کر وہ پہلی بار چونکی تھی۔

دوسرے دن لنچ کے اوقات میں وہ شخص پھر وہاں تھا، آج اس نے اسے پہچان لیا۔ پھر اس نے نوٹ کیا وہ واقعی روز وہاں آتا تھا اور اب وہ روز اس سے کوئی نہ کوئی بات کرنے کی کوشش کرتا۔ وہ جواب دینے کے بجائے خاموشی سے اپنا کام کرتی رہتی۔ ایسے رابطے بڑھانے والے کتنے سطحی ہوتے تھے، وہ اچھی طرح جانتی تھی۔

پھر اس نے اپنی شفٹ تبدیل کروالی اور اس نے اب اس غیر ملکی کو شام کے وقت آتے دیکھا۔ اب وہ غور کرنے لگی اور اس کی سرگرمیاں پہلی بار اس کی نظروں میں آنے لگیں۔ وہ شام سے رات تک وہاں بیٹھا رہتا وقتاً فوقتاً کوئی نہ کوئی چیز لیتا رہتا مگر وہاں سے جاتا نہیں تھا۔ وہ جب بھی اسے دیکھتی، وہ اس کی طرف متوجہ ہوتا تھا اور امید کو اپنی طرف دیکھتا پا کر وہ اپنی نظریں کہیں اور مرکوز کر لیتا۔ وہ صرف امید کی نظروں میں ہی نہیں آیا تھا۔ اس کے ساتھ کام کرنے والی دوسری لڑکیاں اور لڑکے بھی اس کی موجودگی کا نوٹس لینے لگے تھے۔

♥......♥......♥

ویک اینڈ پر وہ اپنے گھر آئی۔ راولپنڈی آ کر ہمیشہ وہ بہت ہی عجیب کیفیات سے دوچار رہتی تھی۔ بعض دفعہ اسے یوں لگتا جیسے وہ بہت غلط جگہ آ گئی ہو اور بعض دفعہ اسے یوں لگتا جیسے وہ کسی غلط جگہ سے آ گئی ہو۔

''میں چاہتی ہوں، اب تم لاہور سے مستقل یہاں آ جاؤ...... اب ضرورت نہیں ہے کہ تمھیں کمانا پڑے۔ تمھارے بھائی اب اتنا کمانے لگے ہیں کہ تمھیں اس طرح دوسرے شہر میں نہ رہنا پڑے۔''

اس رات اس کی امی نے اس سے کہا تھا۔ اس نے حیرانی سے ماں کا چہرہ دیکھا۔

''اچھا تو کیا میری جدوجہد ختم ہوگئی؟'' اس نے سوچا۔

''اب تم یہیں راولپنڈی میں رہو۔ میں تمھارے لیے کچھ رشتے دیکھ رہی ہوں۔ چاہتی ہوں کہ جلد ہی تمھاری شادی کر دوں۔''

وہ بالکل خاموش بیٹھی رہی۔ امی کچھ دیر بعد اٹھ کر چلی گئیں۔

''شادی! کیا میں شادی کروں گی؟...... جہاں زیب کے علاوہ کسی دوسرے سے...... اب جب سب کچھ ختم ہو چکا ہے...... اب کس لیے؟ خود کو دھوکا دینے کے لیے۔ یا کسی دوسرے کو۔'' اس کا ذہن جیسے اس بات کو قبول ہی نہیں کر رہا تھا۔

''کیا آزمائشیں کبھی ختم ہو سکتی ہیں؟'' وہ سوچ رہی تھی۔

''اور وہ بھی میری آزمائشیں، لاہور سے واپس آ جاؤں...... کہاں، یہاں راولپنڈی...... اور یہاں دوبارہ سے رشتے جوڑنے کی کوشش کروں...... کیا امی محسوس نہیں کر سکتیں کہ جہاں زیب کے علاوہ کسی دوسرے کے ساتھ رہنا میرے لیے، ممکن نہیں ہے۔''

وہ دو دن کے لیے لاہور سے راولپنڈی آئی تھی مگر دو دن کے بجائے ایک ہفتہ وہاں رہی۔ واپسی میں ایک بار پھر اس نے خاموشی سے امی کی گفتگو سن کر سر ہلا دیا۔

''کاش میں انھیں بتا سکتی کہ اب شہر بدلنے سے کچھ نہیں بدلے گا۔ گھر ہو یا نہ ہو مجھے فرق نہیں پڑتا۔ سب کچھ چار سال پہلے ختم ہو گیا تھا۔ اب

تو صرف راکھ اور کھنڈر ہیں راکھ اور کھنڈر پر دوبارہ عمارت تعمیر کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔'' اس نے گھر سے نکلتے ہوئے سوچا تھا۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

اس رات لاہور پہنچ کر اس نے عقیلہ کو بتایا تھا کہ اب وہ بہت جلد واپس راولپنڈی چلی جائے گی۔

''کیوں؟'' اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

''میری امی چاہتی ہیں۔ میں واپس آ جاؤں۔ دونوں بھائی سیٹل ہو چکے ہیں اب میری جاب کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ میری شادی کرنا چاہتی ہیں۔'' اس نے دھیمے لہجے میں اپنے کپڑے استری کرتے ہوئے بتایا تھا۔

''وہ...... تو تم شادی کے لیے جانا چاہتی ہو، جہاں زیب کے علاوہ کسی دوسرے سے شادی...... خیر اچھا ہے مگر کیا تم خوش رہ سکو گی؟'' عقیلہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''پتا نہیں، شاید ہاں یا پھر نہیں۔'' وہ الجھ گئی۔

''تمہاری خوبی یہ ہے کہ تم کمپرومائز کر لیتی ہو...... حالات سے...... لوگوں سے، زندگی سے اور اپنے آپ سے، مجھے لگتا ہے خوش رہو یا نہ رہو مگر زندگی تم گزار ہی لو گی۔'' عقیلہ نے اس کا تجزیہ کیا۔ وہ خاموشی سے کپڑے استری کرتی رہی۔

''کمپرومائز؟ نہیں، کمپرومائز کرنا ہی تو نہیں آیا...... ورنہ میں نے اپنے ساتھ اور اپنی زندگی کے ساتھ یہ سب کچھ نہ کیا ہوتا، چار سال سے جہاں زیب کے الوژن کے ساتھ زندگی نہ گزار رہی ہوتی۔'' اس نے رنجیدگی سے سوچا۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

اگلے دن وہ ریسٹورنٹ گئی تھی۔ صبح ہاسٹل سے نکلتے ہوئے چوکیدار نے اسے بتایا کہ اس کی عدم موجودگی میں کوئی غیر ملکی اس کے بارے میں پوچھنے آیا تھا۔ وہ یہ جان کر حیران ہوئی کہ وہ اس کے ریسٹورنٹ سے آیا تھا۔ ریسٹورنٹ پہنچ کر اس نے اپنے ساتھ کام کرنے والے سے اس بارے میں پوچھا مگر کسی نے بھی یہ نہیں کہا تھا کہ کوئی اس کے پیچھے اس کے نہ آنے کی وجہ معلوم کرنے گیا تھا۔ وہ ایک بار پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

شام کو ڈینیل ایڈگر نامی وہ غیر ملکی ایک بار پھر وہاں آیا تھا اور ہمیشہ کی طرح سیدھا اس کے پاس آیا، اس نے رسمی مسکراہٹ کے ساتھ کاؤنٹر پر اس کا استقبال کیا۔ مگر وہ مسکراہٹ اس وقت اس کے چہرے سے غائب ہو گئی جب اس نے ڈینیل کا اگلا جملہ سنا۔ وہ اس سے اس ایک ہفتے کی عدم موجودگی کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔

اس نے حیرانی سے اس کے سوال پر اسے اور اس کے ساتھ موجود ایک دوسرے شخص کو دیکھا تھا جس نے برق رفتاری سے اس کے تاثرات سے جھلکنے والی ناگواری کو دیکھ کر آرڈر نوٹ کروانا شروع کر دیا۔ آرڈر نوٹ کرنے کے کچھ دیر بعد اس نے اسی خاموشی اور سنجیدگی کے ساتھ آرڈر سرو کیا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کی اس خاموشی سے اس آدمی کو اندازہ ہو جائے گا کہ وہ سوال و جواب کے کسی سلسلے کو پسند نہیں کرتی مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ اس شام جانے سے پہلے وہ آدمی اس سے کیا سوال کرنے والا تھا۔

وہ اس کے مستقل وہاں بیٹھنے سے الجھن کا شکار تھی اس دن پہلی بار اس نے اندازہ لگانے کی کوشش کی تھی کہ یہ شخص جو ہر روز یہاں آ کر بیٹھا رہتا ہے، اس کی وجہ کیا ہو سکتی تھی "کیا میں؟" اس نے سوچا اور اس کی وحشت میں اضافہ ہو گیا "یہ دفع کیوں نہیں ہوتا؟" پہلی بار کاؤنٹر پر کھڑے ہو کر اسے ڈینیل کی نظریں چبھ رہی تھیں۔

اس کی شفٹ ختم ہونے سے کچھ دیر پہلے وہ اس کے پاس آیا اور امید نے اسے کہتے سنا۔

"کیا آپ مجھ سے شادی کریں گی؟"

"کیا اس شخص کا دماغ خراب ہے؟" اس کے ذہن میں سب سے پہلے آنے والی بات یہی تھی۔

"کیا میری اوقات اب یہی رہ گئی ہے کہ اس کاؤنٹر پر کھڑے کوئی بھی شخص آ کر مجھے شادی کی آفر کرنے لگے؟" اس نے دل گرفتگی سے سوچا اور اسے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے وہ کاؤنٹر سے ہٹ گئی۔

اس رات ہاسٹل واپس جاتے ہوئے ایک جھماکے کے ساتھ اس کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ اس کے پیچھے ہاسٹل آنے والا ڈینیل ایڈگر ہی ہو سکتا ہے اور اس خیال نے اسے کچھ اور خوفزدہ کر دیا۔ "اسے یہ کیسے پتا چل گیا کہ میں یہاں رہتی ہوں اور وہ پیچھے کیوں آیا۔ مجھے اب کیا کرنا چاہیے۔"

♥ ...... ♥ ...... ♥

وہ ساری رات جاگتی رہی اور اگلی صبح وہ فیصلہ کر چکی تھی۔ گیٹ پر موجود چوکیدار کو اس نے ہدایت دی کہ اب اگر کوئی غیر ملکی اس کے بارے میں پوچھنے آئے تو وہ اس سے کہہ دے کہ امید ہاسٹل چھوڑ چکی ہے۔

اس نے اسی دن فون کر کے اپنی جاب چھوڑنے کے بارے میں بھی فاسٹ فوڈ چین کی انتظامیہ کو مطلع کر دیا۔ اتنے سالوں سے میں اس ہاسٹل میں رہ رہی ہوں کبھی بھی مجھے اس طرح کی صورت حال کا سامنا نہیں کرنا پڑا، اور اب...... اس طرح صرف ایک شخص کی وجہ سے مجھے بھاگنا اور چھپنا پڑ رہا ہے...... آخر میں کیوں خوفزدہ ہوں اور کس چیز سے خوفزدہ ہوں؟...... وہ میری مرضی کے بغیر تو مجھ سے شادی نہیں کر سکتا...... مجھے اس کے سامنے انکار کرنا چاہیے تھا...... جھڑکنا چاہیے تھا۔" وہ سوچتی اور حیران ہوتی۔

وہ اگلے کچھ دن وہیں رہی تھی...... یہ سوچتی کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔ کیا ایک بار پھر سے جاب کی تلاش کرنی چاہیے۔ ٹیوشنز کرنی چاہئیں یا پھر واپس راولپنڈی چلے جانا چاہیے۔ وہ بہت دن سوچ بچار میں رہی اور پھر جیسے کسی فیصلے پر پہنچ گئی تھی۔

"ہاں، مجھے اب واپس اپنے شہر اپنے گھر چلے جانا چاہیے...... آخر اب میں یہاں رہ کر کیا کرنا چاہتی ہوں...... یہاں کیا ہے جس کے لیے رکنا چاہتی ہوں؟ کیا جہاں زیب......" وہ آگے کچھ سوچ نہیں پائی تھی۔

اسے ٹھیک سے یاد نہیں تھا۔ اس نے کتنے سال ہاسٹل میں گزارے تھے۔ اس نے یہاں اپنی زندگی کا سب سے اچھا وقت گزار دیا تھا۔ یہاں اس نے خواب دیکھے تھے......

یہاں اس نے چار سال پہلے ہمیشہ کے لیے خواب دیکھنے بند کر دیے تھے۔ یہاں اس نے اپنی زندگی کے چار بدترین سال گزارے تھے چار سال پہلے جو کچھ ہوا تھا اسے اس کا ایک ایک لمحہ یاد تھا پھر اس کے بعد چار سال کس طرح اس نے گزارے تھے وہ کوشش کرتی بھی تو اسے کچھ یاد نہیں آتا۔ اسے بس یونہی لگتا، جیسے پچھلے چار سال سے وہ کسی ایسے براعظم پر پہنچ گئی ہے جہاں تاریکی کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔

وہ جانے سے پہلے ایک دن ہاسٹل میں پھرتی رہی تھی۔ وہاں کی ہر چیز کے ساتھ اس کی یادیں وابستہ تھیں۔ ایسی یادیں جنھیں وہ بھلا دینا چاہتی تھی۔

سردیوں کی وہ راتیں جب اس نے اپنی زندگی کو برزخ بنتے دیکھا تھا...... گرمیوں کی وہ راتیں جب اس کا جسم برف کا تودہ بن جاتا تھا......

اس کے آنسو اس کے خواب اس کی خواہشیں سب کی قبریں یہیں تھیں اور اسے یوں لگتا تھا جیسے وہ ان قبروں کی مجاور بن چکی ہو......

اس قبرستان نے اس کے وجود کو کھا لیا تھا......

اب جب وہ باہر نکلنے کی کوشش کر رہی تھی تو اس کا پورا وجود کٹ رہا تھا۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

راولپنڈی آنے کے بعد اگلے کئی دن وہ گم صم رہی تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ ایک نئی دنیا میں آ گئی ہو ایسی دنیا جو نہ اس کی تھی نہ اس کے لیے، نو سال گھر سے باہر رہنے کے بعد اب دوبارہ وہاں رہنا۔

''ہاں، میرے لیے تو بس یہی کافی تھا...... تین وقت کا کھانا، سر چھپانے کے لیے ایسی جگہ جس کا کرایہ مجھے نہ دینا پڑتا ہو اور جسم ڈھانپنے کے لیے چند جوڑے کپڑے، میرا اثاثہ تو بس یہی چیزیں تھیں...... پانچ سال ایک شخص کا انتظار کرنے اور چار سال اسے کھونے کے بعد حواس برقرار کرنے میں لگانے کے بعد میرے حصے میں آنے والی زندگی کچھ اتنی بری نہیں...... بس صرف یہ ہوا ہے کہ زندگی کچھ زیادہ خاموش ہو گئی ہے۔ آنکھیں اب خواب نہیں دیکھتیں اور دل یقین کھو چکا ہے۔ مگر باقی سب کچھ تو ہے۔''

وہ سارا دن گھر کے صحن میں لگے ہوئے پودوں کے پاس بیٹھی سوچتی رہتی۔ ''گھر سے نکلتے ہوئے میں اٹھارہ سال کی تھی، واپس آتے ہوئے ستائیس سال کی ہو چکی ہوں اور نو سال میں میں نے اپنے لیے کیا کھویا۔ کیا پایا...... شاید صرف کھویا...... ''پانے'' کی تو مجھ میں ہمت ہی نہیں تھی۔'' وہ سوچتی اور اذیت ایک بار پھر اس کا گھیراؤ کرنے لگتی۔

امی اس کے گھر آ جانے سے بہت خوش اور مطمئن تھیں اور یہی حال اس کے بھائیوں کا تھا۔ شام کو ان کے ساتھ اکٹھے کھانا کھاتے ان کے پر سکون اور مطمئن چہرے دیکھ کر حیرانی سے سوچتی رہتی۔

''کیا زندگی اتنی اچھی ہے کہ اس کے لیے مسکرایا جائے؟''

♥ ...... ♥ ...... ♥

باب 3

اس کے آنے کے کچھ دن بعد اس نے اپنے گھر دو عورتوں اور ایک مرد کو آتے دیکھا تھا۔ ان سے ملنے کے بعد امی کسی سوچ میں گم رہی تھیں۔ امید کو یوں محسوس ہوتا رہا جیسے وہ اسے بہت غور سے دیکھ رہی ہوں۔ رات کو اس نے انھیں اپنے بھائیوں کے ساتھ مصروف گفتگو پایا تھا۔ ان کا انداز بھی بہت پُر اسرار تھا۔

''تم ڈینیل ایڈگر کو جانتی ہو؟'' فریج سے پانی نکالتے ہوئے وہ بالکل ساکت ہوگئی۔ پھر اس نے اپنے ہاتھوں میں کپکپاہٹ دیکھی۔

''میرے خدا...... کیا اب مجھے اپنے گھر والوں کے سامنے اپنی صفائی دینی پڑے گی...... وہ بھی ڈینیل ایڈگر کے حوالے سے؟'' وہ بمشکل پلٹی تھی۔ امی ڈائننگ ٹیبل پر سبزی بناتے ہوئے اس کے جواب کے منتظر تھیں۔

''میں جس ریسٹورنٹ میں کام کرتی تھی۔ وہاں کھانا کھانے کے لیے آیا کرتا تھا۔'' اس نے اپنی آواز پر قابو پاتے ہوئے حتی المقدور نارمل لہجے میں کہا۔

''اچھا...... کیسا آدمی ہے؟'' وہ ان کے سوال پر ایک بار پھر سن رہ گئی۔

''مجھے کیا پتا؟...... مگر آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟'' امی نے سر اٹھا کر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''اس نے تمھارے لیے رشتہ بھجوایا ہے۔'' اس کے ہاتھ سے پانی کا گلاس گر پڑا۔

''یہاں تک کیسے پہنچ گیا یہ شخص...... اور کیوں؟...... جب میں۔''

وہ بے اختیار خوفزدہ ہوئی۔ امی نے اس کے ہاتھ سے گرتے گلاس کو دیکھا پھر اس کے چہرے پر نظر ڈالی۔

''ہم لوگ سوچ رہے تھے کہ شاید تم اسے جانتی ہو اور تمہاری پسند کی وجہ سے ہی اس نے یہاں اپنا رشتہ بھجوایا ہے۔''

''نہیں، میں اسے بس اتنا ہی جانتی ہوں اور پسند کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں ایک غیر مسلم کے ساتھ شادی کیسے کر سکتی ہوں۔'' اس نے تیزی سے وضاحت کی۔

''وہ اسلام قبول کر چکا ہے۔ اب ایمان علی نام ہے اس کا۔'' امی نے دھیمے لہجے میں کہا، وہ کچھ دیر ساکت انھیں دیکھتی رہی۔

''پھر بھی میں اس سے شادی نہیں کر سکتی۔ اس طرح مذہب تبدیل کرنے والوں کا کچھ اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ آپ انکار کر دیں۔''

امی نے اس کی بات پر ایک مطمئن اور گہری سانس لی۔

وہ اگلے کئی دن پریشان رہی۔ ''میرے گھر والے کیا سوچتے ہوں گے کہ میں لاہور میں کیا کرتی رہی ہوں۔''

وہ اپنے بھائیوں کے چہرے پر ملامت اور خفگی تلاش کرتی رہی۔ مگر ان کے چہرے پہلے ہی کی طرح تھے۔ چند دن بعد اس نے ایک بار پھر ان

ہی لوگوں کو آتے دیکھا تھا۔

پھر جیسے یہ ایک روٹین بن گئی، وہ ہفتے میں ایک دو بار ضرور آتے تھے۔ امی کے انکار کے باوجود ان کا اصرار نہیں ختم ہو رہا تھا۔ اس کی بے چینی اور اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔

''آپ ان سے کہیں، وہ ہمارے گھر نہ آئیں۔ ہمیں یہ رشتہ پسند نہیں ہے تو پھر اس طرح بحث کی کیا تک ہے۔''

اس دن ان کے جانے کے بعد اس نے اپنی امی سے کہا۔

''میں بہت بار ان سے کہہ چکی ہوں مگر وہ لوگ بضد ہیں۔''

اس کی امی نے اپنی مجبوری ظاہر کی۔ وہ ان کا منہ دیکھتی رہی۔

♥......♥......♥

چند دن بعد رات کو معین اس کے پاس آیا۔ کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد اس نے کہا۔

''میرا دوست سکندر ایمان علی کو بہت اچھی طرح سے جانتا ہے۔ ان کے دوست سعود ارتضیٰ کا چھوٹا بھائی اس کا دوست ہے، وہ کہہ رہا تھا کہ ایمان بہت اچھا آدمی ہے۔'' کچھ ہچکچاتے ہوئے اس نے بات شروع کی۔

''مگر مجھے کسی غیر ملکی کے ساتھ شادی نہیں کرنی۔''

''آپا! اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ وہ مسلمان ہیں۔ بہت اچھی پوسٹ پر ہیں۔ ان کی اپنی فیملی بہت اچھی ہے اور پھر بہت سالوں سے یہاں ہیں...... آپ کو پتا ہے۔ انھوں نے آپ کی وجہ سے مذہب تبدیل کیا ہے۔''

''مگر مجھے پھر بھی شادی نہیں کرنی ہے۔ صرف شادی کے لیے مذہب تبدیل کرنے والا شخص کبھی بھی قابلِ اعتبار نہیں ہو سکتا۔''

''آپا! یہ کوئی بات نہیں ہے۔ میں نے امی سے بھی بات کی ہے، وہ بھی آمادہ ہو گئی ہیں۔ سکندر کہہ رہا تھا کہ سعود کے گھر والے ہر قسم کی گارنٹی دینے کو تیار ہیں۔ میں نے ایمان علی کی تصویر دیکھی ہے۔ وہ مجھے دیکھنے میں بہت اچھے لگے ہیں۔ آپ کو اس سے اچھا پروپوزل نہیں مل سکے گا۔'' وہ اب خاصی بے تکلفی سے بات کر رہا تھا۔

''تم اس بارے میں مجھ سے کوئی بات نہ کرو۔ میں اس سے شادی نہیں کرنا چاہتی بلکہ میں کسی سے بھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔ تم میری جان چھوڑ دو۔'' وہ یک دم غصے میں آ گئی۔ معین اٹھ کر چلا گیا۔

پھر اگلے کئی ہفتے یہی تماشا ہوتا رہا۔ سعود ارتضیٰ پتا نہیں کس کس جاننے والے کے توسط سے ان پر دباؤ ڈالتا رہا۔ اس کے بھائیوں کے دوست، ان کے کچھ محلے والے، رشتے دار، امی کے کچھ جاننے والے لوگ۔ وہ پتا نہیں کس طرح سرنگیں بنا رہا تھا۔ چند ہفتے بعد گھر میں اس کے علاوہ سب اس رشتے پر آمادہ تھے، صرف وہ تھی جو اپنی بات پر اڑی ہوئی تھی۔

''مجھے کسی غیر ملکی نو مسلم سے شادی نہیں کرنا۔ اور اس شخص سے تو کسی صورت نہیں۔'' وہ ہر بات کے جواب میں یہی کہتی۔

''میں شادی ہی کرنا نہیں چاہتی، آپ مجھے اس طرح پریشان نہ کریں ورنہ میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔''

وہ زچ ہو چکی تھی۔ وہ اپنے گھر آنے والی سعود ارتضٰی کی بیوی اور ماں کے سامنے جا کر بھی ایک بار انکار کر چکی تھی۔ اس کے بعد وہ لوگ ان کے گھر نہیں آئے مگر پھر بالواسطہ طور پر مختلف لوگوں کے ذریعے وہ ان پر دباؤ ڈالنے لگے تھے۔ اسے اس دباؤ اور اصرار سے اور چڑ ہونے لگی تھی۔ شاید اس کی یہ ضد اسی طرح جاری رہتی اگر اس کی ملاقات ڈاکٹر خورشید سے نہیں ہوتی۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

جس دن وہ اس کے گھر آئے تھے، اس دن اس کی امی نے اسے آ کر ان سے ملنے کے لیے کہا تھا۔ امید نے سوچا تھا کہ شاید وہ اس کے کسی بھائی کے والد ہیں کیونکہ اس کا بھائی ہی انھیں اپنے گھر لے کر آیا تھا۔ وہ حیران ہوئی کہ امی اسے ان سے کیوں ملوانا چاہتی ہیں۔ اس حیرانی میں وہ ڈرائنگ روم میں چلی گئی۔ ڈاکٹر خورشید اس کے کمرے سے داخل ہوتے ہی کھڑے ہو گئے۔ اس کو اپنے لیے ان کا کھڑا ہونا کچھ عجیب لگا۔ وہ خاموشی سے کچھ کہے بغیر سلام دعا کے بعد صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس کے بھائی نے ڈاکٹر خورشید کے بارے میں اسے کچھ بتایا تھا۔ وہ خاموشی سے سنتی رہی۔ اسے دلچسپی نہیں تھی کہ سامنے بیٹھے ہوئے شخص کے پاس کتنی ڈگریاں اور کتنا علم ہے۔ وہ کتنے ملکوں سے تعلیم حاصل کر کے آیا ہے یا کتنی زبانیں بول لیتا ہے۔ اس کے گھر آنا اس کے لیے کتنا بڑا اعزاز تھا۔ اسے اس سے بھی کوئی غرض نہیں تھی۔ وہ صرف کچھ وقت وہاں بیٹھ کر وہاں سے واپس چلی جانا چاہتی تھی۔

''آپ کے بھائی نے میری کچھ زیادہ تعریف کر دی...... میں صرف ایک یونیورسٹی میں پڑھاتا ہوں۔ اس کے علاوہ میری اور کوئی قابلیت نہیں ہے۔'' اس کے بھائی کے خاموش ہونے کے بعد ڈاکٹر خورشید نے کہا۔ وہ اب بھی خاموش رہی۔

''یا اب یہ سمجھ لیں کہ ایک اور اعزاز ہمیں یہ حاصل ہو گیا ہے کہ ایک ایسی لڑکی کو دیکھ رہا ہوں جس کے لیے کوئی ایمان حاصل کر لے۔''

وہ ان کے اگلے جملے پر ساکت ہو گئی۔

''ڈینیل ایڈگر کا ایک اور سپورٹر۔'' اس نے تلخی سے سوچا۔ خفگی اور غصے کی ایک لہر اس کے اندر دوڑ گئی۔ ''اب مجھے باہر کے لوگ آ کر میری زندگی کے سب سے اہم فیصلے کے بارے میں مشورے دیں گے اور میرے گھر والے ان کی مدد کریں گے۔''

وہ سرد نظروں سے ڈاکٹر خورشید کو دیکھتی رہی۔

''امید عالم! آپ کا نام بہت خوبصورت ہے۔ آپ اپنے نام سے بڑھ کر خوبصورت ہیں اور آپ کی قسمت ان دونوں چیزوں سے بھی زیادہ روشن ہے۔'' وہ اب اس سے نرم آواز میں کہہ رہے تھے۔

''میری قسمت کتنی روشن ہے۔ کیا میرے علاوہ کوئی یہ بات جان سکتا ہے۔'' ایک بار پھر اس نے تلخی سے سوچا۔ اس کا بھائی یک دم چائے لانے کے لیے اٹھ کر چلا گیا۔

''مجھے ایک بات بتائیں۔ آپ اتنے بڑے اسکالر ہیں۔ آپ تو بہت علم رکھتے ہیں۔ دنیا کا بھی دین کا بھی۔ آپ بتائیں صرف شادی کے

لیے مذہب تبدیل کرنے والا شخص کتنا قابلِ اعتبار ہو سکتا ہے اور کوئی مسلمان لڑکی ایسے شخص سے شادی کرنے کا جوا کیوں کھیلے، جس کے عقیدے کے باطل ہو جانے کا اسے شک ہو اور مجھے یہ بھی بتائیں کہ جب آپ جیسے اسکالرز مسلمان لڑکیوں کو جا کر اس کام پر مجبور کرنے لگیں تو ہدایت اور رہنمائی کے لیے کتنے دروازے کھلے رہ جائیں گے۔"

جتنے تلخ لہجے میں ان سے بات کر سکتی تھی اس نے کی۔ ان کی مسکراہٹ میں کمی نہیں آئی۔ وہ بڑی خندہ پیشانی سے اس کی بات سنتے رہے۔

"میں یہاں کسی اسکالر کے طور پر نہیں آیا۔ میں یہاں ایک مسلمان کے طور پر آیا ہوں۔"

"ایک دوسرے مسلمان کو مجبور کرنے کے لیے کہ وہ کسی نام نہاد مسلمان سے شادی کر لے۔"

"نام نہاد مسلمان سے آپ کی کیا مراد ہے امید بی بی؟ اگر ایمان علی نام نہاد مسلمان ہے تو کیا ہم سب نام نہاد مسلمان نہیں ہیں۔ جن کے اعمال اور افعال اسلام کے بتائے ہوئے کسی اصول سے مطابقت نہیں رکھتے۔ جن کے ایمان کمزور ہوتے ہیں، جو صرف ساری زندگی اس بات کا فائدہ اٹھاتے ہیں کہ انھیں پیدائشی طور پر مسلمان گھرانے میں پیدا کیا گیا ورنہ اگر دین کے لیے کوئی قربانی دینی پڑے تو مسلمانوں کی ان فہرستوں میں خاصی تعداد کم ہو جاتی ہے، مگر صرف دعوا کرنا پڑے تو ہر مسلمان اپنے علاوہ کسی دوسرے کو مسلمان تسلیم ہی نہیں کرتا۔" وہ اب سنجیدہ ہو چکے تھے۔

"میں ان مسلمانوں میں سے نہیں ہوں، میں نے اپنے دین اور ایمان کے لیے کیا چھوڑا ہے۔ اس کا اندازہ آپ نہیں لگا سکتے۔ میں نے اپنی خواہشوں اور خوابوں کو مار دیا ہے۔ اس لیے میرے افعال اور اعمال کے بارے میں بات نہ کریں۔ میرا ایمان کمزور ہوتا تو آج میرے پاس کیا کیا ہو سکتا تھا۔ آپ اس کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔ دین کے لیے میں نے سر پر تانی ہوئی چھتری چھوڑ کر ننگے پاؤں دھوپ میں چلنا قبول کیا ہے۔ مجھے حق ہے کہ میں اپنا موازنہ دوسرے مسلمانوں سے کروں۔ مجھے حق ہے کہ میں خود کو ان لوگوں سے بہتر سمجھوں جو دھوپ میں چلنے کے بجائے سائے کے لیے ہر چیز کا سودا کر لیتے ہیں۔"

وہ ان کی بات پر اس طرح بھڑکے گی، اس کا اندازہ نہ ڈاکٹر خورشید کو تھا، نہ ہی خود امید کو۔

"اللہ خود پر کوئی احسان نہیں رکھتا، امید بی بی! اگر آپ نے اس کے لیے کوئی چیز چھوڑی ہے تو وہ آپ کو اس سے بہتر شے سے نواز دے گا۔"

"نہیں، بعض چیزوں کے بعد ان سے بڑھ کر اور ان سے بہتر کوئی چیز نہیں ملتی کیونکہ دل کو کوئی چیز بہتر نہیں لگتی۔"

ڈاکٹر خورشید نے اس کی آنکھوں میں امڈتی نمی اور اسے چھپانے کے لیے جھکے سر کو دیکھا۔

"دین کے لیے کوئی سودا خسارے کا سودا نہیں ہوتا اور دنیا میں ہر چیز کا متبادل ہوتا ہے، مگر اس بات پر آپ کو تب تک یقین نہیں آئے گا جب تک متبادل آپ کو مل نہیں جائے گا۔"

"اور اگر انسان کو کسی متبادل کی خواہش ہی نہ ہو تو؟" وہ سر اٹھا کر نم آنکھوں کے ساتھ اکھڑ لہجے میں ان سے پوچھ رہی تھی۔

"انسان کی خواہشات سے اللہ کو دلچسپی نہیں ہے۔ وہ اس کی تقدیر اپنی مرضی سے بناتا ہے۔ اسے کیا ملنا ہے اور کیا نہیں ملنا اس کا فیصلہ وہ خود کرتا ہے۔ جو چیز آپ کو ملنا ہے آپ اس کی خواہش کریں یا نہ کریں وہ آپ ہی کی ہے۔ وہ کسی دوسرے کے پاس نہیں جائے گی مگر جو چیز آپ کو نہیں

ملنا ہے، وہ کسی کے پاس بھی چلی جائے گی مگر آپ کے پاس نہیں آئے گی۔ انسان کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ جانے والی چیز کے ملال میں مبتلا رہتا ہے آنے والی چیز کی خوشی اسے مسرور نہیں کرتی۔"

"میں آپ سے یہ نہیں پوچھوں گا کہ آپ نے دین کے لیے کیا چھوڑا۔ میں صرف یہ پوچھوں گا کہ آپ نے کیوں چھوڑا اور یہ سوال اس لیے کروں گا کہ خدا کے لیے کیے جانے والے عمل پر فخر کے بجائے آپ کو پچھتاوا ہے اور یہ پچھتاوا شر سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ یہ انسان کا ہر اچھا عمل بھی تباہ کر دیتا ہے۔ خدا کے لیے کیے جانے والے عمل پر شکر اور پھر فخر کرنا چاہیے کہ اس نے آپ کو آزمایا اور آپ نے ثابت قدمی اور استقامت دکھائی لیکن اگر آپ کو پچھتانا تھا تو پھر آپ یہ قربانی نہ دیتیں۔ آپ بھی سائے کا انتخاب کر لیتیں۔ راستے تو دونوں ہی تھے آپ کے پاس اور کسی نے آپ کو یقیناً مجبور بھی نہیں کیا ہوگا۔ کم از کم اللہ نے نہیں۔ اس نے تو اختیار دیا آپ کو کہ انتخاب کا حق استعمال کریں پھر آپ نے اپنے اختیار کو استعمال کیا۔ اب یہ پچھتاوا کیوں؟"

"میں آپ کے اسلام پر گواہی دینے آیا ہوں نہ آپ کے ایمان کی مضبوطی کا جائزہ لینے۔ یہ دونوں کام میں ایمان علی کے لیے کرنے آیا ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ مسلمان ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ ہمیشہ مسلمان ہی رہے گا۔ بہت کم عورتیں ہوتی ہیں جن کی کوئی اتنی خواہش کرتا ہے۔ جس قدر ایمان علی آپ کی کر رہا ہے۔ آپ کی خوش بختی یہ ہے امید بی بی کہ آپ کے لیے ایک ایسا شخص دامن پھیلائے ہوئے ہے جو کیچڑ کا کنول ہے اور کنول کو کوئی صرف کیچڑ میں کھلنے کی وجہ سے پھول کہنا نہیں چھوڑ دیتا۔ لوگ اس کی خوشبو سے بھی متاثر ہوتے ہیں اور حسن کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔"

وہ خاموشی سے ان کا چہرہ دیکھتی رہی۔

"میں نے آپ سے کہا نا کہ اللہ انسان کو ہر چیز کا متبادل دے دیتا ہے اور ہر انسان کو دیتا ہے۔ آج ایمان علی آپ کی خواہش کر رہا ہے۔ آپ اسے نہیں ملتیں تو کیا ہوگا۔ اللہ اس کے لیے آپ سے بہتر اور بڑھ کر کوئی متبادل پیدا کر دے گا۔ اللہ کو نوازنا آتا ہے مگر جب کوئی اتنی چاہ کرے تو اس کی محبت کو اس طرح رد نہیں کرنا چاہیے۔ آپ ایک ایسے شخص کو رد کر رہی ہیں جس کی زندگی میں صرف ایک عورت آئی ہے اور وہ عورت آپ ہیں۔ وہ آپ کا نام اتنی محبت اور عزت سے لیتا ہے کہ مجھے آپ پر رشک آتا ہے۔ عورت سے محبت بہت سے مرد کرتے ہیں مگر محبت کے ساتھ ساتھ عزت بہت کم مرد کرتے ہیں۔"

وہ تھرا گئی۔ اسے کچھ یاد آیا۔ اسے لگا، وہ زمین کے اندر اتر رہی ہو۔

"مجھے لگتا ہے۔ آپ کا کوئی عمل خدا کو بہت پسند آیا ہے، جس کی وجہ سے اس نے آپ کو اتنا خوش بخت بنا دیا کہ کوئی شخص آپ کے لیے آپ کا دین اختیار کرنے پر تیار ہو گیا۔ اب آپ سوچیے آپ کا ساتھ اس شخص کو اور کتنی ثابت قدمی اور استقامت دے گا۔"

اس کی آنکھوں میں دھندلاہٹ آنے لگی۔

"ہمارے دین کا امتیاز ہی یہ ہے کہ اس میں کوئی چھوت چھات نہیں ہے۔ نئے اور پرانے مسلم کا کوئی تصور نہیں ہے۔ ہمیں انصار کی طرح ہونا

چاہیے۔ آنے والوں کو گلے لگانا چاہیے۔ ان کے عقیدوں اور حسب ونسب کو چھاننے پھٹکنے نہیں بیٹھنا چاہیے۔ جو منہ سے خود کو مسلمان کہتا ہے وہ مسلمان ہے۔ ہمارے ماننے یا نہ ماننے سے اس کے ایمان میں فرق نہیں پڑے گا۔ ہمارے اپنے ایمان میں فرق پڑ جائے گا۔"

اس نے اپنی آستینوں سے چہرا صاف کیا۔

"آپ مقدر پر یقین رکھتی ہیں تو یہ جان لیں کہ آپ ایمان علی کے مقدر میں لکھی گئی ہیں۔ آپ کو کوئی اور نہ پہلے ملنا تھا نہ بعد میں ملے گا۔ آپ کو دیکھ کر مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ آپ میرے لفظوں سے موم ہوں یا نہ ہوں مگر ایمان علی نے آپ کے لیے کوئی ایسی دعا ضرور کی ہے کہ وہ آپ کو پالے گا۔ اب اس میں کتنا وقت لگے گا۔ یہ خدا جانتا ہے۔"

اس نے اپنے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا۔ وہ ڈاکٹر خورشید کو نہیں جانتی تھی مگر اس شخص کی زبان میں کچھ ایسا ضرور تھا جو دوسروں کو چونکا دیتا تھا۔ انھیں بے بس کرتا تھا پھر انھیں قائل کر دیتا تھا۔ وہ قائل نہیں ہوئی تھی مگر بے بس ضرور ہو گئی تھی۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

اس رات اس نے اپنی پوری زندگی کو ایک فلم کی طرح آنکھوں کے سامنے سے گزرتے دیکھا۔ ہر یاد، ہر تصور جہاں زیب پر آ کر ختم ہو گیا تھا۔

کیا میرے لیے کسی دوسرے شخص سے شادی کرنا ممکن ہے جب میں اپنا ہر خواب کسی دوسرے مرد کے حوالے سے دیکھ چکی ہوں۔ میں نے اپنی پوری زندگی کو ایک دوسرے شخص کے حوالے سے دیکھا ہے۔ ایمان علی کو میں کیا دے پاؤں گی۔ میرے سارے لفظ، سارے حرف، سارے جذبے، سارے احساسات صرف جہاں زیب کے لیے ہیں۔ کسی دوسرے شخص کے لیے تو میرے پاس کچھ ہے ہی نہیں۔"

اس کا دم گھٹنے لگا۔ "ڈاکٹر خورشید کہتے ہیں، اس نے مجھ سے اتنی محبت کی میرے لیے اتنی دعائیں کیں کہ خدا نے مجھے اس کے مقدر میں لکھ دیا۔ میں نے بھی تو جہاں زیب سے بہت محبت کی تھی۔ بہت دعائیں مانگی تھیں پھر اللہ نے اسے میرے مقدر میں کیوں نہیں لکھا۔ ایمان علی تو مجھے ہر ایک سے مانگتا پھر رہا ہے۔ میں نے تو جہاں زیب کو صرف اللہ سے مانگا تھا۔"

اس کا دم گھٹنے لگا۔ "جس شخص کو میں نے چاہا، وہ مجھے نہیں ملا تو پھر میں اس شخص کو کیوں ملوں جو مجھے چاہتا ہے مگر مجھے اس شخص سے ایک بار بات کرنی چاہیے۔ مجھے دیکھنا چاہیے کتنی صداقت ہے اس کے لہجے میں۔"

♥ ...... ♥ ...... ♥

وہ ڈاکٹر خورشید کے گھر اس سے ملنے گئی۔ وہ جتنی تلخی سے اس سے بات کر سکتی تھی، اس نے کی مگر وہ متزلزل نہیں ہوا۔ اس نے ایمان کو اپنی منگنی کے بارے میں بتایا۔ اس کا خیال تھا کہ شاید وہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرے۔ وہ اب بھی اسی طرح تھا۔ امید کو اس پر غصہ آیا۔ پھر اسے ایمان پر ترس آیا۔ اس کا دل چاہا وہ اس سے کہے اپنی زندگی میں مجھے شامل مت کرو۔ اپنی زندگی برباد مت کرو، کسی ایسی لڑکی سے شادی کرو، جس کی زندگی میں کوئی جہاں زیب نہ آیا ہو جو تمہاری محبت کا یقین کرے۔ تمہارے جذبوں کی قدر کرے۔ مگر میں وہ لڑکی نہیں ہوں۔

اس نے شرط رکھی تھی کہ وہ ایک سال تک اس سے ملنے نہ کوئی رابطہ رکھے اور اسلامی تعلیمات پر کاربند رہے۔ اگر اس نے یہ شرط پوری کر دی تو وہ ایک سال بعد اس سے شادی کر لے گی۔

اس نے سوچا تھا، ایک سال تک ایمان علی کی محبت میں کمی ہو جائے گی۔ وہ اس کی نظروں سے ہٹ جائے گی تو شاید اس کے اس جنون میں بھی کمی ہو جائے۔ شاید وہ ان چیزوں پر غور کرنے لگے، جن پر وہ غور کر رہی تھی۔

ایمان علی نے اس کی شرط قبول کر لی تھی۔

''ایک سال میں 365 دن ہوتے ہیں۔ 365 دن اگر کسی شخص کو دیکھا جائے نہ اس سے بات کی جائے نہ اس سے کوئی رابطہ رکھا جائے تو محبت کم ہو جاتی ہے۔ میں بھی یہی دعا کروں گی کہ ایمان علی کے ساتھ ایسا ہی ہو۔''

اس نے اپنے گھر والوں کو اپنے فیصلے کی اطلاع دیتے ہوئے سوچا تھا۔ وہ بہت مطمئن ہوگئی تھی۔ اسے جہاں زیب کے الوژن کے ساتھ رہنے کے لیے ایک اور سال مل گیا تھا۔ ایک سال اور گزر جاتا۔ امی اس کے لیے کوئی رشتہ تلاش نہ کرتیں۔ ایک سال بعد وہ اٹھائیس سال کی ہو جاتی۔ تب ایمان کے انکار کی صورت میں امی کو ایک بار پھر سے اس کے لیے رشتے کی تلاش کرنی پڑتی۔ بڑھتی عمر کے ساتھ یہ خاصا دشوار ہوتا۔ شاید اس کی شادی نہ ہو سکے اور وہ اس عذاب سے بچ جائے۔

اس کی ہر توقع، توقع ہی رہی تھی۔ ایک سال کے دوران ہر بار گھر میں ایمان علی کا ذکر آنے پر وہ موضوع بدل دیتی۔ وہ وہاں سے اٹھ کر چلی جاتی اور کسی اور کام میں مصروف ہو جاتی۔ ایک سال کے دوران اسے کبھی اس کا خیال نہیں آیا تھا۔ اگر کبھی اس کا خیال آتا بھی تو ایک خوف کی طرح۔ ایک سال کے دوران بھی اس کے ذہن پر وہی ایک چہرہ چھایا رہا تھا جو پچھلے بہت سے سالوں سے اس کے دل و دماغ پر قابض تھا۔ ایک سال کے دوران بھی اس نے اپنے اردگرد لہراتی پرچھائیوں میں جہاں زیب کو ہی تلاش کیا تھا۔ اپنے اردگرد گونجتی آوازوں میں اسی کی آواز ڈھونڈی تھی۔

♥......♥......♥
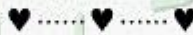
ایک سال پورا ہونے کا سب سے زیادہ انتظار امی کو تھا۔ وہ سال ختم ہونے سے چند ہفتے پہلے ہی شادی کی تیاریوں میں مصروف ہوگئی تھیں۔ امید کو یوں لگتا تھا جیسے وہ کسی دھاگے کے ساتھ معلق تھی۔ وہ چاہتی تھی، ایمان علی مدت ختم ہو جانے کے بعد بھی ان سے دوبارہ کوئی رابطہ نہ کرے۔ اس کا خیال تھا۔ وہ رابطہ نہیں کرے گا کیونکہ پورے ایک سال اس نے ایسا نہیں کیا تھا۔ اس کا خیال غلط ثابت ہوا۔ سال ختم ہونے کے اگلے دن اسے کوریئر سروس کے ذریعے ایک کارڈ ملا تھا۔ کارڈ ہاتھ میں لیتے ہی اس کا سانس رک گیا تھا۔ لفافے کی پشت پر لکھا ہوا، ایمان علی کا نام اسے کسی سانپ کے ڈنک کی طرح لگا۔ دم سادھے کانپتے ہاتھوں کے ساتھ اس نے کارڈ کھول لیا۔

The year is over.

Iman Ali remains Iman Ali

What about your promise?

(سال ختم ہو چکا ہے اور ایمان علی اب بھی ایمان علی ہے۔ آپ کو اپنا وعدہ یاد ہے؟)

اس کے ہاتھ سے کارڈ چھوٹ گیا۔ اس کا وعدہ اس کے گلے میں پھندہ بن کر اٹکنے لگا۔ ''کیا واقعی میں اس شخص کے مقدر میں ہوں تو پھر جہاں زیب عادل......'' اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

♥......♥......♥

باب 4

تین دن کے بعد سادگی سے ایمان علی کے ساتھ اس کا نکاح ہوگیا۔ یہ امید کی ضد تھی کہ شادی کی کوئی رسم ادا نہ کی جائے۔ اس کے گھر والوں کے اصرار کے باوجود وہ اپنی ضد پر قائم رہی۔ نکاح نامہ پر دستخط کرنے کے بعد بھی بہت دیر تک اس کا ہاتھ کانپتا رہا تھا۔ ہاں ساری بات تقدیر ہی کی ہوتی ہے اور تقدیر وہ چیز ہے جو ہماری آنکھوں میں ریت بھر دیتی ہے۔ نو سال جب بھی میں نے اس کاغذ کا سوچا تھا میری سماعتوں میں صرف جہاں زیب کا نام ہی گونجتا رہا تھا۔ پچھلے پانچ سال میں نے یہی سوچا تھا کہ میں زندگی میں کبھی کسی شخص سے شادی نہیں کروں گی۔ میری زندگی میں جہاں زیب نہیں تو کوئی دوسرا بھی نہیں آئے گا اور اب یہاں اس کاغذ پر دستخط کرتے ہوئے میرا کوئی فیصلہ کوئی خواہش رکاوٹ نہیں بنی...... آپ نے ٹھیک کہا تھا ڈاکٹر خورشید میں ایمان علی کے مقدر میں لکھ دی گئی تھی۔ میرے لیے ممکن ہی نہیں تھا کہ میری کوئی تدبیر میری تقدیر کو بدل دیتی۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

"مجھے یقین نہیں آرہا کہ تم میرے گھر میں یہاں میرے کمرے میں ہو۔ یہ دنیا کا سب سے حیرت انگیز واقعہ ہے اور میں خوش اس لیے ہوں، کیونکہ یہ حیرت انگیز واقعہ میری زندگی میں ہوا ہے۔ پچھلے ایک سال میں، میں نے تمھیں بہت بار اس کمرے میں دیکھا ہے۔ بہت بار...... اور اب جب تم واقعی یہاں ہو تو میں سمجھ نہیں پا رہا کہ وہ خواب تھا یا یہ خواب ہے مگر...... جو بھی ہے مجھے اس خواب سے محبت ہے۔ تم میری Soul mate ہو امید......! میری بیوی نہیں ہو۔ مجھے کسی لڑکی سے محبت کا اظہار ہمیشہ بہت مشکل لگتا رہا ہے، مگر آج تم سے محبت کا اظہار کرتے ہوئے کوئی دقت نہیں ہو رہی ہے۔ میرے پاس اتنے لفظ ہیں تمھارے لیے کہ تمھیں اندازہ بھی نہیں ہے۔"

صبح دس بجے اس کا نکاح ہوا تھا۔ شام کو وہ اس کے ساتھ لاہور میں موجود تھی۔ سعود ارتضیٰ کی بیوی کچھ دیر پہلے ہی گئی تھی اور اب وہ دونوں گھر میں اکیلے تھے۔ وہ کاٹن کے ایک ایمبرائیڈڈ سوٹ میں اس کے سامنے بیٹھی تھی اور وہ بچوں جیسی شفاف مسکراہٹ کے ساتھ دھیمے لہجے میں اسے بتا رہا تھا کہ اس نے پہلی بار اسے کہاں دیکھا۔ کتنا عرصہ وہ اس کے لیے وہاں جاتا رہا تھا۔ کس طرح وہ ہاسٹل تک اس کا تعاقب کرتا رہا تھا۔ وہ بے یقینی کے ساتھ اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ پھر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ "محبت تو جہاں زیب نے بھی مجھ سے کی تھی اور ایسی ہی محبت کی تھی۔ نو سال وہ محبت کرتا رہا تھا پھر سب کچھ بھک سے اڑ گیا۔ یہ شخص چاہتا ہے میں اس کی ایک ڈیڑھ سال کی محبت پر ایمان لے آؤں۔"

وہ اس کے آنسوؤں سے پریشان ہوا تھا، وہ ان کی وجہ جاننا چاہتا تھا۔ اس نے وجہ بتائی تھی۔ اس نے اس سے کہا تھا کہ اس کے لفظ اسے جھوٹے لگتے ہیں۔ اسے ایمان کی باتوں پر یقین نہیں آتا۔

وہ بہت دیر خاموش بیٹھا اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

"تمہارا یقین نہ کرنا میری محبت کو کم نہیں کر سکتا نہ ہی میرے لفظوں کو جھوٹا کر سکتا ہے۔" بہت دیر بعد اس نے کہا تھا۔

ایمان علی اس کی زندگی میں آنے والا عجیب ترین مرد تھا۔ اسے حیرت ہوتی کیا کوئی مرد انا کے بغیر ہو سکتا ہے اور ایمان علی ایسا ہی ایک مرد تھا۔ وہ کم گو اور ریزرو تھا۔ اس کا اندازہ اسے شادی کے چند دن میں ہی ہو گیا تھا۔ اسے ایمان کی سرگرمیوں اور مصروفیات پر حیرت ہوتی۔ گھر، آفس جم اور پھر گھر...... شادی کے تیسرے چوتھے دن اس نے اپنی مصروفیات بتائی تھیں تو اُمید نے مسکرا کر کہا تھا۔

''تم خاصے مطمئن اور خوش تھے اپنی زندگی سے۔ یہ شادی کہاں سے آ گئی۔ اچھا نہیں تھا کہ تم یونہی رہتے...... آزاد......''

''ہاں۔ اچھا ہوتا...... اگر میں نے تمھیں دیکھا نہ ہوتا، تب شاید میرا اطمینان ہمیشہ ایسے ہی برقرار رہتا۔'' اس نے بڑی سادگی سے جواب دیا تھا۔

وہ خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ وہ کھانا کھا رہا تھا۔

''اگر میں تمہاری زندگی سے نکل جاؤں تو تمھیں کیا فرق پڑے گا ایمان؟''

وہ کھانا کھاتے کھاتے رک گیا۔ ''میرے پاس ایسے کسی سوال کا جواب نہیں ہے جو ممکن نہ ہو۔''

''دنیا میں سب کچھ ممکن ہوتا ہے۔''

''ہوتا ہوگا...... مگر یہ نہیں۔'' اس نے اپنی بات پر زور دے کر کہا۔ ''تم مجھے چھوڑ کر اس وقت جاؤ گی جب میں تمھیں کوئی تکلیف دوں گا۔ مگر میں تمھیں کوئی تکلیف نہیں دوں گا، اس لیے تمھارے چھوڑ کر جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

اسے بے اختیار کوئی اور یاد آیا۔ وہ ڈائننگ ٹیبل سے اٹھ گئی۔

وہ اس کے ساتھ خوش نہیں تھی تو ناخوش بھی نہیں تھی، مگر ایمان علی کے وجود نے جہاں زیب عادل کے الوژن کو ختم نہیں کیا تھا۔ ایمان علی ہر لحاظ سے جہاں زیب سے بہتر تھا۔

مگر وہ جہاں زیب نہیں تھا۔ وہ امید سے محبت کا اظہار کرتا اور اسے جہاں زیب یاد آنے لگتا۔ اس کے لہجے کی نرمی، اس کی مسکراہٹ، اس کی ہر بات اسے جہاں زیب کی یاد دلاتی تھی...... وہ سوچتی اگر میں ایمان علی کے ساتھ نہیں جہاں زیب کے ساتھ ہوتی تو...... تو کیا ہوتا کیا زندگی یک دم خوبصورت اور دنیا مکمل نہ ہو جاتی۔ ایمان علی کی محبت اور خلوص جہاں زیب کا متبادل نہیں ہو سکتا۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

شادی کے ایک ہفتے کے بعد وہ اسے اپنے والدین سے ملوانے جرمنی لے کر گیا۔ وہ اس کے والدین سے دو تین بار فون پر بات کر چکی تھی۔ وہ اس بات کا بھی اندازہ لگا چکی تھی کہ ایمان اپنی ماں سے بہت اٹیچڈ تھا اور اس کی باتوں اور خیالات پر اس کی ماں کے نظریات کی خاصی گہری چھاپ تھی۔ اسے پھر بھی اس بات پر حیرت تھی کہ ماں سے اتنا متاثر ہونے کے باوجود اس نے کرسچین ہونے کی کوشش کیوں نہیں کی۔ باقاعدہ طور پر کسی بھی مذہب کو اختیار کرنے سے اس طرح اجتناب کیوں کیا۔ سبل سے مل کر اسے خوشی ہوئی تھی۔ وہ واقعی بہت مختلف قسم کی عورت تھی۔ اس نے مغربی عورت کے بارے میں جو کچھ سن رکھا تھا، وہ اس کے برعکس تھی۔

''مجھے اب تک یقین نہیں آ رہا کہ ڈینیل نے شادی کر لی ہے اور تم واقعی اس کی بیوی ہو۔'' جرمنی پہنچنے کے دوسرے دن اس نے دوپہر کو لنچ کرتے ہوئے امید سے کہا۔ ''یہ تو اب شادی کرنا ہی نہیں چاہتا تھا مگر میں خوش ہوں کہ اسے بالآخر ویسی بیوی مل گئی جیسی یہ چاہتا تھا۔''

''یہ کیسی بیوی چاہتا تھا؟'' امید نے ایمان کو دیکھتے ہوئے دلچسپی سے پوچھا۔

''ایسی لڑکی جس کا کبھی کوئی بوائے فرینڈ نہ رہا ہو، جو بہت مشرقی ہو بلکہ تنگ نظر اور قدامت پرست۔ یقیناً تم ایسے ہی کسی گھرانے سے تعلق رکھتی ہوگی جہاں آدمیوں سے زیادہ میل جول نہیں ہوتا ہوگا...... مگر پھر ڈینیل سے تمہاری ملاقات کیسے ہوگئی؟ اور شادی...... عجیب بات ہے نا۔'' امید کے چہرے کی مسکراہٹ یک دم غائب ہوگئی۔

''نہیں ممی! امید ایک ریسٹورنٹ میں کام کرتی تھی۔ میں نے اسے پہلی بار وہیں دیکھا۔'' وہ مدھم آواز میں مسکراتے ہوئے ماں کو بتا رہا تھا۔

امید نے عجیب نظروں سے اسے دیکھا۔

''اور تمہیں اس بات پر کوئی اعتراض نہیں ہوا کہ یہ اس طرح کی جاب کر رہی ہے۔''

''ممی! آپ میرے بارے میں کچھ زیادہ ہی غلط سوچنے لگی ہیں۔ میں اتنا قدامت پرست بھی نہیں ہوں۔''

اس نے ماں کی بات پر کچھ جھینپ کر امید کو دیکھا جو بے تاثر چہرے کے ساتھ کھانا کھانے میں مصروف تھی۔

''کیوں امید! کیا تمہارا کوئی بوائے فرینڈ نہیں رہا؟'' سبل نے بڑی بے تکلفی کے ساتھ امید سے پوچھا۔

امید کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

''ممی پلیز!'' ایمان نے برق رفتاری سے احتجاج کیا۔

''ارے اس میں ایسی کیا بات ہے؟'' سبل نے کچھ حیرانی سے کہا۔

''نہیں، آپ اس بات کو چھوڑیں۔ آپ یہ بتائیں کہ یہ مچھلی آپ نے کیسے بنائی ہے۔ مجھے پہلے تو کبھی آپ نے اس طرح کی ڈش نہیں کھلائی۔'' وہ بڑی مہارت سے موضوع بدل گیا۔

♥......♥......♥

''تم جانتے تھے کہ میری منگنی ہوئی تھی۔ یہ بھی جانتے ہو کہ میں آج تک جہاں زیب کو بھلانے میں کامیاب نہیں ہوئی پھر بھی مجھ سے شادی...... تمہاری ممی کہہ رہی تھیں کہ تم ایسی لڑکی چاہتے تھے جس کا کوئی بوائے فرینڈ نہ ہو پھر تمہیں اس بات پر اعتراض کیوں نہیں ہوا کہ میرا ایک منگیتر تھا جس سے میں بہت محبت کرتی ہوں۔'' اس رات امید نے سونے سے پہلے ایمان سے بات کرتے ہوئے اسے جتایا تھا۔

''وہ تمہارا بوائے فرینڈ نہیں تھا۔'' اس نے جیسے بحث شروع کرنے سے گریز کیا۔

''میرے لیے وہ کسی بوائے فرینڈ سے بڑھ کر تھا۔'' اس نے بڑی بے خوفی سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔

ایمان کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ کچھ کہے بغیر اس نے آنکھیں بند کرتے ہوئے ٹیبل لیمپ آف کر دیا۔

''میں تم سے پوچھ رہی ہوں، تمہیں مجھ پر اعتراض کیوں نہیں ہوا؟'' امید نے ڈھٹائی سے اپنی بات دہرائی۔

''مجھے نیند آرہی ہے امید۔'' اپنی آنکھوں کو بازو سے ڈھکتے ہوئے اس نے بے تاثر لہجے میں جواب دیا۔

وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر اس نے بھی ٹیبل لیمپ آف کر دیا۔ نائٹ بلب کی مدھم روشنی میں وہ بہت دیر کمرے کی چھت کو گھورتی رہی۔

''اس شخص کی خواہش تھی کہ اس کی زندگی میں وہ لڑکی آئے، جس نے اس سے پہلے کسی سے محبت نہ کی ہو اور اس کی زندگی میں، میں آئی۔ امید عالم جس کی زندگی میں جہاں زیب عادل کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں۔'' اسے بے اختیار ایمان پر ترس آیا۔

''کیا یہ شخص اس طرح کے سلوک کا مستحق ہے جو میں اس کے ساتھ کرتی ہوں۔ کیا اسے تکلیف نہیں ہوتی جب میں جہاں زیب کا نام اس طرح اس کے سامنے لیتی ہوں''...... اور میں...... میں یہ سب کیوں کرتی ہوں...... جب میں اس سے شادی کر چکی ہوں۔ اس کے ساتھ زندگی گزار رہی ہوں...... اس شخص کے ساتھ جو میری ہر خواہش پوری کرنے کی کوشش کرتا ہے، جس نے اپنی زندگی بہت دیانت داری سے گزارنے کی کوشش کی تھی۔ پھر میں یہ بات تسلیم کیوں نہیں کر لیتی کہ اب میرے پاس اس شخص کے علاوہ دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔ یہ شخص اتنے کا تو مستحق ہے کہ میں اس کے جذبوں کی قدر کروں۔ اس طرح اسے تکلیف پہنچا کر میں کون سے جذبے کی تسکین چاہتی ہوں۔''

وہ پتا نہیں کس رو میں آ کر سوچ رہی تھی۔ ذہنی ابتری کے جس طویل دور سے وہ گزر رہی تھی، وہ چند لمحوں کے لیے جیسے ختم ہو گیا تھا۔ چند لمحوں کے لیے اس نے اپنے اندر کہیں سکون اور ٹھہراؤ محسوس کیا۔ بہت نرمی سے اس نے ایمان کی آنکھوں سے اس کا بازو ہٹاتے ہوئے کہا۔

''کیا واقعی ہی سو گئے ہو؟''

''میں کوشش کر رہا ہوں۔'' ایمان نے آنکھیں کھول کر اندھیرے میں اسے دیکھنے کی کوشش کی۔

''بات بدلنے کے لیے آنکھیں بند کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔'' وہ اب اطمینان سے اس کے کندھے پر سر ٹکائے آنکھیں بند کیے ہوئے تھی۔

ایمان نے بہت حیرت سے اپنے کندھے پر ٹکے ہوئے اس کے سر کو دیکھا پھر اس کی نظر اپنے سینے پر دھرے اس کے ہاتھ پر گئی۔ وہ آنکھیں بند کیے پرسکون انداز میں سونے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ بے اختیار مسکرا دیا۔ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ کر اس نے خود بھی آنکھیں بند کر لیں۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

اگلے کچھ دن اس نے پوری طرح جہاں زیب عادل کو اپنے ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کی۔ وہ ایمان کے ساتھ اس کے مختلف فیملی ممبرز کے ہاں دعوتوں میں شرکت کرتی رہی۔ ہر جگہ اسے ایمان کے بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور معلوم ہوتا رہا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اپنی عادات کی وجہ سے اپنے خاندان میں خاصا پسند کیا جاتا تھا اور یہ پسندیدگی صرف اس کے لیے ہی نہیں بلکہ سبل اور پیٹر کے لیے بھی تھی۔ وہ اس کے ساتھ اپنے رشتے کو مضبوط کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر سڑکوں پر چلتے ہوئے، اس کی باتوں پر ہنستے ہوئے، اس کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے اس نے ہر بار جہاں زیب کے الوژن سے فرار حاصل کرنے کی کوشش کی۔ جرمنی میں قیام کے دوران اس نے ایمان کے ساتھ اپنی زندگی کی سیڑھی پر دوبارہ

چڑھنے اور قدم جمانے کی کوشش کی...... مگر وہ ایک بار پھر گری......

♥ ...... ♥ ...... ♥
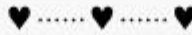
جرمنی سے واپس آنے سے دو دن پہلے وہ ایمان کے ساتھ کچھ شاپنگ کرنے گئی اور وہاں اسٹور پر شاپنگ کرتے ہوئے اس نے اچانک ایمان کو وہاں نہیں پایا۔ متلاشی نظروں کے ساتھ اس نے اسٹور کے ہر حصے میں اسے ڈھونڈنے کی کوشش کی مگر وہ وہاں نہیں تھا۔ وہ کچھ پریشان ہو کر کاؤنٹر پر آئی۔

''آپ کے ساتھ جو آئے تھے، وہ اپنے سوئیٹرز کی پے منٹ کر کے جا چکے ہیں۔''

کاؤنٹر پر کھڑی لڑکی کی بات سن کر اس کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔

''کیا مطلب! وہ کہاں جا سکتے ہیں۔ وہ شوہر ہے میرا اور......''

''تو پھر آپ انتظار کریں، شاید وہ کسی ضروری کام سے باہر گئے ہوں۔''

اس لڑکی نے اپنی ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں اسے سمجھایا۔ وہ کچھ کہے بغیر اسٹور کے دروازے پر جا کر کھڑی ہو گئی۔ شاپنگ مال سے گزرتے ہوئے لوگوں کی بھیڑ میں وہ اسے کہیں نظر نہیں آیا۔ وقت بہت آہستہ آہستہ گزر رہا تھا اور اس کی بے چینی اور اضطراب میں اضافہ ہو رہا تھا۔ ''اس طرح مجھے چھوڑ کر وہ کیسے جا سکتا ہے؟'' اس کے ہاتھ اب کانپنے لگے تھے۔ اس نے گھر کا ایڈریس یاد کرنے کی کوشش کی مگر وہ ناکام رہی۔ جرمن زبان میں گھر کے دروازے پر لکھا ہوا پتا وہ کسی طرح بھی یاد نہیں کر پائی تھی۔ اس کے پاس پرس نہیں تھا وہ بالکل خالی ہاتھ تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ دس منٹ گزر گئے۔ وہ نہیں آیا۔

امید نے خود کو اسی خوف کی گرفت میں پایا جس نے پانچ سال پہلے اس رات اپنی گرفت میں لیا تھا، جب جہاں زیب کے جانے کے بعد وہ گیٹ پر آئی تھی۔ اسے اپنا آپ ایک بار پھر کسی اندھے کنویں کی تہہ میں محسوس ہونے لگا تھا۔

''کیا ایمان مجھے جان بوجھ کر چھوڑ کر چلا گیا ہے؟ مگر کیوں...... اور اس طرح اوہ خدایا......'' اس کے دماغ میں سنسناہٹ ہونے لگی۔

''اور اگر وہ بھی مجھے جہاں زیب کی طرح چھوڑ گیا ہے تو میں...... میں کیا کروں گی...... یہاں اس طرح...... خالی ہاتھ...... مگر میں نے ایمان کے ساتھ ایسا کیا کیا ہے کہ وہ یوں کرے گا۔ میں اس کی بیوی ہوں، کوئی بیوی کو اس طرح چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ مگر شاید وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا ہو۔ جہاں زیب بھی تو چلا گیا تھا۔''

وہ بے اختیار اسٹور سے باہر نکل آئی۔ پاگلوں کی طرح لوگوں کی بھیڑ کاٹتے ہوئے وہ ایک ایک چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ اپنے آگے چلتا ہوا ہر شخص اسے ایمان لگ رہا تھا۔ اسے اندازہ نہیں ہو سکا کہ وہ شاپنگ مال کے کس حصے میں پہنچ چکی تھی۔ وہ صرف یہ جانتی تھی کہ وہ اسے نہیں ملا تھا۔ اس کا ذہن بالکل ماؤف ہو رہا تھا۔ اپنے پاس سے گزرتی ہوئی ایک عورت کو روک کر اس نے انگلش میں اپنا مسئلہ بتایا تھا۔ اس عورت کے بجائے اس کے ساتھ چلنے والے ایک آدمی نے اسے پبلک ایڈریس سسٹم پر ایمان کو متوجہ کرنے کے لیے کہا۔ وہ انتظامیہ کے آفس کا رستہ نہیں جانتی تھی۔ وہ شخص اور

اس کی ساتھی عورت اسے وہاں تک چھوڑ گئے۔ آفس میں موجود ایک لڑکی اور دو آدمیوں نے بڑی ہمدردی سے اس کی بات سنی اور پھر بڑے معمول کے انداز میں اسے تسلی دینے کے بعد پبلک ایڈریس سسٹم پر ایمان علی کا نام دہرانے لگے۔ وہ زرد چہرے کے ساتھ ان لوگوں کو دیکھتی رہی۔

''یہاں اکثر لوگ ایک دوسرے سے الگ ہو جاتے ہیں۔ یہ ایسی پریشانی کی بات نہیں۔''

اعلان کرنے کے دوران اس لڑکی نے شاید اس کے فق چہرے کو دیکھتے ہوئے اسے تسلی دی۔ وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ اسے دیکھتی رہی۔

وہ جانتی تھی یہاں وہی لوگ ایک دوسرے کو ڈھونڈ لیتے ہوں گے جو ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہوں گے، اور اگر کوئی جان بوجھ کر کسی کو......''

لڑکی ایک بار پھر ایمان کے نام پیغام دے رہی تھی۔ اسے اپنا پورا وجود بہت سرد محسوس ہو رہا تھا۔ ''اس کے بعد اب آگے مجھے کیا کرنا ہے...... یہاں سے پاکستان ایمبیسی فون کروں...... انھیں بتاؤں کہ میرے ساتھ کیا ہوا ہے۔ پھر وہ اسے ڈھونڈنے کی کوشش کریں اور ڈھونڈنے کے بعد بھی کیا ہوگا۔ اگر اس نے میرے ساتھ اپنی شادی سے انکار کر دیا یا اس نے کہا کہ وہ مجھے رکھنا نہیں چاہتا تو...... تو کیا ہوگا۔ میں واپس کیسے جاؤں گی اتنی بے عزتی کے ساتھ......''

اسے اپنا پورا وجود کسی آکٹوپس کی گرفت میں محسوس ہو رہا تھا۔ ''پہلے جہاں زیب...... اب ایمان۔ میں نے ایسا کون سا گناہ کیا ہے کہ مجھے اس طرح سزا مل رہی ہے۔ آخر میں نے اس شخص سے کیوں شادی کی۔ مجھے شادی نہیں کرنی چاہیے تھی۔ ڈاکٹر خورشید...... وہ غلط کہتے تھے۔ وہ بھی اس شخص سے دھوکا کھا گئے۔''

اسے اپنا جسم پتھر کی طرح بھاری لگنے لگا تھا۔

اعلان کرتے ہوئے پانچ منٹ گزر چکے تھے۔ وہ نہیں آیا تھا۔ لڑکی نے اب اعلان کرنا بند کر دیا۔

''آپ اب گھر چلی جائیں۔ ہو سکتا ہے وہ یہاں سے جا چکے ہوں۔'' اس لڑکی نے کہا۔ وہ گم صم اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ وہ اس لڑکی کو بتا نہیں پا رہی تھی کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ تب ہی کوئی ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر اندر آیا تھا اور امید کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ اس کا دل چاہا تھا وہ ایمان کو اتنا مارے اور اتنی بری طرح مارے کہ وہ......

وہ...... وہ بے اختیار اس کی طرف آیا تھا۔ وہ نہیں جانتی اسے یک دم کیا ہوا۔ وہ بس اس پر چلانے لگی تھی۔ پھر اسے بے تحاشا رونا آیا۔ ایمان فق چہرے کے ساتھ اسے روتا دیکھتا رہا۔ بہت دیر وہ اس سے معذرت کرتا رہا مگر وہ اس کے ساتھ جانے کو تیار نہیں تھی۔

''مجھے اب تمہارے ساتھ نہیں جانا، پاکستان جانا ہے۔ مجھے اپنا پاسپورٹ چاہیے۔''

وہ روتے ہوئے صرف ایک ہی بات کہہ رہی تھی۔ وہ نہیں جانتی وہ اس کے رونے سے زچ ہوا یا اس کی باتوں سے مگر بہت دیر تک اس کے پاس بیٹھے رہنے کے بعد وہ یک دم چلایا تھا۔

''میں تمہارا منگیتر نہیں ہوں کہ تمھیں چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ میں تمہارا شوہر ہوں۔''

اسے یقین نہیں آیا کہ یہ لفظ ایمان نے اس سے کہے تھے۔

کیا یہ شخص اب مجھے جہاں زیب کے حوالے سے طنز کا شکار بنائے گا۔

وہ یک دم رونا بھول گئی۔

''اب چلیں؟'' وہ اسی طرح بلند آواز میں چلایا۔ کچھ کہے بغیر اس کے آگے چلتے ہوئے وہ کمرے سے باہر آ گئی۔

''میں اپنے ایک کزن کو دیکھ کر شاپ سے نکلا تھا۔ چند منٹ لگے مجھے اس سے باتیں کرتے اور تم وہاں سے غائب ہو گئیں۔ میں مانتا ہوں مجھے وہاں سے اس طرح تمہیں بتائے بغیر نہیں جانا چاہیے تھا، مگر تمہیں بھی وہیں رک کر میرا انتظار کرنا چاہیے تھا۔ تمہیں اندازہ نہیں ہے تمہاری وجہ سے میں کتنا پریشان ہوا ہوں، اور اب بچوں کی طرح تم نے چیخ و پکار شروع کر دی۔ میں تمہیں چھوڑ کر کیوں جاؤں گا، وہ بھی اس طرح......''

اس کے ساتھ چلتے ہوئے اب وہ وضاحتیں دے رہا تھا مگر وہ اس کی کسی بات کو نہیں سن پا رہی تھی۔ اس کے ذہن پر ابھی بھی کچھ دیر پہلے کا جملہ سوار تھا۔

''یہ شخص کون ہوتا ہے مجھے جتانے والا کہ میرا منگیتر مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔ آخر اسے یہ بات کہنے کا کیا حق پہنچتا ہے۔''

اس کی وضاحتیں صرف وہیں نہیں گھر آ کر بھی جاری رہی تھیں اور شاید اس کی خاموشی اسے پریشان کر رہی تھی۔ اس لیے وہ ایکسکیوز کرتا رہا تھا مگر وہ بالکل خاموش ہو رہی اسے اس سے پہلے کبھی وہ اتنا برا نہیں لگا تھا جتنا اس وقت لگا تھا۔

اسے رات بہت دنوں کے بعد ایک بار پھر وہ جہاں زیب کے الوژن کا شکار ہوئی تھی۔ اسے وہ بے تحاشا یاد آیا۔ ایمان علی کبھی بھی جہاں زیب نہیں بن سکتا۔'' رات تین بجے تک جاگتے رہنے پر اس نے بیڈ کے دوسرے کونے میں گہری نیند سوئے ہوئے ایمان علی کو دیکھ کر اپنے گیلے چہرے کو صاف کرتے ہوئے سوچا۔ الوژنز کا سلسلہ ایک بار پھر شروع ہو گیا تھا۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

جرمنی سے واپس آنے کے بعد وہ ایک ہفتے کے لیے راولپنڈی رہی۔ ایمان اس دوران اسے باقاعدگی سے فون کرتا رہا۔ یہاں آ کر اسے احساس ہوا تھا کہ اس کی زندگی اور مستقبل اب کس حد تک ایمان سے وابستہ ہو چکا تھا۔ وہ کسی طور بھی اس سے الگ نہیں ہو سکتی تھی۔ گھر میں ہر ایک کی زبان پر ایمان کا ذکر تھا۔ امید کی کوئی بات ایمان کے حوالے کے بغیر نہیں کی جاتی تھی۔ اس کی امی اس کے بھائی، اس کی بہن اسے ان کی باتیں سن کر احساس ہوتا تھا کہ ایمان اس گھر اور اس کی زندگی کے لیے کتنی اہمیت اختیار کر چکا ہے۔

''اور میں کتنی دیر اس طرح ناراض رہ کر زندگی گزار سکتی ہوں۔''

اس نے بے بسی سے سوچا۔

ایک ہفتے کے بعد وہ اسے لینے آیا تھا اور وہ خاموشی کے ساتھ بالکل نارمل طریقے سے کسی خفگی کا اظہار کیے بغیر اس کے ساتھ چلی آئی۔

ایمان آفس جوائن کر چکا تھا۔ آفس سے آنے کے بعد وہ باقاعدگی سے رات کو ڈاکٹر خورشید کے پاس جایا کرتا تھا۔ امید کو حیرانگی ہوتی کہ وہ ان کے پاس کس لیے جاتا تھا اور پھر اس طرح باقاعدگی سے۔ ان دونوں کے تعلقات آہستہ آہستہ پھر اچھے ہو گئے تھے۔ مگر جہاں زیب کا الوژن

ابھی بھی اس کی زندگی سے اوجھل نہیں ہوا تھا۔ جب وہ اس کے حواس پر سوار ہوتا تب اسے دوسرا کوئی نظر نہیں آتا تھا۔

اگلے چند ماہ بعد اس نے اپنی زندگی میں ایک اور نیا موڑ دیکھا تھا۔

♥......♥......♥
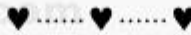
''میرا بچہ......؟'' اس نے ڈاکٹر کی بات سن کر بے یقینی سے کہا تھا اور پھر گھر آنے تک وہ اسی بے یقینی کا شکار رہی تھی۔ اور یہ کیفیت اگلے کئی دن رہی مگر ایمان کا ردعمل بالکل مختلف تھا۔ وہ بہت خوش تھا۔ اس نے جرمنی فون کر کے اپنے والدین کو بھی اس بارے میں بتا دیا تھا۔ غیر محسوس طور پر ان کے درمیان ہونے والی گفتگو کا موضوع بدل گیا تھا۔ اب ان کے پاس بات کرنے کے لیے صرف ایک ہی موضوع تھا۔ باقی ہر چیز جیسے یک دم پس منظر میں چلی گئی تھی۔ حتیٰ کہ جہاں زیب بھی۔ ساڑھے پانچ سال بعد پہلی بار اس نے خوشی کو محسوس کیا تھا۔ پہلی بار اس نے دنیا کو ایک بار پھر سے رنگین ہوتے دیکھا۔

''میں ایمان اور اپنے بچے کے ساتھ بہت خوش رہ سکتی ہوں۔ شاید میں سب کچھ بھول جاؤں گی۔

اپنا وہ ماضی جس سے میں آج تک جان نہیں چھڑا سکی جو ایک ہولناک بھوت کی صورت میں میرے تعاقب میں رہتا ہے۔''

اسے بعض دفعہ ہنسی آتی۔

''واقعی ایمان مجھے کہاں چھوڑ سکتا تھا اور اب تو شاید کبھی بھی نہیں اور میں...... میں ہر وقت اس بے یقینی سے دوچار رہتی تھی کہ وہ مجھے چھوڑ سکتا ہے۔ میرے سارے خدشات کتنے بے بنیاد ثابت ہوئے ہیں۔''

وہ اپنی ہر پرانی سوچ کو ذہن سے جھٹکنے لگی۔

''ہاں مجھے اب سب کچھ بھلا کر نئے سرے سے زندگی کا آغاز کرنا چاہیے۔ اپنے وہموں کو ہمیشہ کے لیے دفنا دینا چاہیے۔''

اسے ہر چیز اچھی لگنے لگی تھی۔ اپنا گھر، ایمان...... ایمان کے لیے کام کرنا...... اس کے آفس چلے جانے کے بعد دن میں دو تین بار فون پر اس سے بات کرنا۔ رات کو اس کے ساتھ ڈرائیو پر جاتے ہوئے مستقبل کے بارے میں منصوبے بنانا، زندگی جیسے اس کے لیے نئے سرے سے شروع ہوئی تھی اور وہاں دور دور تک کسی جہاں زیب عادل کا سایہ نہیں تھا اور شاید یہ اس کی بھول تھی۔

♥......♥......♥

اس رات وہ ایمان کے ساتھ ایک ہوٹل میں کھانا کھانے گئی۔ کھانا کھانے کے بعد واپس آتے ہوئے ہوٹل کی اینٹرنس پر اس نے جس شخص کو دیکھا تھا اس کے وجود نے اسے منجمد کر دیا تھا۔ وہ ہر چہرے کو فراموش کر سکتی تھی مگر اس چہرے کو نہیں۔ اسے لگا وہ ایک بار پھر کسی الوژن کے حصار میں تھی۔ اس بار کچھ بھی الوژن نہیں تھا۔ وہ ایک لڑکی کے ساتھ ہنستا ہوا سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس کی طرف آ رہا تھا۔ پھر جہاں زیب نے بھی اسے دیکھ لیا تھا۔ چند لمحوں کے لیے اس کے پاؤں بھی ساکت ہوئے پھر وہ تیزی کے ساتھ اس کے پاس سے گزر گیا۔ امید کا دل چاہا وہ بھاگ کر اس کے پیچھے چلی جائے اس لڑکی کو اس کے پہلو سے ہٹا کر خود اس کی جگہ لے لے۔

وہ نہیں جانتی، ایمان اس وقت اسے کن نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا وہ ساڑھے پانچ سال پہلے کے اس جنگل میں ایک بار پھر پہنچ گئی تھی۔ جہاں زیب کے علاوہ دنیا میں اب بھی کچھ نہیں تھا۔ اس کے ہاتھ اب بھی خالی تھے۔ زندگی اب بھی ایک کشکول تھی۔ وہ ہال میں کہیں گم ہو چکا تھا۔ اسے نظر نہیں آ رہا تھا۔ اسے یک دم اپنے کندھے پر ہلکا سا دباؤ محسوس ہوا۔ وہ جیسے یک دم اپنے حال میں لوٹ آئی تھی۔ گردن موڑ کر اس نے ایمان کو دیکھا۔ اس کے کندھے پر اس کا ہاتھ تھا۔

''جہاں زیب؟'' اس نے ایمان کے منہ سے صرف ایک لفظ سنا۔ ہوٹل کے بند دروازے کو دیکھتے ہوئے اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

ایمان یک دم کچھ کہے بغیر تیزی سے سیڑھیاں اتر گیا۔ اس نے بے چینی سے اسے جاتا دیکھا اور اسے احساس ہو گیا کہ ایمان کو کیا ہوا ہے۔ ہوٹل کے دروازے سے نظر آنے والے لوگوں کی چہل پہل پر آخری نظر ڈالتے ہوئے وہ اس کے پیچھے سیڑھیاں اتر گئی۔

ایمان گاڑی میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ امید کے بیٹھتے ہی اس نے گاڑی چلا دی۔ وہ بہت محتاط ڈرائیونگ کرتا تھا۔ پہلی بار وہ اسے اتنی ریش ڈرائیونگ کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ تین جگہ اس نے سگنل توڑا دو بار اس نے غلط ٹرن لیا۔ دو بار اس نے غلط طرح سے اوور ٹیک کی۔ اس کا چہرہ بے تاثر تھا مگر اس کی ہر حرکت سے اس کا اضطراب ظاہر ہو رہا تھا۔ امید کو احساس ہو رہا تھا اس طرح بے اختیار ہو کر اس نے کتنی بڑی غلطی کی تھی۔ میں گھر جا کر اس سے معذرت کروں گی۔ کوئی بہانا بنا دوں گی۔ اس نے خود کو تسلی دینے کی کوشش کی۔

گھر پہنچ کر اس سے بات کرنے کی کوشش بری طرح ناکام رہی تھی۔ وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر کوئی معذرت سنے بغیر اسٹڈی میں چلا گیا۔ وہ پریشانی کے عالم میں بیڈ روم میں بیٹھ گئی۔ بہت عرصے کے بعد اس نے خود کو اس طرح بے بس محسوس کیا تھا۔ وہ ایمان سے محبت نہیں کرتی تھی مگر اس کے باوجود وہ اس سے معذرت کرنا چاہتی تھی کیونکہ وہ اس کا شوہر تھا۔ اس کے بچے کا باپ تھا۔ وہ اس کے ساتھ اپنے کسی رشتے کو اس اسٹیج پر ختم نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ ختم کر ہی نہیں سکتی تھی۔

بہت دیر بعد وہ اٹھ کر اسٹڈی میں گئی۔ ایمان کمپیوٹر پر اپنے کام میں مصروف تھا۔ وہ اس کے قریب جا کر بیٹھ گئی۔ ایک بار پھر اس نے ایمان سے معذرت کرنے کی کوشش کی مگر وہ یک دم بھڑک اٹھا تھا۔

''جب تم یہ جانتی ہو کہ تم ایک غلط کام کر رہی ہو تو کیوں کر رہی ہو؟ ایک ایسے شخص کے لیے جس نے نو سال تمہیں اپنی منگیتر رکھنے کے بعد بھی تم سے شادی نہیں کی، اس کے لیے کیوں پریشان ہو تم؟ جو شخص تم سے محبت نہیں کرتا اس کے پیچھے کیوں بھاگتی ہو۔ جس شخص نے تمہیں دھوکا دیا......''

اس نے مشتعل ہو کر ایمان کی بات کاٹی۔

''اس نے مجھے کوئی دھوکا نہیں دیا۔ میں نے اسے دھوکا دیا۔ اس نے مجھے نہیں چھوڑا۔ میں نے اسے چھوڑا۔''

وہ اسے حیرانی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اتنے اشتعال میں تھی کہ رکے بغیر وہ اسے سب کچھ بتاتی گئی تھی۔

''جہاں زیب سے زیادہ کسی شخص کے احسان نہیں ہیں مجھ پر۔ لیکن اس کی جو قیمت وہ چاہتا تھا وہ میں نہیں دے سکتی تھی۔ میں نے اس سے بہت محبت کی تھی۔ نو سال بہت لمبا عرصہ ہوتا ہے مگر محبت کے باوجود میں اس کی بات نہیں مان سکتی تھی۔ میں خوفزدہ ہو گئی تھی۔ میرے باپ نے سولہ

سال میرے کانوں میں اتنی نصیحتیں ٹھونس دی تھیں کہ میں کچھ اور سننے کے قابل ہی نہیں رہی۔ تم جو آیات سناتے ہو مجھے، میرے لیے کوئی نئی بات نہیں ہے۔ جب تم آزمائش میں پڑو گے تب تمھیں احساس ہو گا کہ Morality کسی تیز دھار خنجر سے کم نہیں ہوتی۔

میں نے خود اپنے ہاتھوں اپنی ہر خوشی کو آگ لگائی ہے۔ اس واقعہ کے بعد چار سال میں نے کیسے گزارے ہیں مجھے یاد نہیں ہے۔ میں نے کیا کھایا، کیا پہنا، کہاں گئی مجھے کچھ یاد نہیں۔ مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ میرے ہر طرف جہاں زیب تھا۔ اس کے علاوہ مجھے کوئی دوسرا چہرہ نظر نہیں آتا تھا۔ اس کی آواز کے علاوہ مجھے کوئی دوسری آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ چار سال مجھے سمجھ نہیں آئی۔ میں نے کیا کیا؟ کیوں کیا؟ ٹھیک کیا یا غلط کیا۔ میں نے اپنا ہر خواب اس شخص کے حوالے سے دیکھا تھا اور پھر وہ میری زندگی سے نکل گیا۔ تم کہتے ہو میں اس کے لیے کیوں پریشان ہوں۔ کیوں ٹھٹھک جاتی ہوں اسے دیکھ کر۔ میرے اختیار میں نہیں ہے کچھ بھی۔ مجھے اس شخص سے کتنی محبت ہے تم اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ مگر پھر بھی میں نے اس کو چھوڑ دیا کیونکہ وہ مجھ سے ایک غلط کام کروانا چاہتا تھا۔ مگر مجھے اس سے نفرت نہیں ہوئی۔ مجھے اس سے کبھی بھی نفرت نہیں ہو سکتی۔"

وہ روتے ہوئے اسے سب کچھ بتاتی رہی وہ اب اس کے آنسو پونچھ رہا تھا اسے تسلی دے رہا تھا۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

باب 5

اگلے بہت سے دن ان کے درمیان ایک عجیب سی دیوار حائل رہی۔ ایمان یک دم بہت زیادہ سنجیدہ اور خاموش ہو گیا تھا۔ امید کے ساتھ اس کے رویے میں تبدیلی نہیں آئی تھی۔ وہ پہلے کی طرح اب بھی اس کا بہت خیال رکھتا تھا مگر امید کو محسوس ہوتا جیسے وہ کسی بے چینی کا شکار ہے۔ وہ اس سے اس بے چینی کی وجہ پوچھنے کی ہمت نہیں رکھتی تھی۔ وہ جانتی تھی اس کا تعلق خود اس کی ذات سے ہے۔ اسے پچھتاوا ہوتا کہ اس نے ایمان کو ہر بات سے آگاہ کیوں کیا...... یہ ضروری نہیں تھا...... بعض دفعہ وہ شرمندگی بھی محسوس کرنے لگتی۔

ان ہی دنوں اس کے بھائی کی شادی طے ہو گئی۔ وہ شادی میں شرکت کے لیے راولپنڈی چلی آئی۔ ایمان لاہور میں ہی تھا۔ وہ دو ہفتے وہاں رہی اور ان دو ہفتوں میں ایک بار پھر اسے اس بات کا احساس ہوا تھا کہ وہ اپنے گھر کی عادی ہو چکی ہے۔ کہیں اور رہنا اب اس کے لیے بہت مشکل ہے۔ اور وہ صرف گھر کی کمی ہی محسوس نہیں کر رہی تھی۔ ایمان کو...... بھی اتنا ہی مس کر رہی تھی۔ وہ شادی میں شرکت کے لیے راولپنڈی آیا امید کو تب بھی وہ بہت سنجیدہ لگا تھا۔ اس کی اس خاموشی اور سنجیدگی کو سب نے ہی محسوس کیا تھا۔ امید کا اضطراب اور بڑھ گیا۔

لاہور واپسی کے بعد دن اپنی مخصوص رفتار سے گزرنے لگے۔ ایمان ڈاکٹر خورشید کے پاس اب پہلے سے زیادہ وقت گزارنے لگا تھا۔ یہ اس کی روٹین میں آنے والی واحد تبدیلی تھی جن اکا دکا پارٹیز میں وہ امید کو لے کر جایا کرتا تھا اب وہاں بھی اسے لے کر نہیں جایا کرتا تھا۔ پہلے کی طرح اس سے محبت کا اظہار بھی نہیں کیا کرتا تھا۔ اس کا سوشل سرکل کچھ اور بھی محدود ہو گیا تھا۔ امید کو بعض دفعہ اس کی سرگرمیوں پر حیرت ہوتی۔ اس نے کبھی کسی شخص کو اس طرح کی محدود زندگی گزارتے نہیں دیکھا تھا۔ بعض دفعہ اسے یوں محسوس ہوتا جیسے اس کا نیوکلیس صرف گھر ہے۔ دوسری کسی چیز میں اسے کوئی دلچسپی ہے ہی نہیں۔ وہ گھر کے لیے اکثر کچھ نہ کچھ خرید کر لاتا۔ آنے والے بچے کے لیے کچھ نہ کچھ لاتا رہتا۔ اسے حیرانی نہیں ہوتی۔ وہ جانتی تھی بعض حوالوں سے وہ بہت جذباتی ہے اور اپنے بچے کا حوالہ بھی انہی حوالوں میں سے ایک تھا۔ وہ خود کو محفوظ محسوس کرنے لگی تھی۔ آنے والا بچہ اس کے بہت سے خدشات کو ختم کر دینے والا تھا۔

''مجھے کمپنی کے کسی کام سے جرمنی جانا ہے۔'' اس رات وہ امید کو بتا رہا تھا۔

''ایک دو ہفتہ لگے گا۔ اب میں سوچ رہا ہوں کہ تم یہاں اکیلی کیسے رہ پاؤ گی۔ کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ تم راولپنڈی چلی جاؤ۔''

''نہیں میں اکیلی رہ سکتی ہوں۔ ایسا کوئی پرابلم نہیں ہے۔''

''نہیں پھر بھی میں چاہتا ہوں کہ تم راولپنڈی چلی جاؤ۔ اب تمہارے لیے اکیلے رہنا مناسب نہیں ہے۔'' ایمان نے ایک بار پھر اصرار کیا مگر اس نے دوبارہ انکار کر دیا۔

''میں رہ سکتی ہوں۔ صرف ایک دو ہفتے کی بات ہے پھر تم واپس آ جاؤ گے۔''

ایمان کے بہت زیادہ اصرار کے باوجود وہ راولپنڈی جانے پر تیار نہیں ہوئی۔ ایمان کچھ ناراض ہو گیا تھا۔

دو تین دن وہ اپنے کچھ کاموں میں مصروف رہا پھر اس کی روانگی کا دن آ گیا۔

''تمہیں ایئر پورٹ جانے کی ضرورت نہیں۔ ڈرائیور مجھے چھوڑ دے گا۔'' اس نے اپنا بریف کیس چیک کرتے ہوئے امید سے کہا۔

''نہیں میں ایئر پورٹ تک جانا چاہتی ہوں۔'' امید نے اصرار کیا۔

''رات ہو رہی ہے۔ واپسی پر اور بھی دیر ہو جائے گی۔ تم مجھے یہیں خدا حافظ کہہ سکتی ہو۔'' وہ اب بھی دراز میں سے کچھ ڈھونڈ رہا تھا۔ امید خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ وہ اب صابر کو اپنا سامان اٹھانے کے لیے کہہ رہا تھا۔ صابر اس کے بیگز اٹھا کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

ایمان اپنا بریف کیس اٹھا کر کھڑا ہوا اور امید کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ اسے ہولے سے اپنے ساتھ لگانے کے بعد وہ اسی طرح اپنا بازو اس کے کندھے پر پھیلائے باتیں کرتے ہوئے اس کے ساتھ لاؤنج میں آ گیا۔

''اپنا خیال رکھنا۔ میں فون کرتا رہوں گا۔''

لاؤنج کے دروازے سے نکلتے ہوئے اس نے امید کو تاکید کی۔ اس نے مسکرا کر سر ہلا دیا۔ وہ گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ امید وہیں لاؤنج کے دروازے میں کھڑی اسے دیکھتی رہی۔ گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر اس نے بریف کیس اندر رکھا اور پھر پلٹ کر امید کو دیکھا۔ امید نے تیز قدموں کے ساتھ اسے ایک بار پھر واپس آتے دیکھا۔

''یار! میں تو بہت مس کروں گا تمہیں۔ میرا دل ہی نہیں چاہ رہا جانے کو۔''

اس کے قریب آ کر ایمان نے جیسے اعتراف کیا۔ وہ مسکرائی۔ وہ چند لمحے کچھ کہے بغیر خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا پھر ایک گہری سانس لے کر وہ پلٹ گیا۔ امید نے گاڑی کو گیٹ سے نکلتے دیکھا پھر وہ اندر آ گئی۔

چند گھنٹوں بعد ایمان نے موبائل پر اسے فون کیا تھا۔ کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد اس نے فون بند کر دیا۔ جرمنی پہنچنے کے بعد بھی اس نے امید کو فون کیا تھا۔ پھر یہ جیسے ایک معمول بن گیا۔ وہ دن میں دو تین بار اسے فون کرتا تھا۔ ایک ہفتہ اسی طرح گزر گیا۔ پھر ایک دن اس نے فون نہیں کیا۔ امید کو حیرانی ہوئی جب اس نے دن میں ایک بار بھی اسے کال نہیں کیا۔

''شاید وہ اپنی کسی مصروفیت کی وجہ سے بھول گیا ہو گا یا اسے وقت نہیں ملا ہو گا۔'' اس نے خود کو تسلی دی۔

دوسرے دن بھی ایمان نے اسے کال نہیں کیا۔ اس دن وہ کچھ بے چین رہی۔ اس بے چینی میں اس وقت اضافہ ہو گیا جب تیسرے دن بھی ایمان کی طرف سے مکمل خاموشی رہی تو وہ حقیقتاً پریشان ہو گئی۔ ''پتہ نہیں ایمان ٹھیک ہے یا نہیں ورنہ وہ اتنا لاپرواہ تو نہیں ہے کہ......''

اس نے اگلے چند دن اور انتظار کیا اور جب اسے کوئی رابطہ کیے ایک ہفتہ ہو گیا تو وہ بہت فکر مند ہو گئی۔ اس کے پاس ایمان کے موبائل کا نمبر تھا لیکن بہت دفعہ کوشش کرنے کے باوجود بھی موبائل پر رابطہ نہیں ہو سکا۔ اس کا موبائل مسلسل آف تھا۔ اس نے تنگ آ کر ایمان کے والدین کے گھر فون کیا۔ وہاں سے بھی کسی نے فون نہیں اٹھایا۔ دوسرے دن بھی ایسا ہی ہوتا رہا۔ اسے اچانک خیال آیا کہ ایمان کا اپنے آفس سے یقیناً رابطہ ہو گا اور

ان کے پاس ایمان کا کانٹیکٹ نمبر ضرور ہوگا۔اس نے اضطراب کے عالم میں ایمان کے آفس فون کیا۔

''یہاں کوئی ایمان علی کام نہیں کرتے۔''

ٹیلی فون آپریٹر نے اس کی انکوائری کے جواب میں کہا۔وہ دھک سے رہ گئی۔بے یقینی کے عالم میں اس نے آپریٹر کو ایمان کے عہدے کے بارے میں بتایا۔

''نہیں!اس عہدے پر ایمان علی کام نہیں کرتے بلکہ ہماری کمپنی میں ایمان علی نام کا کوئی شخص نہیں ہے۔''

اس کی سمجھ میں نہیں آیا وہ آپریٹر سے کیا کہے۔اسے اچھی طرح یاد تھا کہ ایمان اسی کمپنی میں اسی عہدے پر کام کرتا تھا۔وہ کبھی اس کے آفس نہیں گئی تھی اور نہ ہی اس نے...... کبھی اس کے آفس کال کیا وہ اگر کبھی اسے کال کرتی تو اس کے موبائل پر اور اب یہ عورت کہہ رہی تھا کہ وہ وہاں کام نہیں کرتا۔یک دم اس کے ذہن میں ایک جھما کا ہوا۔

''آپ آپ ڈینیل ایڈگر کو جانتے ہیں؟''

''ہاں جس پوسٹ کی آپ بات کر رہی ہیں اس پر ڈینیل ایڈگر ہی کام کرتے ہیں۔''

اس بار آپریٹر نے جواب دیا۔اس کے ذہن میں ایک بار پھر سناٹا چھا گیا۔اسے اچھی طرح یاد تھا کہ پچھلے کچھ عرصے سے ایمان اسے یہ بتاتا رہا تھا کہ وہ آفس میں سب کو اپنے مذہب کی تبدیلی سے آگاہ کر چکا ہے اور اپنے نئے نام کے بارے میں بھی بتا چکا ہے اور وہاں اب اس کا نیا نام ہی استعمال ہوتا ہے۔اس کی چھٹی حس اسے کسی خطرے سے آگاہ کرنے لگی۔

''ہاں ٹھیک ہے۔آپ مجھے ڈینیل ایڈگر کا کانٹیکٹ نمبر دے دیں جرمنی میں جہاں وہ کمپنی کے کام سے گئے ہیں۔''

''کمپنی کے کام سے؟ مگر وہ تو تقریباً تین ہفتے پہلے ریزائن کر چکے ہیں۔ان کی کچھ چھٹیاں باقی تھیں اور آفیشلی وہ اس وقت چھٹی پر ہیں لیکن وہ انفارم کر چکے ہیں کہ چھٹی پوری ہونے کے بعد وہ دوبارہ جوائن نہیں کریں گے۔وہ اور ان کی گرل فرینڈ دونوں نے اکٹھے جاب چھوڑی ہے۔''

اسے پہلی بار احساس ہوا پیروں کے نیچے سے زمین کس طرح نکلتی ہے۔ریسیور اب اس کے ہاتھ میں کانپ رہا تھا۔''گرل فرینڈ؟'' اس کے حلق سے پتہ نہیں کس طرح آواز نکلی۔

''ہاں!وہ سیکرٹری تھیں ان کی لیکن جرمنی...... میرا خیال ہے وہ جرمنی نہیں امریکہ گئے ہیں کیونکہ انھوں نے ویزہ کے لیے اپلائی کیا تھا۔میں ہی امریکن ایمبیسی میں ان کے لیے کال ملاتی رہی تھی۔''

وہ لڑکی اسے ساری معلومات فراہم کرتی جا رہی تھی۔امید نے بات سنتے سنتے فون بند کر دیا۔

''ایمان میرے ساتھ یہ کیسے کر سکتا ہے۔وہ اس طرح تو نہیں کر سکتا۔'' وہ بہت دیر تک شاک کی حالت میں بیٹھی رہی پھر بے اختیار اٹھ کر ایمان کی وارڈ روب کی طرف چلی گئی۔ایمان کی تمام چیزیں وہاں تھیں۔اس نے خود کو کچھ تسلی دینے کی کوشش کی۔دراز میں اس کی چیک بک بھی پڑی ہوئی تھی۔کچھ مقامی اور غیر ملکی کرنسی بھی تھی۔

اس نے باری باری تمام دراز کھولنے شروع کر دیے۔ سب سے نیچے والی دراز کھولتے ہی وہ ساکت رہ گئی۔ وہ دراز خالی تھی۔ ایمان اس میں اپنے تمام ڈاکومنٹس رکھتا تھا۔ وہ بھاگی ہوئی اسٹڈی میں چلی گئی اسٹڈی کی تمام درازوں میں سے بھی اس کے ضروری کاغذات غائب تھے۔ بیڈ روم میں واپس آ کر فق چہرے کے ساتھ اس نے بینک فون کیا۔ ایمان اپنا اکاؤنٹ بند کروا چکا تھا۔ اس نے امریکن ایمبیسی فون کیا وہاں سے اسے معلوم ہو گیا کہ ایمان کو کچھ مذہبی رسومات کی ادائیگی کے لیے ویزا جاری کیا گیا۔ وہ اس کی زندگی کا سب سے بھیانک اور ہولناک دن تھا۔

چند گھنٹوں میں وہ ایک بار پھر آسمان سے زمین پر آ گئی تھی۔ شاید زمین پر نہیں پاتال میں......

اس بار ذلت اور رسوائی اس کے تعاقب میں تھے۔ اس نے ان تمام لوگوں کو فون کر کے اس کے بارے میں کچھ جاننے کی کوشش کی جو ایمان کو جانتے تھے اور جن سے وہ مل چکی تھی۔ ایمان کسی کو بھی کچھ بتا کر نہیں گیا۔ کراچی میں ایمان کے ایک دور پار کے انکل بھی کسی کمپنی میں پوسٹڈ تھے۔ وہ بھی ایمان کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے۔ سعود کے علاوہ کسی دوسرے کو اس کے مذہب کی تبدیلی کا پتا نہیں تھا اور ایمان پچھلے کچھ عرصے سے بتا رہا تھا کہ وہ سب کو اس بارے میں بتا چکا ہے حتیٰ کہ اپنے انکل کو بھی...... مگر اس کے انکل نے اس کے سوالوں پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے اس کے مذہب کی تبدیلی کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا۔

”ڈینیل نے بتایا تھا کہ تم دونوں نے آپس میں کوئی ایڈجسٹ منٹ کی ہے کہ تم دونوں اپنے اپنے مذہب پر کار بند رہو گے۔“

اس نے فون بند کر دیا۔ ایمان مالکِ مکان کو بھی انفارم کر چکا تھا کہ اس ماہ کے بعد وہ مکان خالی کر دے گا۔ پورچ میں کھڑی ہوئی گاڑی کمپنی کی دی ہوئی تھی۔ گھر میں موجود سارا سامان بھی مالکِ مکان کی ملکیت تھا۔ پھر اس کے پاس کیا رہا تھا۔

”لیکن ایمان نے میرے ساتھ یہ سب کیوں کیا؟ وہ اپنے ماؤف ذہن سے صرف ایک ہی بات سوچ رہی تھی۔ وہ ساری رات جاگتی رہی۔ آگے اسے کیا کرنا چاہیے؟ وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ میں کس طرح راولپنڈی جا کر اپنے گھر والوں کو بتاؤں کہ میرے ساتھ کیا ہوا ہے۔ میں ذلت کے کس پاتال میں جا گری ہوں۔ مسلمان سمجھ کر ایک یہودی کے ساتھ زندگی گزارتی رہی ہوں اور جس بچے کی ماں بننے والی ہوں وہ...... اوہ خدایا! میں زندگی میں کتنی بار منہ کے بل گروں گی۔ آخر اور کتنی بار...... میں نے زندگی میں ہر بار گناہ سے بچنے کی کوشش کی ہے ہر بار...... اور اس کا صلہ مجھے ایمان علی کی صورت میں ملا...... مجھ سے غلطی کہاں ہوئی میں کون سی سیڑھی سے گری ہوں۔“

اسے یاد آیا وہ جرمنی جانے سے کچھ دن پہلے امریکہ میں ہونے والے یہودیوں کے کسی سالانہ اجتماع کا ذکر کر رہا تھا۔ جس میں پیٹرک جانا چاہتا تھا۔ اسے اب معلوم ہوا تھا کہ وہ خود وہاں گیا تھا۔ اس نے امید کو مجبور کیا تھا کہ وہ اپنے گھر چلی جائے۔ شاید وہ یہ اس لیے چاہتا تھا تاکہ وہ گھر خالی کر سکے۔ جانے سے پہلے اس کا عجیب سے انداز میں اس کے سامنے کھڑے ہو جانا کیا وہ اس وقت یہ کہنا چاہتا تھا کہ وہ اسے چھوڑ کر جا رہا ہے مگر اس طرح بھاگنے کی کیا ضرورت تھی۔ اسے امید سے کہنا چاہیے تھا کہ وہ اسے چھوڑنا چاہتا تھا۔ اسے بتانا چاہیے تھا کہ اس کے مذہب کی تبدیلی صرف ایک دھوکا تھی۔ کیا اس کے اس طرح بھاگ جانے کی وجہ یہ بچہ تھا۔ کیا وہ اس بچے کو اپنانا نہیں چاہتا تھا۔ کیا اسی لیے اس نے امید پر یہ ظاہر کیا تھا کہ اس کا سوشل سرکل بہت محدود ہے اور اسے پارٹیز میں جانا پسند نہیں۔ اس کی گرل فرینڈ...... وہ اس کی کسی موجودہ گرل فرینڈ سے واقف نہیں تھی۔ کیا

ان دونوں کے درمیان کوئی دوسری عورت آ گئی تھی۔ کیا ایمان اتنی جلدی کسی دوسری عورت کی محبت میں اس طرح گرفتار ہو سکتا تھا کہ اس کے لیے سب کچھ چھوڑ کر چلا جائے؟ وہ میرے لیے بھی تو سب کچھ چھوڑ آیا تھا حتیٰ کہ مذہب بھی۔ تو کسی دوسری عورت کے لیے کیوں نہیں؟

''اور اب...... اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔ کیا جرمن ایمبیسی سے رابطہ کرنا چاہیے۔ مگر وہ میرے لیے کیا کر سکتے ہیں۔ بالفرض وہ ایمان کو ڈھونڈ بھی لیتے ہیں تو کیا ہوگا۔ میں اس شخص کے ساتھ کیسے رہ سکتی ہوں جو میرے دین سے تعلق نہیں رکھتا اور اگر یہ سب ایمبیسی کی وجہ سے میڈیا کے سامنے آ گیا تو کیا ہوگا۔ میں اور میرے گھر والے کس طرح لوگوں کا سامنا کریں گے۔ میرا بچہ دنیا میں کس حیثیت سے آئے گا؟ لوگ میرے بارے میں کیا کیا کہیں گے؟ کیا مجھے ڈاکٹر خورشید سے رابطہ قائم کرنا چاہیے یا پھر سعود ارتضٰی سے جنھوں نے ایمان علی کے مسلمان ہونے کی شہادت اور اس کے ساتھ شادی کے بعد ایک محفوظ مستقبل کی ضمانت دی تھی۔ مگر وہ لوگ...... وہ لوگ کیا کر سکتے ہیں۔ وہ زیادہ سے زیادہ ایمان کو میرے سامنے لا سکتے ہیں مگر اب...... اب کیا میں اسے قبول کر سکتی ہوں۔ کیا ایک مرتد کے ساتھ رہ سکتی ہوں اور بالفرض وہ لوگ ایمان کو واپس لانے میں کامیاب نہ ہو سکے تو...... تو میں کیا کروں گی۔ کیا ان کے سامنے گڑگڑاؤں گی۔ اپنی بے بسی پر انھیں کوسوں گی۔ نہیں مجھے ان کے پاس بھی نہیں جانا چاہیے۔ مجھے کسی کے پاس بھی نہیں جانا چاہیے۔'' سوالوں کا ایک انبار اسے اپنے گھیرے میں لیے ہوئے تھا۔

صبح ہونے تک اس کے ذہنی انتشار میں اور اضافہ ہو چکا تھا۔ جرمنی دوبارہ فون کرنے پر اسے یہ اطلاع بھی مل چکی تھی کہ ایمان کے والدین وہ گھر بیچ چکے ہیں۔ وہ اندازہ نہیں کر سکی کہ کیا یہ بھی دانستہ طور پر کیا گیا تھا۔ کیا ایمان کے والدین بھی یہ جانتے تھے کہ ان کا بیٹا امید کو دھوکا دے رہا تھا۔

''اور جب میں ان پر یہ ظاہر کرتی تھی کہ ایمان نے مذہب تبدیل نہیں کیا اور ہم دونوں نے اس کے بغیر ہی شادی کی ہے تو کیا وہ مجھ پر ہنستے نہیں ہوں گے کہ میں انھیں دھوکے میں رکھنے کے لیے جو جھوٹ بول رہی تھی وہی دراصل سچ تھا۔ اگر اس گندگی میں گرنا تھا تو پھر جہاں زیب کا انتخاب کیوں نہیں کیا میں نے۔ انسان واقعی اپنے مقدر کو نہیں بدل سکتا۔ جہاں زیب کو چھوڑ کر میں نے سوچا تھا کہ میں نے پاتال کی طرف جانے والا راستہ اختیار نہیں کیا مگر پاتال ہی میرا مقدر تھا۔''

وہ خشک آنکھوں اور سرد وجود کے ساتھ سوچتی رہی۔

''میرے سامنے اب کوئی رستہ نہیں ہے۔ کم از کم عزت کی زندگی کا۔ ہاں عزت کی موت کا رستہ ہے اور مجھے اب اس رستہ پر چلنا چاہیے۔''

''یہی سب سے بہتر راستہ ہے۔''

اس سے پہلے کہ وہ کچھ کرتی، دروازے پر دستک سنائی دی۔ دروازے پر صابر تھا۔ وہ اسے اس کے بھائی کے آنے کی اطلاع دے رہا تھا۔ اس وقت جس چیز کو وہ دنیا میں سب سے آخر میں دیکھنا چاہتی تھی وہ اس کی فیملی تھی۔ صابر جا چکا تھا۔ اس نے خود کو نارمل کرنے کی کوشش کی مگر اس کی یہ کوشش ناکام رہی۔ معین نے اسے دیکھا تھا اور وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''امید آپا! کیا ہوا ہے؟''

امید نے چہرے پر مسکراہٹ لانے کی کوشش کی۔ ''کچھ نہیں۔'' وہ اس کے قریب صوفے پر بیٹھ گئی۔

''نہیں، کچھ نہ کچھ تو ضرور ہوا ہے۔ آپ بتائیں، کیا ہوا ہے؟''

''کچھ نہیں، میری طبیعت خراب ہے۔ اسی وجہ سے ٹھیک نہیں لگ رہی۔'' امید نے بہانا گھڑا۔

''ایمان بھائی اس وقت آفس میں ہوں گے نا؟'' وہ مطمئن ہوا تھا یا نہیں مگر اس کے قریب بیٹھ ضرور گیا۔ اس کا دل چاہا، وہ پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ بعض اوقات کسی کے ساتھ اپنی تکلیف شیئر نہ کرنا آگ میں جلنے سے کم تکلیف دہ نہیں ہوتا۔

''وہ......وہ کچھ دنوں کے لیے جرمنی گیا ہے۔''

''ارے تو پھر آپ یہاں اکیلے کیوں ہیں؟ آپ کو چاہیے تھا آپ راولپنڈی آجاتیں۔''

''نہیں، میں یہیں ٹھیک ہوں۔''

''یہ کیا بات ہوئی۔ پہلے آپ کہہ رہی تھیں، آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور پھر آپ یہاں اکیلی بھی ہیں۔ آپ کتنی لاپرواہیں امید آپا۔ میں نہ آتا تو آپ اسی طرح رہتیں۔ یہ تو اتفاقاً مجھے کمپنی کے کسی کام سے لاہور آنا پڑا تو میں یہاں آگیا۔ اب آپ اپنا سامان پیک کریں اور میرے ساتھ چلیں۔'' معین ناراض ہو رہا تھا۔

''نہیں۔ ایمان نے کہا تھا کہ میں یہیں رہوں اور اس طرح گھر چھوڑ کر جانا ٹھیک نہیں ہے۔''

''گھر کو کچھ نہیں ہوگا۔ ملازم کہاں ہے اور آپ ایمان بھائی کو فون پر بتا دیں کہ میں آپ کو راولپنڈی لے گیا ہوں۔ وہ ناراض نہیں ہوں گے۔ آپ بس میرے ساتھ چلیں۔''

''تم سمجھتے نہیں ہو۔ مجھے یہاں بہت سے کام ہیں۔''

''وہ کام آپ ایمان بھائی کے آنے پر کرلیں۔ ابھی تو آپ میرے ساتھ چلیں۔''

''اچھا فی الحال تم چلے جاؤ۔ میں دو تین دن بعد خود آجاؤں گی۔''

''یہ تو ناممکن ہے میں اس طرح اب آپ کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ ساتھ لے کر ہی جاؤں گا۔''

اس کا اصرار بڑھتا جا رہا تھا۔ امید اس کی ضد کے سامنے بے بس ہوگئی۔

''ٹھیک ہے، میں اس کے ساتھ چلی جاتی ہوں۔ چند دن بعد میں کسی بھی بہانے سے واپس آجاؤں گی۔'' اس نے سوچا تھا۔

♥......♥......♥

باب 6

اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ پتا نہیں وہ سب کچھ سوچتے سوچتے رات کس وقت سوئی تھی۔ آنکھ کھلتے ہی وہ ایک بار پھر وہیں پہنچ گئی۔ ہر چیز اتنی ہی خراب اتنی ہی بدصورت تھی جتنی رات کو تھی۔ کاش سب کچھ خواب ہوتا۔ سب کچھ۔ جہاں زیب...... ایمان علی...... یہ زندگی...... سب...... اگر ایسا ہوتا تو ابھی آنکھیں کھولنے کے بعد میں کس قدر خوش اور مطمئن ہوتی۔

اس کی آنکھوں میں چبھن ہو رہی تھی۔ آنکھیں بند کر کے اس نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے اپنے پپوٹے چھوئے۔ سوجی ہوئی آنکھوں نے اسے ایک بار پھر یاد دلایا کہ وہ رات کو روتی رہی تھی۔ پھر اسے یہ بھی یاد آیا کہ اسے آج کیا کرنا ہے۔

سامنے دیوار پر لگا ہوا کلاک نو بجا رہا تھا۔ کمرے میں پھیلی ہوئی روشنی اسے بری لگ رہی تھی۔ بالکل زندگی کی طرح۔ چند منٹ وہ خالی الذہنی کی کیفیت کے ساتھ کمرے کو دیکھتی رہی۔ دیواریں، کھڑکیاں، چھت، فرش، سب کچھ یہیں ہوگا، بس کچھ دیر بعد میں یہاں نہیں ہوں گی نہ ہی دوبارہ کبھی آؤں گی۔ اس نے سوچا تھا۔

باہر سے باتوں کی آوازیں آ رہی تھیں، مدھم آوازیں، چھوٹے چھوٹے قہقہے، خاموشی اور ایک بار پھر آوازیں...... "اور یہ سب کچھ میں زندگی میں آخری بار سن رہی ہوں۔"

اس نے آوازوں کو پہچاننے کی کوشش کی...... سفینہ کے قہقہے پہچاننے میں دیر نہیں لگی اس کی ہنسی بہت خوبصورت تھی کھلکھلاتی ہوئی بے اختیار...... رواں...... شفاف...... معین کی بلند آواز...... وہی مخصوص زیر و بم...... ثاقب کا شستہ لہجہ...... امی کی مدھم آواز...... اس کی سماعتیں ہر آواز کو شناخت کر رہی تھیں پھر اچانک اس کی ایک ہارٹ بیٹ مس ہوئی، کوئی کرنٹ اس کی ساری حسیات بیدار کر گیا۔ اس کی سماعتوں نے ان آوازوں میں ایک اور آواز کو بھی شناخت کیا تھا۔ چند لمحوں کے لیے وہ ہل نہیں سکی۔

"کیا یہ الوژن ہے یا پھر......" اس نے ایک بار پھر اس آواز کو تلاش کرنے کی کوشش کی۔

"I Don't Know" (مجھے نہیں پتا) آواز ایک بار پھر آئی اس نے کسی بات کے جواب میں کہا تھا۔

ننگے پاؤں وہ بیڈ سے اٹھ کر بھاگتی ہوئی دروازے تک آئی اور ایک جھٹکے سے اس نے دروازہ کھول دیا۔ کوئی شبہ باقی نہیں رہا۔ وہ سامنے موجود تھا۔ سب کے ساتھ چائے کا کپ ہاتھ میں لیے ثاقب کی کسی بات پر مسکراتے ہوئے۔

دروازہ کھلنے کی آواز پر سب دروازے کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ وہ بھی ادھر ہی دیکھ رہا تھا۔

"لو امید کو جگانے کا سوچ رہے تھے مگر وہ خود ہی آ گئی۔"

امی نے اسے دیکھتے ہی کہا۔ وہ کھلے دروازے کے درمیان کھڑی کسی بت کی طرح ایمان علی کو دیکھ رہی تھی۔

اس نے زندگی میں کبھی اپنے علاوہ کسی سے نفرت نہیں کی تھی۔ جہاں زیب سے بھی نہیں۔ اس کا خیال تھا، نفرت صرف اپنے آپ سے ہی ہو سکتی ہے مگر اس وقت پہلی بار اسے پتا چلا کہ نفرت دوسروں سے بھی ہوتی ہے اور اس نفرت کی کوئی حد ہوتی ہے نہ حساب۔ اس وقت سامنے کرسی پر بیٹھے ہوئے ایمان علی سے اس نے صرف نفرت نہیں کی تھی۔ اسے گھن بھی آئی تھی۔ وہ اس پر تھوکنا بھی چاہتی تھی اور گالیاں دینا بھی۔ اس کا دل یہ بھی چاہا تھا کہ اس وقت اس کے پاس سلگتے انگارے ہوں جنھیں وہ ایمان علی پر پھینک دے یا پھر ایک ایسا بھڑکتا ہوا الاؤ ہو جس میں وہ اسے دھکیل دے...... یا...... یا پھر اس کے ناخن اتنے لمبے ہو جائیں جن سے وہ ایمان علی کا پورا چہرہ، پورا جسم کھرچ دے۔ اتنا گہرا اور اتنی بری طرح کہ وہ دوبارہ کبھی اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکے۔

''السلام علیکم!'' وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ وہ پلکیں جھپکے بغیر اس پر نظریں جمائے چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔

''امید! سلام کا جواب تو دو۔'' اس کی امی نے جیسے اسے یاد دلانے کی کوشش کی۔

''ایک مکار، دھوکے باز، ذلیل اور کمینے یہودی پر میں...... میں اللہ کی رحمت تو نہیں بھیجوں گی۔'' اس نے زہریلے انداز میں سوچا۔

اس کے چہرے پر کوئی ایسا تاثر ضرور تھا جس نے ایمان کو یک دم سنجیدہ کر دیا۔

''ایمان بھائی ابھی آدھ گھنٹہ پہلے آئے ہیں آپ کو لینے۔ میں انھیں بتا رہا تھا کہ آج امید بھی واپس لاہور جا رہی تھی۔ لگتا ہے، تم دونوں فون وغیرہ کے بغیر ہی کوئی وائرلیس ٹائپ کا رابطہ رکھے ہوئے ہو۔''

معین یقیناً مذاق کر رہا تھا۔ وہ کچھ کہے بغیر ایک جھٹکے سے پلٹ کر واپس کمرے میں آ گئی۔

''یہ ان کو کیا ہوا؟'' ثاقب نے کچھ حیران ہو کر اسے اس طرح خاموشی سے واپس جاتے دیکھ کر کہا۔

ایمان حیران نہیں ہوا۔

''وہ ناراض ہے۔ میں نے آپ کو بتایا ناں میں کچھ عرصہ مصروفیات کی وجہ سے اس سے رابطہ نہیں کر سکا۔ فون نہ کرنے پر ہی وہ ناراض ہو کر یہاں آ گئی ہے۔ میں منا لیتا ہوں۔'' چائے کا کپ رکھتے ہوئے ایمان نے کہا اور مسکراتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

امید نے اندر کمرے میں اس کی آواز سنی۔

''تم کیسی ہو؟'' ایمان نے اسے مخاطب کیا۔ وہ چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔

''یہ شخص میری زندگی میں کیوں آیا؟ میرے ساتھ یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ میں نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی خواہش...... اپنی محبت صرف تمہارے لیے چھوڑ دی اور تم نے تم نے میرے ساتھ کیا کیا۔ میری قربانی کے بدلے میں تم نے میرے مقدر میں یہ...... یہ شخص لکھ دیا۔ ایک یہودی جس کے ساتھ میں ایک سال سے رہ رہی ہوں...... یہ سوچتے ہوئے کہ اس نے میرے لیے اپنا مذہب چھوڑ دیا ہے۔ کیا اس سے بہتر جہاں زیب نہیں تھا۔ وہ کم از کم مسلمان تو تھا۔ اس کے ساتھ جانے پر مجھے کوڑے لگتے، سنگسار کیا جاتا مگر میرا ایمان تو رہتا...... میرے سامنے یہ شخص تو ایمان بن کر نہ آتا۔''

اس نے بے اختیار اللہ سے شکوہ کیا تھا۔

''میں جانتا ہوں امید! تم ناراض ہو لیکن کچھ حالات ہی ایسے تھے کہ میں تم سے رابطہ نہیں کر سکا۔ آج ہی پاکستان آیا ہوں اور آتے ہی تمھیں لینے آ گیا ہوں۔''

اب اس نے قریب آ کر معذرت کی۔

اس کا دل چاہا، وہ اسے دھکے دے کر اس کمرے اور اس گھر سے نکال دے اسے چلا چلا کر بتائے کہ وہ اس کے بارے میں سب کچھ جان چکی ہے مگر وہ یہ بھی جانتی تھی کہ وہ یہ سب کچھ کہہ سکتی ہے نہ کر سکتی ہے۔ اس کمرے سے باہر کچھ ایسے لوگ کھڑے تھے جن کے لیے اس نے ساری زندگی جدوجہد کی تھی۔ جن کے خوابوں کو تعبیر دیتے دیتے وہ اس مقام پر آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اب ان لوگوں کے سامنے وہ بھکاری بن کر کھڑی نہیں ہو سکتی تھی۔ دس سال میں دی جانے والی خوشیوں کو وہ ایک لمحے میں چھیننا نہیں چاہتی تھی۔ وہ چاہتی بھی تو ایسا نہیں کر سکتی تھی۔

زندگی میں بہت بار اس نے صبر اور خاموشی سے کام لیا تھا۔ اس بار اسے صبر نہیں صرف خاموشی اختیار کرنی تھی چند لمحوں کے لیے چند گھنٹوں کے لیے پھر ہمیشہ کے لیے۔ یہ یہاں نہ آتا تو بھی مجھے مرنا تھا۔ یہ یہاں آ گیا ہے تو بھی مجھے مرنا ہے مگر اب اکیلے نہیں۔ ہر شخص کو اپنے ایمان کی حفاظت خود ہی کرنی پڑتی ہے۔ مجھے بھی خود ہی کرنی ہے۔ بدلہ لینا ہے مجھے بہت سی چیزوں کا اور اس شخص کی موت یہ کام کرے گی۔ ڈینیل ایڈگر سے یہ شخص ایمان کبھی نہیں بن سکا مگر اس زندگی میں اس کی موت اسے میرا ایمان بنا دے گی۔ اس نے اس کے مسکراتے چہرے اور چمکتی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگائی۔

''آئی ایم سوری۔'' وہ اب معذرت کر رہا تھا۔ ''میں دوبارہ کبھی ایسا نہیں کروں گا کہ تم سے اس طرح رابطہ ختم کر دوں۔''

''آج تمھارے ساتھ میرا ہر رابطہ ختم ہو جائے گا اور اس بار یہ کام تم نہیں میں کروں گی۔'' اس نے اس کی معذرت پر سوچا تھا۔

''کیا تم ابھی بھی ناراض ہو؟'' اس نے اب امید کے کندھوں پر ہاتھ رکھنے چاہے اور وہ جیسے ایک جھٹکا کھا کر پیچھے ہٹی۔ ایمان نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''کیا ہوا؟'' اس نے پوچھا۔

''کچھ بھی نہیں۔ تم کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے تو بس ٹھیک ہے۔'' وہ اس سے دور ہٹ کر بولی تھی۔

''تم اب ناراض نہیں ہو؟''

''نہیں۔''

ایمان کچھ مطمئن ہو گیا۔ ''لاہور واپس جا کر میں تمھیں بتاؤں گا کہ میرے ساتھ امریکہ میں کیا ہوا۔ تم نے اپنا بیگ تو تیار کر لیا ہو گا۔ امی بتا رہی تھیں کہ تم بھی آج واپس جا رہی تھیں، مجھے بھی آج ہی واپس جانا ہے، کچھ ضروری کام ہے لاہور میں...... پلین میں آج مجھے سیٹیں نہیں مل سکیں اس لیے میں نے ڈیوو کی بکنگ کرائی ہے۔ ہمیں ابھی نکلنا ہو گا۔'' وہ اسے اپنا ''پروگرام'' بتا رہا تھا۔ وہ اپنا ''پروگرام'' طے کر رہی تھی۔

وہ ایک بار پھر اس کے قریب آ گیا تھا۔ اسے ایک بار پھر اس کے وجود سے اتنی ہی گھن آئی تھی۔ اس بار اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھنے کے بجائے اس نے بڑی نرمی سے اس کے دائیں گال کو اپنے ہاتھ سے چھوتے ہوئے کہا۔

''میں تمہیں ایک ماہ اور چار دن کے بعد دیکھ رہا ہوں۔ کیا محسوس کر رہا ہوں بتا نہیں سکتا۔ سب کچھ بتانا بہت مشکل ہوتا ہے مگر پھر بھی تمہیں دیکھ کر مجھے بہت سکون مل رہا ہے۔ اتنا سکون کہ......''

اس نے ایک جھٹکے سے اپنے گال سے اس کا ہاتھ ہٹا دیا اور پھر اس کے پاس سے ہٹ گئی۔

''مجھے تیار ہونا ہے۔ دیر ہو رہی ہے۔'' ایمان کا ردعمل دیکھے بغیر وہ کمرے سے نکل گئی۔

''میں بھی تمہیں ایک ماہ اور چار دن کے بعد دیکھ رہی ہوں۔ کیا محسوس کر رہی ہوں، میرے لیے بھی بتانا مشکل ہے۔ مگر پھر بھی تمہیں دیکھ کر مجھے اتنی اذیت اور بے عزتی کا احساس ہو رہا ہے کہ......'' اس نے کمرے سے نکلتے ہوئے سوچا۔

''ایمان کہہ رہا ہے کہ اسے ابھی واپس جانا ہے مگر میں اس سے کہہ رہی تھی کہ اتنی جلدی کی کیا ضرورت ہے کل چلا جائے۔'' امی نے اس کو باہر آتے دیکھا تو اس سے کہا۔

''نہیں، ہمیں آج ہی جانا ہے، اسے کوئی ضروری کام ہے لاہور میں اس لیے آج ہی جانا پڑے گا۔'' اس نے کہا۔

''مگر پلین کی سیٹس بھی نہیں مل سکیں۔ سڑک کے ذریعے جانے میں بہت وقت لگے گا اور تھک بھی جاؤ گے۔'' امی فکرمند تھیں۔

''کچھ نہیں ہوگا۔'' وہ کچھ سرد مہری سے کہتے ہوئے دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

نہانے کے بعد جب وہ تیار ہو کر آئی تو ایمان امی سے باتیں کر رہا تھا۔ وہ اسے ایک سرسری نظر سے دیکھ کر واپس اپنے کمرے میں چلی گئی۔ سورۃ فتح کی تلاوت کرنے کے بعد اس نے دعا کی تھی۔

''میرے پاس اب صرف ایک موقع ہے آخری موقع کہ میں نادانستہ طور پر ہونے والے اپنے اس گناہ کا کفارہ ادا کرسکوں اور میں یہ کفارہ اپنے اور اس شخص کے خون سے ادا کروں جو اس گناہ کا موجب ہے۔ مجھے استقامت اور ثابت قدمی عطا کرنا۔ اتنی استقامت کہ اس شخص کی جان لیتے ہوئے میرے ہاتھ میں کوئی لرزش ہو نہ دل میں کوئی پچھتاوا۔ میری آنکھوں میں کوئی آنسو آئے نہ میرے ذہن میں کوئی خوف۔ آج کے دن کے لیے مجھے بے رحمی کی صفت سے نواز دو۔ وہ بے رحمی جو میرے پیروں میں لرزش نہ آنے دے، جو میرے دل کو پتھر اور آنکھوں کو خشک کر دے۔ زندگی میں ایک بار پھر مجھے ایمان اور محبت میں سے ایک چیز کا انتخاب کرنا پڑا۔ ایک بار پھر میں نے محبت کو ترک کرتے ہوئے ایمان کا انتخاب کیا ہے تُو میری نیت سے واقف ہے اور میرا ہر عمل تیرے ہی لیے ہے۔'' اس نے اپنے اندر ایک عجیب طاقت محسوس کی۔

وہ کمرے سے اٹھ کر باہر آ گئی۔ سفینہ ناشتا لگا رہی تھی۔ ایمان نے اسے بہت غور سے دیکھا۔ اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔

''میں تیار ہوں۔ چلیں؟'' وہ ایک دم ایمان سے بولی۔

''لو اس طرح کیسے جا سکتی ہو، پہلے ناشتا تو کرو۔'' اس کی امی نے کچھ برا مانتے ہوئے کہا۔

''مجھے بھوک نہیں ہے۔''

''بھوک ہے یا نہیں لیکن ناشتا کیے بغیر تم نہیں جا سکتیں۔ بہت عجیب عادت ہے اس کی۔ ہمیشہ سے کھانے کی پروا نہیں کرتی۔'' امی نے ایمان سے کہا جو ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ان کی بات سن رہا تھا۔ ''کیا لاہور میں بھی اسی طرح کرتی ہے؟''

''نہیں، وہاں تو کھانا وقت پر کھا لیتی تھی۔ مجھے لگتا ہے، یہیں آ کر لاپروا ہو گئی ہے۔'' اس نے امید کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

ناشتا کرنے کے بعد معین ٹیکسی لے آیا اور ایمان اور امید کا سامان ٹیکسی میں رکھوانے لگا۔ سب لوگ انھیں دروازے تک چھوڑنے آئے۔ دروازے سے نکلنے سے پہلے وہ ایک بار پلٹی اور اپنی امی کا چہرہ دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں نمی آ گئی تھی۔ ان لوگوں اور اس گھر کو وہ آخری بار دیکھ رہی تھی۔ ایمان نے کچھ حیرانی سے اس کی آنکھوں میں نمودار ہونے والی نمی کو دیکھا، اس کی آنکھوں میں الجھن تھی۔ ایک گہری سانس لے کر وہ دہلیز پار کر گئی۔ ایمان اس کے پیچھے تھا۔

ڈائیوو میں اپنی سیٹ پر بیٹھنے کے بعد اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ وہ چاہتی تھی ایمان اسے مخاطب کرے نہ ہی اس سے کوئی بات کرے۔ ساتھ والی سیٹ پر موجود اس کا وجود اس کے لیے ایک کانٹے کی طرح تھا۔

''تم راولپنڈی کیوں آ گئیں؟'' وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ اس سے کہے، وہ اس کا فریب جاننے کے بعد وہاں سے آئی تھی۔

''میں اکیلی تھی وہاں، اس لیے یہاں آ گئی۔'' کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے اس نے جواب دیا۔ ایمان کچھ دیر اسے خاموشی سے دیکھتا رہا۔

''میرے رابطہ نہ کرنے کی وجہ......''

امید نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔ میں سفر خاموشی سے کرنا چاہتی ہوں، اس لیے پلیز......''

ایمان نے گردن موڑ کر امید کو دیکھا۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ اس کے لہجے میں اتنی بے گانگی، اتنی بیزاری کیوں تھی۔

''تمہارا غصہ ابھی بھی ختم نہیں ہوا؟'' اس نے ایک بار پھر اسے مخاطب کیا۔ وہ خاموش رہی۔

''مجھے تمہاری ناراضگی دور کرنے کے لیے کیا کرنا پڑے گا؟'' وہ سنجیدہ تھا۔

''تمھیں اپنی جان دینی پڑے گی۔'' امید نے سوچا۔

''میں نے پہلے بھی کہا ہے کہ میں ناراض نہیں ہوں۔ میرے پاس ناراضی کی کوئی وجہ ہی نہیں۔ بس میں یہ سفر خاموشی سے کرنا چاہتی ہوں۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

ایمان یک دم فکرمند ہو گیا۔ ''کیا ہوا تمھیں؟ تم ٹھیک تو ہو نا؟'' اس نے امید کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔ اسے وہ لمس انگارہ لگا۔ تیزی سے اس نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ کے نیچے سے نکال لیا۔

''میں ٹھیک ہوں، صرف میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔'' اس نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔

''کیا تمھیں کوئی ٹیبلٹ چاہیے؟''

''نہیں مجھے بس خاموشی چاہیے۔'' اس بار اسے ایمان کی آواز سنائی نہیں دی۔

موٹروے پر ہونے والے باقی کے سفر میں ایمان نے دوبارہ اسے صرف تب مخاطب کیا جب ڈائیوو سروس ایریا پر رکی تھی۔

''نہیں مجھے کچھ نہیں چاہیے۔'' اس نے ایمان سے کہا۔ وہ اس کے انکار کے باوجود اس کے لیے کولڈ ڈرنک اور سینڈوچ لے آیا۔

''مجھے نہیں کھانا ہے۔ میں بتا چکی ہوں۔'' وہ کوشش کے باوجود اپنے لہجے کی تلخی نہیں چھپا سکی۔

باقی سفر بالکل خاموشی سے طے ہوا۔ نہ اس نے ایمان سے کوئی بات کی نہ ہی ایمان نے اس سے کچھ کہنے، کچھ پوچھنے کی کوشش کی۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ ایمان کو اس کا رویہ برا لگا تھا۔ مگر اس نے اس کی ناراضگی کی رتی بھر پروا نہیں کی۔

گھر پہنچنے کے بعد وہ اندر چلی گئی جبکہ ایمان ملازم سے سامان اتروانے لگا۔

ملازم بیگز اندر لے آیا۔ اس کے پاس صرف ایک بیگ تھا جبکہ باقی سامان ایمان کا تھا۔ وہ جانتی تھی، ابھی تھوڑی دیر میں ایمان اپنے کام نپٹانے کے لیے چلا جائے گا اور اسے جو بھی کرنا تھا اس کی عدم موجودگی میں ہی کرنا تھا۔

''مجھے تم صرف یہ بتاؤ کہ تم میرے ساتھ اس طرح کیوں کر رہی ہو؟'' ایمان بیڈروم میں آتے ہی سیدھا اس کے پاس آیا۔ وہ صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔

''کیا کر رہی ہوں میں؟'' اس نے سرد آواز میں پوچھا۔

وہ اس کے قریب صوفے پر بیٹھ گیا۔ وہ صوفے سے اٹھنے لگی جب اس نے امید کو بازو سے پکڑ کر ایک جھٹکے کے ساتھ واپس صوفے پر بٹھا دیا۔

''یہاں بیٹھو اور مجھ سے بات کرو۔''

وہ بھڑک گئی۔ ''مجھے دوبارہ ہاتھ مت لگانا۔''

وہ اس کی بات پر بھونچکا رہ گیا۔ ''کیا مطلب ہے اس بات کا؟''

''وہی جو تم سمجھے ہو۔''

''کیوں ہاتھ نہ لگاؤں۔ تم میری بیوی ہو۔''

اس کی بات امید کو گالی کی طرح لگی۔ اس کا دل چاہا، وہ اس کے منہ پر تھوک دے۔ اسے بتائے کہ وہ اس کے دھوکے کے بارے میں جان چکی ہے۔ اسے بتائے کہ اب وہ اسے مار دینا چاہتی ہے۔

''میں تم سے کوئی بحث کرنا نہیں چاہتی۔'' اس نے یک دم خود پر ضبط کیا تھا۔

''مگر میں تم سے بحث کرنا چاہتا ہوں۔ تمھیں پتا ہے مجھے تمھارے رویے سے بہت تکلیف پہنچ رہی ہے۔''

''اگر ایسا ہے تو میں کیا کروں؟'' وہ اس کو دیکھ کر رہ گیا۔

''تم یہ سب مت کرو۔ ٹھیک ہے، میں تم سے رابطہ نہیں کر سکا مگر اس کی وجہ......''

امید نے تیز آواز میں اس کی بات کاٹ دی۔ ''مجھے کوئی ایکسکیوز مت دو۔ مجھے دلچسپی نہیں ہے ان وجوہات کو جاننے میں۔''

''امید! اس ایک ماہ میں آخر ایسا کیا ہوا ہے جس نے تمہیں مجھ سے اتنا متنفر کر دیا ہے؟'' وہ پریشان تھا یا پریشان نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے دونوں باتوں میں دلچسپی نہیں تھی۔ جواب دینے کے بجائے اس نے ایمان کے چہرے سے نظریں ہٹا لیں۔

''پچھلے سات گھنٹے سے میں تمہاری وجہ سے کتنا پریشان ہوں، کیا تم اندازہ کر سکتی ہو؟ تمہیں مجھ سے محبت نہیں۔ میری پروا نہیں مگر مجھے ہے۔ تمہارا ہر رویہ مجھ پر اثر انداز ہو رہا ہے۔'' اس نے چونک کر اسے دیکھا۔ ایک سال کے دوران اس نے پہلی بار ایمان کے منہ سے یہ بات سنی تھی۔ وہ اسے کیا جتانا چاہ رہا ہے...... اور وہ اسے کس حد تک جانتا تھا۔ اس نے کھوجتی ہوئی آنکھوں سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''تو کیا یہ واقعی جانتا ہے کہ مجھے اس سے محبت نہیں یا پھر اس نے بغیر سوچے سمجھے ایک بات......''

وہ کہہ رہا تھا۔ ''مجھے کوئی چیز اتنی تکلیف نہیں پہنچاتی جتنی تمہاری بے رخی، بے اعتنائی۔ میں نے تم سے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ مجھ سے محبت کرو۔ مگر یہ چاہتا ہوں کہ میری محبت کی قدر کرو۔ مجھے یہ احساس مت دلاؤ کہ میں تم سے محبت کر کے کوئی غلطی کر رہا ہوں۔ میرے پاس بہت زیادہ رشتے نہیں ہیں مگر جو ہیں انہیں میں ہمیشہ قائم رکھنا چاہتا ہوں۔ میری زندگی میں تمہاری بہت اہم جگہ ہے اور تم وہاں سے ہٹنا چاہو گی تو مجھے بہت تکلیف ہوگی خاص طور پر اب جب میں تمہارے ساتھ اتنا وقت گزار چکا ہوں۔ مجھ سے کوئی شکایت ہے تو کہو...... مگر مجھے وضاحت کا موقع دو۔''

''میں نے تمہاری باتیں سن لی ہیں، اب میں سونا چاہتی ہوں۔'' بہت سرد اور ٹھہری ہوئی آواز میں اس نے ایمان کی ساری باتوں کے جواب میں کہا۔

اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور پھر ایک جھٹکے سے وہ اس کے پاس سے کچھ کہے بغیر اٹھ گیا۔ امید کو ایک لمحے کے لیے بے تحاشا خوشی ہوئی تھی۔ ایک سال سے وہ ایمان کے ساتھ رہ رہی تھی اور اس پورے عرصے میں اس نے کبھی بھی ایمان کو اس طرح غصے میں نہیں دیکھا تھا۔ وہ بہت صلح جو اور ٹھنڈے مزاج کا آدمی تھا۔ مگر آج وہ جس طرح بھڑکا تھا وہ اس کے لیے واقعی حیران کن تھا۔

صوفے سے اٹھ کر وہ بیڈ پر آ گئی۔ ایمان اب ڈریسنگ میں تھا۔ دس پندرہ منٹ بعد وہ اندر سے نکلا تو کپڑے تبدیل کر چکا تھا۔ اپنا بریف کیس نکال کر وہ اس کے اندر سے کچھ نکالنے لگا اور پھر اس نے بریف کیس بند کر دیا۔ وہ بیڈ پر چادر لیے لیٹی رہی۔ اب ایمان دراز کھول کر گاڑی کی چابی نکال رہا تھا۔ چابی نکالنے کے بعد وہ بیڈ روم کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ بیڈ روم کا دروازہ کھولتے ہوئے وہ کسی خیال کے پیشِ نظر پلٹا۔ امید نے اسے پلٹتے دیکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ بند آنکھوں سے قدموں کی چاپ سے وہ اندازہ لگا سکتی تھی کہ وہ اسی کی طرف آ رہا ہے۔ پھر اس نے اسے اپنی بیڈ سائیڈ ٹیبل کے قریب کھڑا محسوس کیا۔

''میں دو گھنٹے کے لیے باہر جا رہا ہوں۔ کچھ کام ہے مجھے...... خانساماں گھر پر نہیں ہے۔ رات کا کھانا مجھے باہر سے ہی لانا پڑے گا۔ تم بتا دو کیا لے کر آؤں اور اگر کسی اور چیز کی ضرورت ہے تو وہ بھی بتا دو۔'' اس کے قریب ایمان کی آواز ابھری تھی۔

''رات کے کھانے کی نوبت نہیں آئے گی۔ اس سے پہلے ہی......'' اس نے تلخی سے سوچا۔ وہ چند لمحے اس کے جواب کا انتظار کرتا رہا پھر شاید جان گیا تھا کہ وہ جواب دینا نہیں چاہتی۔

''تمھارے لیے کچھ گفٹس لایا ہوں۔ براؤن بیگ میں ہیں۔ تم دیکھ لینا'' اور پھر وہ لائٹ آف کر کے کمرے سے نکل گیا تھا۔

ایک گہری سانس لے کر وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ چند منٹ بعد اس نے باہر کار اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی۔ چند لمحوں کے بعد کار کی آواز معدوم ہو چکی تھی۔ وہ بیڈ سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ برق رفتاری سے اٹھ کر اس نے کمرے کی لائٹ آن کی اور پھر دروازہ کھول کر باہر لاؤنج میں نکل آئی۔ ملازم ٹی وی آن کیے وہاں بیٹھا تھا۔ وہ جانتی تھی ایمان اسے اپنے انتظار کا کہہ کر گیا ہے۔ رات کو جب بھی اسے دیر سے آنا ہوتا ملازم اس کا انتظار کرتا تھا اور پھر اس کے آنے پر کھانا لگا کر اپنے کوارٹر میں چلا جاتا۔

''صابر! تم چلے جاؤ...... میں جاگ رہی ہوں۔ ایمان کے آنے پر دروازہ کھول دوں گی۔'' اس نے ملازم کو ہدایت کی۔

''وہ ایمان صاحب اپنے کپڑے پریس کرنے کے لیے دے کر گئے ہیں میں وہ کرلوں پھر چلا جاؤں گا۔'' ملازم اٹھ کھڑا ہوگیا۔

''نہیں، وہ میں خود کرلوں گی، تم چلے جاؤ''

ملازم سر ہلاتا ہوا باہر نکل گیا۔ دس پندرہ منٹ بعد اس نے چوکیدار کو بلوایا اور اس سے کہا کہ آدھ گھنٹے کے بعد وہ گھر چلا جائے۔ ''میں اس لیے تمھیں بھجوا رہی ہوں کیونکہ کل صاحب کے کچھ بہت اہم دوست آرہے ہیں اور تمھیں ان کے لیے دن میں یہاں رہنا پڑے گا اس لیے میں چاہتی ہوں تم گھر جا کر اپنی نیند پوری کرلو۔ کل صبح آٹھ بجے واپس آجانا۔'' اس نے چوکیدار کو مطمئن کرتے ہوئے کہا۔

''مگر بیگم صاحب! ابھی تو ایمان صاحب نہیں آیا۔ وہ آجائیں پھر میں چلا جاؤں گا۔''

''نہیں، وہ بس مارکیٹ تک گئے ہیں۔ ابھی آجائیں گے۔ تم چلے جاؤ۔'' اس نے چوکیدار سے جھوٹ بولا۔

چوکیدار کے جانے کے بعد وہ بیرونی گیٹ بند کر کے اندر گھر میں آگئی۔ ایمان کے پاس ایک ریوالور تھا جسے وہ ہمیشہ لوڈ ڈ رکھتا تھا۔ شادی کے چند دن بعد اس نے امید کو بھی ریوالور دکھایا تھا اور اسے چلانے کا طریقہ سمجھایا تھا۔

''میں چونکہ غیر ملکی ہوں، اس لیے خاصی احتیاط کرنی پڑتی ہے۔ ایک دو بار رات کو کچھ لوگ بھی گھر کے اندر آگئے تھے۔ اس لیے ریوالور رکھا ہوا ہے۔ تمھیں اس لیے استعمال کرنا سکھا رہا ہوں تاکہ جب تم گھر میں اکیلی ہو تو اپنی حفاظت کرسکو۔'' اب وہ اسی ریوالور سے اسے شوٹ کر دینا چاہتی تھی۔

ایمان کی بیڈ سائیڈ ٹیبل کا دراز کھول کر اس نے ریوالور نکال کر چیک کیا۔ پھر اسے نکال کر لاؤنج میں موجود ایک بڑے ڈیکوریشن پیس کے اندر رکھ دیا۔ اسے اپنے نشانے کی درستی پر کوئی اعتماد نہیں تھا۔ اس نے ریوالور چلانا ضرور سیکھا تھا مگر اسے کبھی چلایا نہیں تھا۔ ''مجھے ایسی کوئی کوشش نہیں کرنی چاہیے کہ وہ بچ سکے کیونکہ میرے پاس دوسرا کوئی موقع نہیں ہے۔'' اس نے سوچا۔

''کیا میں رات کو اس کے سونے کا انتظار کروں اور پھر اس پر نیند کی حالت میں فائر کروں؟'' اسے خیال آیا۔ ''مگر اگر آج رات وہ نہ سویا

تو؟'' وہ جانتی تھی بعض دفعہ وہ ساری رات کام میں مصروف رہتا اور سوتا نہیں تھا۔ خاص طور پر ویک اینڈ پر۔ آج بھی ویک اینڈ تھا۔ کل اتوار تھا اور عین ممکن تھا، وہ آج رات بھی نہ سوتا۔ وہ کچھ پریشان ہوگئی۔ وہ کل کا انتظار نہیں کر سکتی تھی، اسے جو بھی کرنا تھا آج ہی کرنا تھا مگر کب اور کیسے؟

پھر اچانک ایک جھماکے کے ساتھ اسے یاد آیا کہ وہ ہر رات سونے سے پہلے اسٹڈی میں جا کر کچھ دیر اپنا کام کرتا ہے اور جس رات وہ سونے کے لیے بیڈروم میں نہیں آتا تو وہ ساری رات اسٹڈی میں کام کرتے ہوئے ہی گزارتا تھا۔ ''اگر آج وہ سونے کے لیے بیڈروم میں آیا تو میں اسے نیند میں شوٹ کردوں گی اور اگر وہ سوتا نہیں تو پھر میں اسٹڈی میں کام کرتے ہوئے اسے شوٹ کردوں گی۔'' اس نے طے کرلیا۔

پھر اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال آیا۔ ''مجھے ریوالور اسٹڈی روم میں چھپا دینا چاہیے۔ اگر وہ یہاں کام کرنے کے لیے آئے گا تو کچھ دیر بعد میں اس کے پیچھے آؤں گی۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر وہ پلٹ کر دیکھے گا تو میں بہانا کردوں گی کہ میں کوئی کتاب لینے کے لیے آئی ہوں وہ ایک بار پھر اپنے کام میں مصروف ہو جائے گا اور تب میں کتابوں کے شیلف کے پاس آ کر وہاں سے ریوالور نکالوں گی اور اسے شوٹ کردوں گی۔'' اس نے ریوالور چھپانے کے لیے جگہ کا انتخاب کرلیا۔ ''اور اگر وہ کام کرنے اسٹڈی میں نہیں آتا تو بھی میں رات کو یہاں آ کر ریوالور نکالوں گی اور بیڈ روم میں جا کر اسے شوٹ کردوں گی۔'' وہ یکدم جیسے کسی نتیجے پر پہنچ گئی۔

لاؤنج میں سے ریوالور نکال کر وہ واپس اسٹڈی میں آئی۔ اب اسے کتابوں کی کسی ایسی شیلف کا انتخاب کرنا تھا جسے ایمان کم از کم اس وقت تو استعمال نہ کرے۔

وہ کتابوں کے شیلف پر نظر دوڑا دوڑا رہی تھی اور پھر یکدم اس کی نظریں ایک شلف پر پڑیں جس پر اسلام کے بارے میں مختلف ملکی اور غیر ملکی رائٹرز کی انگلش میں لکھی ہوئی کتابیں پڑی تھیں۔ وہ جانتی تھی ایمان اکثر اسلامک کتابیں لے کر آیا کرتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ واقعی اسلام کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا مگر وہ سب ایک دکھاوا تھا۔ ایک فریب...... امید پر یہ ثابت کرنے کے لیے کہ وہ واقعی اسلام کو سمجھنا چاہتا ہے اور سچا مسلمان ہے۔ اس کے دل میں ایک ٹیس اٹھی تھی۔ ''اور میں اس فریب میں آ گئی۔'' اسے یقین تھا وہ تنہائی میں کبھی ان کتابوں کا مطالعہ نہیں کرتا ہوگا اور وہ...... وہ بڑے اطمینان سے ریوالور کو ان کتابوں کے پیچھے رکھ سکتی تھی۔ اس نے بڑی احتیاط کے ساتھ ریوالور کا سیفٹی کیچ ہٹایا اور ریوالور کو کتابوں کے اس شیلف پر چند کتابوں کے پیچھے رکھ دیا۔ کچھ مطمئن ہو کر وہ اسٹڈی سے باہر آ گئی۔

پھر اسے یاد آیا کہ اس نے عشاء کی نماز ادا نہیں کی تھی وہ یہ نماز ایمان کی عدم موجودگی میں ادا کر لینا چاہتی تھی۔ یہ اس کی زندگی کی آخری نماز تھی۔

وضو کرتے ہوئے پہلی بار اس نے اپنے ہاتھوں میں لرزش دیکھی تھی۔ اس نے اپنی زندگی کے ستائیس سالوں کو ایک فلم کی طرح اپنی آنکھوں کے سامنے گزرتا دیکھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں کی مٹھیوں سے وقت کی پھسلتی ہوئی ریت کو دیکھا۔ کیا کوئی کبھی یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے اختتام پر کہاں کھڑا ہوگا۔ اس کی آنکھوں میں کوئی چیز چبھنے لگی تھی۔ ستائیس سال پہلے میرے باپ نے میرے کانوں میں جب اذان دی ہوگی تو کیا انھوں نے یہ سوچا ہوگا کہ ان کی بیٹی مرتے ہوئے کیا کچھ گنوا چکی ہوگی۔ ساری زندگی میرے وجود کو رزق حلال سے پالنے والا وہ شخص کیا یہ تصور کر سکتا تھا کہ

میں اپنی زندگی اور اپنی اولاد کو ہی حرام بنا ڈالوں گی۔ میرے لیے کسی نے ایسی بددعا کی ہے جو مجھے اندھی گلی کے اس سرے پر لے آئی ہے۔ کیا جہاں زیب نے؟ اس نے سوچ کے لہراتے ہوئے سانپوں کو ہاتھ سے پکڑنے کی کوشش کی اور چار سال پہلے اگر اس رات میں جہاں زیب کے کہنے پر اس کے ساتھ چلی جاتی تو؟...... تو شاید آج میں یہاں اس طرح کھڑی نہ ہوتی۔ میں اس گناہ کے لیے خدا سے معافی مانگ سکتی تھی اور خدا معاف کر دیتا لیکن جو کچھ اب کر چکی ہوں اس کے لیے......

حالانکہ یہ سب کچھ کرنے میں میری کوئی غلطی نہیں تھی۔

وہ واش روم سے باہر نکل آئی۔ ایک گناہ سے بچنا میرے اختیار میں تھا۔ میں نے وہ گناہ نہیں کیا۔ ایک گناہ کا حصہ بننا میرے مقدر میں لکھ دیا گیا۔ مجھے اس کے بارے میں کوئی اختیار نہیں دیا گیا۔ میں اس سے بچ نہیں سکی۔ پانچ سال پہلے میں نے ایمان اور محبت میں سے ایمان کا انتخاب کیا تھا۔ ایک سال پہلے ایک بار پھر میں نے ایمان علی اور جہاں زیب کی محبت میں سے ایمان علی کا انتخاب کیا تھا۔ دونوں بار میرے فیصلے نے میرے ہاتھوں میں کچھ بھی رہنے نہیں دیا۔ نہ ایمان نہ محبت۔ میں نے صرف ایمان کی خواہش کی تھی۔ اس خواہش نے پہلے مجھے محبت سے محروم کیا...... پھر ایمان سے...... کیا خواہش غلط تھی یا میرا انتخاب...... اس کا ذہن پوری طرح انتشار کا شکار ہو چکا تھا۔

پوری نماز کے دوران وہ اپنی توجہ مرکوز کرنے میں ناکام رہی تھی۔ دعا کرتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی۔ ''کیا یہ ممکن ہے کہ جس شخص کا عمل میرے جیسا ہو، صرف عبادت اسے ایمان دلا دے۔

صرف ہاتھ اٹھانے سے اس کا مقدر بدل جائے۔ اور وہ بھی میرے جیسے انسان کا۔ پانچ سال پہلے اپنے وجود سے نفرت کے جس عمل میں وہ مبتلا ہوئی تھی آج اس کی انتہا پر پہنچ چکی تھی۔

نماز پڑھنے کے بعد وہ جائے نماز اٹھا رہی تھی۔ جب اس کی نظر اس براؤن بیگ پر پڑی جس کے بارے میں وہ جاتے جاتے کہہ کر گیا تھا۔ پتا نہیں کیوں وہ اس بیگ کے پاس آ گئی۔ بیگ کی زپ کھول کر اس نے اندر موجود چیزیں باہر نکالنی شروع کر دیں۔ چاکلیٹس، گھڑی، کارڈیگن، جیولری اس نے ہر چیز اٹھا کر پھینکنی شروع کر دی۔ ان میں سے کسی چیز کی اس کے نزدیک اہمیت نہیں تھی۔ ''گفٹس'' ایک تلخ مسکراہٹ اس کے چہرے پر ابھری تھی۔ بیگ تقریباً خالی ہو چکا تھا۔

بیگ کی تہہ میں اس کا ہاتھ ایک بڑے پیکٹ سے ٹکرایا۔ اس نے پیکٹ باہر نکال لیا۔ پیکٹ کا منہ کھولنے کے بعد اس نے اسے الٹا دیا۔ کارپٹ پر کچھ چھوٹے چھوٹے کھلونے بکھر گئے تھے۔ وہ چند لمحوں کے لیے ساکت ہو گئی۔ اس کے دل کو کچھ ہونے لگا تھا۔ ایک بار پھر اس نے اپنے ہاتھ میں لرزش دیکھی۔ کھلونے اٹھا کر وہ دیکھنے لگی تھی۔ اب ان کھلونوں کی کسی کو ضرورت نہیں تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کے بچے کو بھی مر جانا تھا۔ ہاتھوں میں لیے ہوئے ان کھلونوں کا لمس اسے کسی عجیب احساس سے دوچار کر رہا تھا۔ ایمان گھر میں آنے والے اس نئے فرد کے بارے میں بہت پرجوش تھا۔ وہ اکثر اپنے بچے کے بارے میں اس سے باتیں کیا کرتا تھا۔

''مجھے اپنے کام کے اوقات میں کچھ تبدیلی کرنی پڑے گی۔ گھر کو کچھ زیادہ وقت دینا پڑے گا'' وہ اس سے باتیں کرتے کرتے اچانک کہتا۔

وہ فون پر اپنی ممی سے بھی اپنے بچے کے بارے میں باتیں کرتا اور پھر اسے اپنی ممی کی ہدایات پہنچاتا رہتا۔

''بہت سالوں سے ایک جیسی زندگی گزار رہا تھا۔ چند سال سے مذہب کی تبدیلی، تم سے شادی اور اب اس بچے کی آمد جیسی تبدیلیاں مجھے ایک نئی زندگی سے روشناس کروا رہی ہیں۔ میری زندگی یکدم بدل گئی ہے۔ فیملی کے بغیر رہنے اور پھر اپنی فیملی کے ساتھ رہنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ ماں باپ کے بعد اب بیوی اور بچہ...... رشتوں کی تعداد میں جتنا زیادہ اضافہ ہو...... زندگی اتنی پُرسکون اور محفوظ ہوتی جاتی ہے۔ میرا باپ بہت اچھا آدمی تھا اور میں بھی اتنا ہی اچھا ثابت ہونا چاہتا ہوں۔ اپنی اولاد کے لیے۔''

کھلونے ہاتھ میں لیے اسے اس کی باتیں یاد آ رہی تھیں۔ اور اگر یہ شخص میرے ساتھ اپنی زندگی کی بنیاد اتنے بڑے جھوٹ اور فریب پر نہ رکھتا تو آج یہ کھلونے مجھے کسی دوسری کیفیت اور احساس سے دوچار کرتے۔ اس بچے کے حوالے سے خواب دیکھنے میں وہ اکیلا نہیں تھا۔ میں نے اس سے زیادہ خوابوں کا جال بنا تھا۔

اس نے اپنے گالوں پر آنسوؤں کو بہتے محسوس کیا۔

اس نے بہت بار اسی گھر میں اپنے بچے کو کھیلتے دیکھا تھا۔ خود کو اس کے چھوٹے چھوٹے کام کرتے پایا تھا۔ اس کی ہنسی، اس کی مسکراہٹوں اور اس کی کھلکھلاہٹوں کو تصور میں دیکھا تھا اور اب وہ اس کی موت کا تصور کر رہی تھی۔ ''کیا اولاد ماں باپ کے پیروں کی اسی طرح زنجیر بن جاتی ہے جس طرح یہ بچہ میرے پیروں کی زنجیر بن رہا ہے جو ابھی اس دنیا میں آیا تک نہیں۔'' اسے اپنے پورے وجود میں ٹیسیں اٹھتی محسوس ہو رہی تھیں۔

''کاش میں تمہیں زندگی دے پاتی...... زندگی پانے سے پہلے ہی میں موت کو تمہارا مقدر بنا رہی ہوں۔'' اس کی نظروں کے سامنے ایک بار وہ کھلکھلانے لگا تھا۔ وہ کھلونوں کو دونوں ہاتھوں میں لیے بلکنے لگی۔ ''میرے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں ہے...... کچھ بھی نہیں...... میری طرح تمہارے لیے بھی تمہاری زندگی موت سے زیادہ تکلیف دہ ہوگی اور میں تمہیں اسی تکلیف سے بچانا چاہتی ہوں۔''

روتے ہوئے اس نے گاڑی کا ہارن سنا۔ وہ یکدم جیسے اپنے حواس میں آ گئی تھی۔ ایمان واپس آ چکا تھا اور اب...... اب اسے......

وہ سب کچھ پھینک کر بھاگتی ہوئی واش روم میں گئی۔ دونوں ہاتھوں میں پانی لے کر اس نے چھپاکے مارے اور پھر دوپٹے سے چہرے اور آنکھیں رگڑتی ہوئی باہر آ گئی۔ کار کا ہارن ایک بار پھر سنائی دیا۔ اس بار دو تین دفعہ ہارن دیا گیا۔ اس نے تیزی سے لاؤنج کا دروازہ کھولا اور تیز قدموں کے ساتھ گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔

ایمان نے حیرت اور الجھن کے ساتھ اسے گیٹ کھولتے دیکھا۔ گاڑی سیدھا پورچ میں لے جانے کے بجائے وہ گیٹ کے اندر کچھ فاصلے پر رک گیا۔

''چوکیدار کہاں ہے؟'' وہ کار کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

''اس کے گھر میں کوئی ایمرجنسی تھی وہ وہاں چلا گیا ہے۔'' اس نے گیٹ کو دوبارہ بند کرنا چاہا۔

''تم رہنے دو، میں خود کر لیتا ہوں۔'' ایمان نے اسے روک دیا۔ وہ خود گیٹ کی طرف بڑھ آیا۔ وہ اندر چلی آئی۔ اس کا دل بہت تیزی سے

دھڑک رہا تھا۔ کچن میں جا کر فرج کھول کر اس نے پانی پی کر خود پر قابو پانے کی کوشش کی۔ ایمان اب اندر لاؤنج میں آ چکا تھا۔ وہ بھی سیدھا کچن کی طرف آیا۔ اس کے ہاتھ میں کچھ شاپرز تھے جنھیں اس نے ڈائننگ ٹیبل پر رکھ دیا۔

''صابر کہاں ہے؟''

''میں نے اسے کوارٹر میں بھیج دیا۔'' اس نے بڑے نارمل انداز میں کہا۔

''کیوں؟''

''بس ویسے ہی۔'' وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر کچن سے نکل گیا۔

جس وقت وہ بیڈ روم میں داخل ہوئی۔ اس نے ایمان کو کارپٹ پر پھینکی ہوئی چیزوں کو بیگ میں ڈالتے دیکھا۔ کارپٹ پر پنجوں کے بل بیٹھے ہوئے چیزیں اکٹھے کرتے ہوئے اس نے صرف ایک لمحے کے لیے سر اٹھا کر امید کو دیکھا تھا اور اس نظر میں سب کچھ تھا۔ بے یقینی، افسردگی، غصہ، ملامت۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اس سے کچھ کہے گا مگر اس نے کچھ بھی نہیں کہا۔ بیگ میں چیزیں بھرنے کے بعد وہ باقی دونوں بیگ بھی اٹھا کر ڈریسنگ روم میں لے گیا۔

چند منٹوں کے بعد جب وہ ڈریسنگ روم سے نکلا تو نائٹ سوٹ میں ملبوس تھا۔ امید ٹی وی دیکھنے میں مصروف تھی۔ وہ سیدھا اپنے بیڈ سائیڈ ٹیبل کی طرف گیا اور باری باری تینوں دراز کھول کر کچھ ڈھونڈنے لگا۔

''ریوالور کہاں ہے؟'' امید کا سانس رک گیا۔ وہ اس کی روٹین بھول گئی تھی۔ وہ ہر رات ریوالور چیک کر کے سیفٹی کیچ ہٹا کر سونے کے لیے جاتا تھا اور یہ بات اس کے ذہن سے نکل گئی تھی۔ اب وہ اپنے معمول کے مطابق دراز میں ریوالور دیکھنے لگا تھا مگر وہ اسے وہاں نظر نہیں آیا۔ فوری طور پر امید کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا جواب دے۔ وہ اب دونوں ہاتھ کمر پر رکھے سیدھا کھڑا الجھن بھری نظروں سے اسے یہ دیکھ رہا تھا۔

''میں نے پوچھا ہے، ریوالور کہاں ہے؟'' اس نے ایک بار پھر اپنی بات دہرائی۔

''مجھے نہیں پتا۔'' دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے بظاہر لاپروائی جتاتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب؟ تمھیں نہیں پتا کہ ریوالور کہاں گیا؟'' وہ اس کے جواب پر ششدر رہ گیا۔

''اس گھر کی ہر چیز کا پتا رکھنا میری ذمہ داری نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے تم نے کہیں اور رکھ دیا ہو۔'' اس بار اس نے جان بوجھ کر تلخ انداز میں کہا۔

''تم جانتی ہو، میں ہمیشہ اسے اسی دراز میں رکھتا ہوں مگر اب وہ یہاں نہیں ہے۔'' وہ پریشان نظر آنے لگا۔ ''تم نے اسے اٹھا کر کہیں اور تو نہیں رکھا؟''

''مجھے کیا ضرورت تھی ایسا کرنے کی..... مگر مجھے ٹھیک سے یاد نہیں۔ شاید میں نے ہی کہیں اور رکھ دیا ہو'' اس نے صاف انکار کرتے کرتے بات بدل دی۔ اسے اچانک خیال آیا تھا کہ ایمان کہیں ملازم کو نہ بلوالے اور اس سے پوچھ گچھ کرنے پر معاملہ زیادہ طول پکڑ سکتا تھا۔

''تم ذرا اپنی دراز میں دیکھو۔'' اس نے کھڑے کھڑے امید سے کہا۔ اس نے بے دلی سے تینوں دراز چیک کیں مگر وہ جانتی تھی کہ ریوالور

وہاں نہیں ہے۔

''یہاں نہیں ہے؟'' وہ اس کے جواب پر ڈریسنگ روم میں چلا گیا۔ امید کو اندر سے وارڈ روب کھولنے کی آواز آئی۔ پھر اس نے الماری کے دراز کھولنے شروع کر دیے۔ وہ ہونٹ بھینچے بیٹھی رہی۔ اس کی ایک چھوٹی سی بھول نے سارا کام بگاڑ دیا تھا۔ آخر کیا ضرورت تھی مجھے ریوالور یہاں سے ہٹانے کی۔ میں یہیں سے ریوالور لے کر اسٹڈی میں جا سکتی تھی اور اگر وہ سوجاتا تو بھی دراز کھول کر ریوالور نکال سکتی تھی۔ اگر اسٹڈی میں وہ پیچھے مڑ کر دیکھتا تو میں اپنی پشت پر ریوالور چھپا سکتی تھی...... کچھ اور کر سکتی تھی۔ مگر ریوالور ہٹانا نہیں چاہیے تھا۔

وہ اب خود کو کوس رہی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی ریوالور نہ ملنے پر ایمان کا ردِعمل کیا ہوگا۔ وہ بہت محتاط طبیعت کا انسان تھا۔ اس نے اپنی زیادہ تر زندگی غیر ملکوں میں گزاری تھی اور غیر ملکی کی حیثیت سے کسی دوسرے ملک میں رہنا خاص طور پر تیسری دنیا کے ملک میں ایک خاصا مشکل کام تھا۔ امید کو یاد تھا کہ کسی بھی لمبے سفر پر نکلنے سے پہلے وہ ریوالور ساتھ رکھا کرتا تھا۔ یہ جیسے اس کی زندگی کا حصہ بن گیا تھا۔

اپنے ہی گھر کے بیڈ روم کے اندر سے ریوالور کا غائب ہو جانا بہت پریشانی کی بات تھی۔

وہ ڈریسنگ ٹیبل کے دراز چیک کرنے کے بعد جیسے کچھ تھک کر اسٹول پر بیٹھ گیا۔ امید بظاہر ٹی وی کی طرف متوجہ تھی مگر اس کا سارا دھیان اسی کی طرف تھا۔ چند منٹ وہ جیسے کسی سوچ میں گم رہا پھر ایک گہری سانس لے کر اس نے امید کو مخاطب کیا۔

''تمہارا کیا خیال ہے اگر تم نے ریوالور اٹھایا ہے تو تم کہاں رکھ سکتی ہو؟''

''میں نے کہا نا مجھے یاد نہیں...... ویسے بھی میری طبیعت پچھلے چند ہفتوں میں ٹھیک نہیں تھی۔ بار بار مجھے بھول جاتا ہے کہ میں نے کسی چیز کو کہاں رکھا۔'' اس نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بظاہر پُرسکون انداز میں کہا۔

''میری عدم موجودگی میں تم ہر رات ریوالور چیک کرتی تھیں؟'' اب وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔

''نہیں۔''

''تمھیں میں تاکید کر کے گیا تھا کہ ایسا کرنا۔ پھر بھی تم نے...... اگر کچھ ہو جاتا تو ریوالور کے بغیر تم کیا کرتیں۔ تم جانتی ہو تم اکیلی تھیں...... تم...... تم اتنی لاپروا کیوں ہو...... میری بات تمہاری سمجھ میں کیوں نہیں آتی۔'' اس کی آواز میں پریشانی تھی یا غصہ اسے اندازہ نہیں ہوا۔

امید نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''مگر کچھ ہوا تو نہیں۔'' اس نے بڑی بے خوفی سے کہا۔ وہ اس کے جواب پر گنگ رہ گیا۔ وہ ایک بار پھر ٹی وی کی جانب متوجہ تھی۔

''کچھ ہو جاتا تو؟'' اس نے تندی سے کہا۔

''تو ہو جاتا۔'' امید کی آواز میں تلخی تھی۔ وہ بہت دیر تک اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

''راولپنڈی جانے سے پہلے تم نے ریوالور دیکھا تھا؟ کیا تب وہ یہیں تھا؟'' اس بار امید کو اس کی آواز بہت سرد محسوس ہوئی تھی۔

''مجھے یاد نہیں۔''

''تو یاد کرو۔'' اس نے اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''تم کیا سوچ رہے ہو کہ وہ ریوالور میں نے چھپایا ہے؟'' وہ یک دم بھڑک اٹھی۔

''میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔''

''جو کچھ تم کہہ رہے ہو، اس سے یہی مطلب نکلتا ہے۔''

''تم اتنی باریک بین نہیں ہو کہ میرے لفظوں کے مطلب جان سکو۔''

''میں جان سکتی ہوں اور جان چکی ہوں اور کیا کیا جانتی ہوں، یہ تمہارے علم میں نہیں ہے۔'' اس کے جملے پر مشتعل ہو کر اس نے کہا تھا۔

وہ بے حس و حرکت اسے دیکھتا رہا اور پھر اتنی ہی سرد آواز میں اس نے امید سے کہا۔ ''مثلاً کیا جان چکی ہو تم اور کیا کیا جانتی ہو تم جو میرے علم میں نہیں ہے۔'' اس نے اپنے ایک ایک لفظ پر زور دیا تھا۔ وہ یکدم سنبھل گئی۔

''وقت آنے پر بتادوں گی۔''

''میرا خیال ہے، وہ وقت آچکا ہے۔'' اس کا لب و لہجہ یکسر بدل چکا تھا۔

''تم کیا چاہتے ہو؟ ایک چھوٹی سی بات کا بہانا بنا کر مجھ سے لڑنا چاہتے ہو؟''

وہ اسے یک ٹک دیکھتا رہا۔ ''میں لڑنا چاہتا ہوں؟''

''ہاں اسی لیے تو تم بات کو بڑھا رہے ہو...... مجھ سے جان چھڑانا چاہتے ہو تم؟ تم چاہتے ہو، میں اس گھر سے چلی جاؤں۔'' وہ خود پر قابو نہیں رکھ پا رہی تھی۔

''میں کیوں جان چھڑانا چاہوں گا تم سے؟'' اسے جیسے امید کی بات پر کرنٹ لگا۔

''تا کہ میں تمہارے جھوٹ سے بے خبر رہوں۔ تمہارے فراڈ اور تمہارے گناہ کو جان نہ سکوں۔'' اس کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ جو بات راز میں رکھنا چاہ رہی تھی وہ بات خود بخود اس کی زبان پر آرہی تھی۔

اس نے ایمان کے چہرے کا رنگ اڑتے ہوئے دیکھا۔ پلکیں جھپکائے بغیر وہ بے حس و حرکت اسے دیکھ رہا تھا۔

وہ بہت دیر اسی خاموشی کے ساتھ اسے دیکھتا رہا پھر اسے اس کی آواز سنائی دی تھی۔

''میں جاننا چاہتا ہوں کہ تم میرے کس جھوٹ اور کس فراڈ اور کس گناہ کو جان گئی ہو؟'' وہ خود پر قابو پا چکی تھی اور وہ اسے کچھ بھی بتانا نہیں چاہتی تھی۔

''میں تم سے کوئی بحث نہیں کرنا چاہتی۔''

''مگر میں کرنا چاہتا ہوں۔''

وہ اسے دیکھنے لگی۔ ''بات کو ختم کرو۔ ایک ریوالور کے لیے اتنا تماشا کھڑا مت کرو۔ تم سوچ رہے ہو، ریوالور میری وجہ سے گم ہوا ہے۔ ٹھیک

ہے میں تمھیں اس کی قیمت دے دوں گی۔''

وہ اس کی بات پر یکدم بھڑک کر کھڑا ہو گیا۔ ''کیا مطلب ہے تمہارا۔ قیمت دے دوں گی...... کون قیمت مانگ رہا ہے تم سے؟''

''تو پھر اس ہنگامے کا اور کیا مقصد ہے؟'' وہ جیسے دم بخود ہو گیا تھا۔

''پہلے کتنی چیزوں کی قیمت لے چکا ہوں میں تم سے؟''

''میرے ایمان...... میری زندگی کی۔'' وہ کہنا چاہتی تھی مگر خاموش رہی۔

''تمھیں پتا ہے کہ یہاں سے اس طرح ریوالور غائب ہونے کا کیا مطلب ہے؟ وہ لائسنس یافتہ ریوالور تھا۔ اگر کسی نے اسے یہاں سے غائب کر دیا ہے تو کسی جرم میں استعمال ہونے کی صورت میں پولیس سیدھی میرے پاس آ جائے گی۔ میں پکڑا جاؤں گا، میرا کیریر داؤ پر لگ جائے گا اور جب تک وہ ریوالور غائب ہے، ہمیں خطرہ ہے۔ آخر کون ہے جو بیڈ روم کی دراز سے ریوالور نکال کر لے گیا۔ اگر کوئی یہ کر سکتا ہے تو وہ کچھ اور بھی کر سکتا ہے اور اگر یہ کام ملازم نے کیا ہے تو ہم اور بھی زیادہ خطرے میں ہیں۔ چوکیدار کو بھی تم نے جانے دیا کہ کوئی ایمرجنسی ہے اسے۔ یہ سب کچھ کوئی سازش بھی تو ہو سکتی ہے۔ مجھے کسی سیکیورٹی ایجنسی سے آج گارڈ منگوانا پڑے گا۔ صبح تم ریوالور ڈھونڈنا ورنہ پھر مجھے پولیس کو ایف آئی آر لکھوانی پڑے گی۔'' وہ بات کرتے کرتے فون کی طرف بڑھ گیا۔ فون پر اس نے کسی سیکیورٹی ایجنسی سے گارڈ کی بات کی تھی۔ وہ بے بسی سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ اس کی ایک چھوٹی سی لاپروائی نے ایمان کو محتاط کر دیا تھا۔

وہ بیڈ روم سے نکل گیا تھا۔ وہ اندازہ لگا سکتی تھی کہ اگلے چند منٹوں میں وہ پورے گھر کو چیک کر رہا ہو گا اور شاید ملازم کو بھی بلوا لے اور ایسا ہی ہوا تھا۔ چند منٹوں کے بعد بیڈ روم میں آ کر اس نے انٹر کام پر ملازم کو بلوا لیا۔ وہ ہونٹ بھینچے اس کی مصروفیات دیکھتی رہی۔ وہ ایک بار پھر بیڈ روم سے نکل گیا۔

چند منٹوں کے بعد وہ دوبارہ اندر آ گیا۔ ''صابر کو ریوالور کے بارے میں کچھ پتا نہیں۔'' اس نے امید کو جیسے مطلع کیا۔ وہ کوئی جواب دیے بغیر ٹی وی دیکھتی رہی۔ وہ ایک بار پھر باہر نکل گیا۔ کچھ دیر بعد امید نے بیل کی آواز سنی۔ اس نے اندازہ لگایا کہ گارڈ باہر پہنچ چکا ہو گا۔

''کوئی بات نہیں گارڈ تو باہر ہی ہو گا۔ وہ اندر آ کر تو کچھ نہیں کر سکے گا۔ مگر پھر مجھے چوکیدار کو بھی بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔'' اس نے ملازم اور چوکیدار کو صرف اس لیے وہاں سے بھیج دیا تھا تاکہ کسی بھی طرح کوئی مداخلت نہ ہو سکے اور وہ دونوں اس کے منصوبے میں رکاوٹ نہ بن سکیں لیکن اب صورت حال بالکل الٹ ہو گئی تھی۔ ان دونوں کی عدم موجودگی ہی ایک رکاوٹ بن گئی تھی۔

پندرہ بیس منٹ کے بعد گھر میں خاموشی چھا گئی تھی۔ ملازم واپس کوارٹر میں جا چکا تھا اور ایمان واپس بیڈ روم میں نہیں آیا۔ اس کا مطلب تھا، وہ اسٹڈی میں جا چکا تھا۔ پندرہ بیس منٹ انتظار کے بعد وہ دھڑکتے دل کے ساتھ بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ٹی وی آف کرنے کے بعد محتاط انداز میں بیڈ روم سے باہر آ گئی۔ لاؤنج کی لائٹ بند تھی۔ وہ کچھ مطمئن ہو کر اسٹڈی کی طرف بڑھ گئی۔ دروازے کے نیچے اسٹڈی روم میں جلنے والی روشنی باہر کوریڈور کو بھی روشن کر رہی تھی۔ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ جھک کر کی ہول سے اس نے اسٹڈی کے اندر کا منظر دیکھنے کی کوشش کی۔ اسٹڈی

ٹیبل کا ایک کونہ نظر آ رہا تھا مگر کمپیوٹر اور سامنے پڑی ہوئی کرسی نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس نے اسٹڈی روم میں کوئی آواز سننے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔ اسٹڈی روم میں مکمل خاموشی تھی۔ وہ سیدھی ہو گئی۔

چند لمحے اس نے اپنی ناہموار سانس اور تیز دھڑکن پر قابو پانے کی کوشش کی پھر دروازے کی ناب پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ حتی المقدور احتیاط سے اس نے دروازے کی ناب گھما کر دروازہ کھول دیا۔ ایمان نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا کیونکہ وہ کرسی خالی تھی وہ اسٹڈی کے ایک کونے میں نماز پڑھنے میں مصروف تھا۔ وہ چند لمحے ہل نہیں سکی۔ ''یہ نماز کیوں پڑھ رہا ہے؟ جب یہ......'' اس کی وحشت میں اضافہ ہو گیا تھا۔

اسے ابھی یاد تھا کہ اس کے آفس سے اسے یہی کہا گیا تھا کہ یہاں کوئی ایمان علی نہیں ہے اور ڈینیل ایڈگر کے بارے میں پوچھنے پر فوراً اسے معلومات فراہم کر دی گئیں اور ایمان علی نے اس سے کہا تھا کہ وہ آفس میں اپنا نام تبدیل کر چکا ہے۔ وہاں سب اسے ایمان علی کے نام سے ہی جانتے ہیں۔ پھر امریکہ کا وہ ویزا جو اس نے مذہبی رسومات ادا کرنے کے لیے حاصل کیا تھا۔ کون سے مذہب کی رسومات؟ اور ایمان کے انکل کا وہ بیان کہ ڈینیل نے مذہب تبدیل نہیں کیا بلکہ اس نے انہیں یہ بتایا تھا کہ اس نے امید کے ساتھ اس کی رضامندی سے یہ طے کیا تھا کہ دونوں اپنے اپنے مذہب پر قائم رہیں گے۔ اس کا ریزائن کرنا تب جب وہ اس کے بچے کی ماں بننے والی تھی۔ بینک کا خالی اکاؤنٹ، رقم کا ٹرانسفر...... اس کے ڈاکومنٹس کی عدم موجودگی، اس کے پیرنٹس کا جرمنی سے یکدم غائب ہو جانا۔ وہ کس کس ثبوت کو جھٹلا سکتی تھی۔ ایک ماہ سے اس کا رابطہ نہ کرنا۔ ہر چیز نے اسے مجبور کیا تھا کہ وہ یقین کر لے کہ ایمان اسے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔

واحد چیز جو اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی وہ اس کی واپسی تھی۔ جب وہ اپنے سب کام نپٹا کر چلا گیا تھا تو واپس کیوں آیا تھا۔ اسے کون سی چیز پیچھے کھینچ لائی تھی اور وہ اتنا انتظار نہیں کر سکتی تھی کہ اس چیز کا کھوج لگاتی۔ وہ جلد از جلد اس سے چھٹکارا حاصل کر لینا چاہتی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ پھر غائب ہو جاتا اور اب...... اب وہ یہاں اسٹڈی روم میں نماز پڑھ رہا تھا اور تب ہی ایک خیال نے اس کے وجود میں برقی رو دوڑا دی تھی۔

''کیا وہ جانتا تھا کہ میں یہاں آنے والی ہوں اور صرف مجھ پر ظاہر کرنے کے لیے اس نے ڈھونگ رچایا ہے؟'' وہ ساکت ہو گئی۔ ''مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے آخر اسے کیسے پتا چل سکتا ہے کہ میں یہاں آنے والی تھی؟ کیا اس نے میری آہٹ سن لی تھی؟ مگر اسے آخر نماز پڑھنے کی کیا ضرورت تھی؟ کہیں وہ...... یہ تو نہیں جان گیا کہ میں اس کے بارے میں سب کچھ جان چکی ہوں؟ جب کچھ دیر پہلے میں نے اسے اس کے فریب، جھوٹ اور گناہ کا طعنہ دیا تھا تو کیا یہ سب کچھ سمجھ گیا تھا اور کیا اسی لیے ریوالور غائب ہونے پر اتنا محتاط ہو گیا تھا۔ کیا اسے خدشہ تھا کہ میں اس ریوالور سے اس پر حملہ کر سکتی ہوں اور پھر اس نے سوچا کہ اگر یہ سوئے گا تو...... اور پھر اس نے اسٹڈی میں رہنے کا فیصلہ کیا اور سوچا کہ میں اسٹڈی میں آ سکتی ہوں اور پھر اس نے ایک بار پھر مجھے فریب دینے کی کوشش کی۔''

وہ ساکت کھڑی اسے نماز پڑھتے دیکھ کر کڑیوں سے کڑیاں ملا رہی تھی اور سب کچھ جیسے صاف ہوتا جا رہا تھا۔ ''تو اس کے علم میں سب کچھ آ چکا ہے اور اب ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بلائنڈ کھیل رہے ہیں۔ میں صبح سے اسے دھوکا دے رہی تھی اور اب یہ مجھے دھوکا دے رہا ہے۔''

اس کے چہرے پر ایک زہریلی مسکراہٹ ابھری۔ دروازہ بند کر کے وہ اسی طرح دبے قدموں شیلف کی طرف چلی گئی۔ شیلف کے پاس پہنچ

کر کتابیں ہٹانے سے پہلے اس نے ایک بار محتاط نظروں سے پیچھے دیکھا تھا۔ وہ رکوع کی حالت میں تھا۔ اس نے مطمئن ہو کر چہرہ موڑ لیا۔ جن دو کتابوں کے پیچھے اس نے ریوالور رکھا تھا انھیں بڑی احتیاط سے اس نے نکال لیا۔ پھر وہ پتھر کے بت کی طرح ساکت رہ گئی۔ ریوالور وہاں نہیں تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں میں کپکپاہٹ دیکھی۔ کیا اسے جال میں پھانستے پھانستے وہ خود اس کے جال میں پھنس گئی تھی اور اب جب میں پلٹ کر اسے دیکھوں گی تو وہ نماز چھوڑ کر اطمینان سے کھڑا مجھے دیکھ رہا ہوگا اور اس کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ ہوگی۔ اس نے لرزتے ہاتھوں سے دونوں کتابیں اسی جگہ پر رکھ دیں۔ واپس پلٹنا شکست تسلیم کرنے کے مترادف تھا۔ مگر اسے پلٹنا تھا۔ بوجھل قدموں کے ساتھ وہ واپس پلٹی تھی اور ایک بار پھر ساکت رہ گئی۔ وہ اب سجدہ کر رہا تھا۔

"کس حد تک فریب دینا چاہتا ہے یہ مجھے...... اب یہ جاننے کے باوجود بھی کہ میں سب کچھ جان چکی ہوں اور اسے قتل کر دینا چاہتی ہوں یہ پھر بھی مجھے دھوکا دینا چاہتا ہے۔ میری آنکھوں میں دھول جھونکنا چاہتا ہے۔" وہ مشتعل ہو گئی تھی۔ وہ ایک بار پھر رکوع کی حالت میں تھا۔

تب ہی اس کی نظر اسٹڈی ٹیبل پر جم گئی۔ ریوالور اسٹڈی ٹیبل پر پڑا ہوا تھا۔ مزید کچھ سوچنے کے بجائے وہ اسٹڈی ٹیبل کی طرف آئی اور اس نے ریوالور اٹھا لیا۔ اپنے اندر اسے یک دم جیسے عجیب سی طاقت محسوس ہوئی تھی۔ ریوالور کا سیفٹی کیچ ہٹا ہوا تھا۔ وہ ریوالور اٹھا کر ایمان کی پشت پر آ گئی تھی۔ ایمان نماز پڑھنے کے دوران کمرے میں اس کی آمد اور سرگرمیوں سے بے خبر نہیں رہا ہوگا۔ یہ وہ جانتی تھی۔ اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ دونوں ہاتھ اٹھا کر ایمان کی پشت کا نشانہ لیا تھا وہ سجدہ میں تھا۔ آنکھیں بند کر کے اس نے ٹریگر پر انگلی کا دباؤ بڑھا دیا مگر کوشش کے باوجود وہ گولی نہیں چلا سکی۔ اس نے کچھ بے بسی سے آنکھیں کھول دیں۔

"یہ شخص فریب کر رہا ہے...... مجھے دھوکا دے رہا ہے مگر نماز پڑھ رہا ہے، جائے نماز پر ہے، میں اسے اس طرح گولی کیسے مار سکتی ہوں جب میں صبح سے مناسب وقت کا انتظار کر رہی ہوں تو چند منٹ انتظار کر سکتی ہوں...... صرف چند منٹ ہی کی تو بات ہے۔"

وہ پیچھے ہٹ آئی۔ کتابوں کے شیلف سے ٹیک لگائے وہ ایمان کی پشت پر نظریں جمائے کھڑی رہی۔ وہ اب سلام پھیر رہا تھا۔ امید نے برق رفتاری سے ریوالور اپنی پشت پر چھپا لیا۔ سلام پھیرنے کے بعد اس نے بیٹھے بیٹھے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا۔

"امید! تمھیں کوئی کام ہے؟" اس نے امید کو مخاطب کیا۔

"ہاں، مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔"

وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا اور پھر گردن واپس موڑ لی۔ "میں نماز ختم کر لوں پھر بات کرتا ہوں۔"

"نہیں، مجھے پہلے بات کرنی ہے۔ تم نماز چھوڑ دو اور اٹھ کر میری بات سنو۔"

"صرف آخری دو نفل رہ گئے ہیں، وہ مجھے پڑھ لینے دو۔ تم جانتی ہو، ہماری بات بہت لمبی ہو جائے گی اور میں نماز کو درمیان میں چھوڑ کر جانا نہیں چاہتا۔" اس نے نیت کر لی۔

اس نے زندگی میں کبھی کسی کو اتنی گالیاں نہیں دی تھیں جتنی اس نے اس وقت ایمان کو دل میں دیں۔ "کیا ثابت کرنا چاہتا ہے یہ اپنی نماز سے

مجھ پر...... ابھی کیا باقی رہ گیا ہے؟ کون سی جنت کی تلاش میں ہے یہ...... ''اس کا خون کھول رہا تھا۔

اس نے دو نفل ادا کیے پھر دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔ وہ منتظر تھی کہ وہ دعا کرنے کے بعد اٹھ کھڑا ہو اور وہ اسے شوٹ کرے۔ دعا کرنے کے بعد اس نے کھڑے ہو کر جھک کر جائے نماز اٹھائی تھی اور اسے تہہ کرتے ہوئے امید کی طرف پلٹا تھا اور ساکت رہ گیا تھا۔ وہ اس پر ریوالور تانے ہوئے تھی۔ اس نے ایمان کی آنکھوں میں بے یقینی دیکھی تھی اور اگلے ہی لمحے وہ ٹریگر دبا چکی تھی۔

پھر اس نے ایک بار نہیں کئی بار ٹریگر دبایا تھا۔ کمرے میں کسی دھماکے کی آواز گونجی تھی نہ ایمان کے سینے پر گولیوں کا کوئی نشان نمودار ہوا تھا۔ ریوالور خالی تھا۔ اسے یقین نہیں آیا تھا۔ اسٹڈی میں ریوالور رکھتے ہوئے اس نے خود گولیاں چیک کی تھیں۔ ریوالور پوری طرح لوڈ تھا اور اب...... تو یہ شخص گولیاں نکال چکا تھا اس لیے کہ میں......

''کیوں؟ کیوں قتل کرنا چاہتی ہو مجھے تم؟'' اس نے ایمان کے منہ سے سنا تھا اور پھر وہ جیسے اپنے حواس کھو بیٹھی۔

''ہاں میں مارنا چاہتی ہوں تمہیں اور ماردوں گی کیونکہ تم اسی قابل ہو'' وہ بلند آواز میں چلائی۔ ایمان نے اسے کبھی چلاتے نہیں دیکھا تھا آج وہ دیکھ رہا تھا۔

''میں تمہارے بارے میں سب کچھ جان چکی ہوں...... ہر بات۔''

''میں نے تم سے ایسا کچھ نہیں چھپایا جس کے جاننے پر تم مجھے اس طرح قتل کر دینے کی کوشش کرتیں۔''

''جھوٹ مت بولو...... مت بولو اتنا جھوٹ...... کم از کم اب تو نہیں جب میں سب کچھ جان چکی ہوں۔'' وہ حلق کے بل چلائی۔

''کیا جان چکی ہو تم؟'' وہ ابھی تک شاک میں تھا۔

''تم اس قوم سے تعلق رکھتے ہو ڈینیل ایڈگر جو منافق ہے، دھوکہ باز ہے، جھوٹی ہے، کمینی ہے اور سازشوں میں اپنا ثانی نہیں رکھتی۔'' اس کے جسم کو ایک جھٹکا لگا۔

''ڈینیل ایڈگر؟'' ایمان نے بے یقینی سے زیر لب اپنا پرانا نام دہرایا۔

وہ کہہ رہی تھی۔ ''تم نے میرے ساتھ جو کچھ کیا، وہ تمہارے خون میں رچا ہوا تھا۔ تم کو وہی کرنا تھا...... آخر کو یہودی ہو نا؟'' وہ بدلتی رنگت کے ساتھ اسے دیکھتا رہا۔

''کیا سوچا تھا تم نے کہ میں تمہارے ساتھ گناہ کی زندگی گزارتی رہوں گی اور مجھے کبھی پتا نہیں چلے گا اور پتا چلے گا تو بھی میں کچھ نہیں کروں گی۔ سمجھوتا کرلوں گی۔ ڈینیل ایڈگر تمہارا وجود مجھے کتنا گندا اور مکروہ لگ رہا ہے، اس کا اندازہ نہیں کر سکتے تم۔''

''میں ایمان علی ہوں، ڈینیل ایڈگر نہیں ہوں اور دوبارہ مجھے اس نام سے مخاطب مت کرنا۔'' اس بار وہ مشتعل ہو گیا تھا۔

''نام بدلنے سے تمہارا کردار بدل جائے گا؟ نام بدل کر کس کو دھوکا دینا چاہتے ہو؟''

''میں یہودی ہوں...... نہ ڈینیل ایڈگر ہوں اور اب تم مجھے اس نام سے پکارو گی تو میں تمہارے منہ پر تھپڑ ماروں گا۔'' اس کی آنکھیں سرخ ہو

رہی تھیں۔

امید نے ہاتھ میں پکڑا ہوا ریوالور کھینچ کر اس کے ماتھے پر دے مارا۔ ایمان نے بچنے کی کوشش کی تھی مگر بچتے بچتے بھی ریوالور اس کی کنپٹی سے کچھ اوپر لگا۔ درد کی ایک لہر اس کے سر میں دوڑ گئی۔

''تم ڈینیل ہو۔ ایمان علی کبھی نہیں ہو سکتے۔''

وہ ہونٹ بھینچے یک دم آگے آیا۔ ''اب مجھے ڈینیل کہو۔'' اس نے امید کو چیلنج کرتے ہوئے کہا۔

''میں تمھیں اسی نام سے پکاروں گی جو تم ہو، ڈینیل۔'' اس کے منہ پر اتنے زور کا تھپڑ پڑا کہ وہ فرش پر گر پڑی۔

''کیا ثابت کرنا چاہتے ہو تم...... یہ کہ تم بہت بڑے مسلمان ہو؟ میں تمھارے بارے میں سب کچھ جان گئی ہوں۔ میرے منہ پر تھپڑ مارنے سے پہلے اپنے آفس کے لوگوں کے منہ پر تمھیں تھپڑ مارنا چاہیے جہاں سب تم کو ڈینیل کہتے ہیں۔ جہاں کوئی ایمان علی کو جانتا ہی نہیں ہے۔ ایمبیسی کے لوگوں کے منہ پر تھپڑ مارنا چاہیے جو تمھیں ڈینیل کہتے ہیں۔''

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ ایمان یک دم پیچھے ہٹ گیا۔

''اپنے سارے ڈاکومنٹس میں تم ڈینیل ایڈگر ہو تو صرف میرے لیے ایمان علی بننے کا ڈرامہ کیوں کیا۔ کیوں مجھے گندگی کی دلدل میں کھینچ لائے۔ مسلمان ہونے کا دھوکا کیا۔ فریب دیا اور اب مجھ سے جان چھڑا کر تم یہاں سے چلے جانا چاہتے ہو۔''

وہ چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔

''مجھے یقین نہیں آتا، کوئی شخص اتنا جھوٹا، اتنا ذلیل، اتنا بے ضمیر ہو سکتا ہے جتنا تم ہو۔ محبت کا فریب دے کر مجھ کو دوزخ میں پھینک دیا۔ اتنی جرأت ہونی چاہیے تھی تم میں کہ میرے سامنے کھڑے ہو کر مجھے بتاتے کہ تم مجھے چھوڑنا چاہتے ہو۔ اس طرح چوروں کی طرح فرار نہ ہوتے اور میرے ساتھ یہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی تم یہ توقع رکھتے ہو کہ میں تمھیں ایمان علی کہوں اور تمھاری اس سچائی پر یقین کروں جو تمھارے پاس ہے ہی نہیں۔''

''میں نے تم کو کوئی دھوکا دیا ہے نہ تمھیں چھوڑ کر بھاگا تھا۔ میں یہیں کھڑا ہوں تمھارے سامنے۔''

''تم کہاں گئے جرمنی یا امریکہ؟'' اس کا خیال تھا ایمان کے چہرے کا رنگ اڑ جائے گا مگر ایسا نہیں ہوا وہ خاموش رہا۔

''امریکہ کا ویزا لیا تم نے مذہبی رسومات میں شرکت کے لیے...... کون سی مذہبی رسومات، یہودیوں کا سالانہ اجتماع...... تم آفس کے کام سے گئے تھے مگر وہاں تو تم ریزائن کر چکے ہو...... تم نے بینک میں اپنا اکاؤنٹ بند کر دیا...... اس گھر سے تمھارے سارے ڈاکومنٹس غائب ہیں۔ جرمنی میں تمھارے پیرنٹس اپنا گھر بیچ کر کہیں اور چلے گئے ہیں۔ کہاں گئے ہیں یہ صرف تم جانتے ہو۔ یہ گھر تم خالی کر رہے ہو مالک مکان کو انفارم کر چکے ہو۔ باہر پورچ میں کھڑی گاڑی کمپنی کی ہے جو اس ماہ کے ختم ہونے پر کمپنی واپس منگوا لے گی۔ اپنے ساتھ اپنی گرل فرینڈ کو بھی جرمنی لے کر گئے تھے۔ تم نے کہا تھا تمھارے سارے پیپرز میں تمھارا نام ایمان علی ہے...... جھوٹ تھا یہ...... تمھارے سارے پیپرز میں تمھارا نام اب بھی ڈینیل ایڈگر ہی ہے۔

اپنے انکل سے تم نے یہ کہا کہ تم نے میرے ساتھ کوئی ایڈجسٹمنٹ کی ہے اور مذہب نہیں بدلا۔ ابھی بھی یہودی ہو اور یہ بات میں بھی جانتی ہوں لیکن مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں...... تم مجھے ایک ہفتے کا کہہ کر جرمنی گئے تھے اور اس کے بعد یک دم رابطہ ختم کر دیا اور اب تم ایک ماہ بعد کس لیے آئے ہو۔ یہ میں نہیں جانتی مگر جو کچھ تم کہہ رہے ہو اس کی حقیقت میں ضرور جانتی ہوں۔''

اس کا خیال تھا ایمان کے چہرے پر خوف ہوگا۔ شرمندگی ہوگی۔ وہ کوئی بہانا بنائے گا یا پھر معذرت کرے گا۔ وہاں ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ سرد اور بے تاثر چہرے کے ساتھ اسے یوں دیکھ رہا تھا جیسے اس سے یہی سب کچھ سننے کی توقع رکھتا ہو۔

''تمھیں چھوڑ کر چلا گیا، اس لیے تم نے مجھے شوٹ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔'' اس کی آواز بھی اس کے چہرے کی طرح بے تاثر تھی۔

''مجھے تمھارے چھوڑ کر جانے کی پروا نہیں ہے نہ ہی میں نے تمھیں اس وجہ سے...... تم نے مذہب بدلنے کا فریب دے کر مجھ سے شادی کی۔ میں تمھیں تمھارے اس گناہ کے لیے مارنا چاہتی ہوں اور صرف تمھیں ہی نہیں، خود کو بھی۔''

ایمان یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی کنپٹی سے بہنے والا خون اب اس کی شرٹ کو بھگو رہا تھا مگر وہ اس زخم کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

''کچھ اور کہنا چاہتی ہو تو وہ بھی کہو۔ میرا کوئی اور جھوٹ، اور فریب اور گناہ بھی میرے سامنے لاؤ...... یا پھر کوئی اور الزام ہو تو وہ بھی لگا دو...... آج سننا چاہتا ہوں کہ تمھارے دل میں میرے لیے کتنا زہر ہے۔ کتنی نفرت ہے۔ کتنی بداعتمادی ہے۔''

وہ تیز اور بے ترتیب سانس کے ساتھ مشتعل نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

''امید! تمھیں مجھ سے شادی نہیں کرنی چاہیے تھی کیونکہ تمھیں مجھ پر اعتماد نہیں تھا، نہ ہی اب ہے۔''

''ہاں بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو تم۔ مجھے تم جیسے گھٹیا اور ذلیل آدمی کے ساتھ شادی نہیں کرنا چاہیے تھی۔''

ایمان کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

''تم نہیں جانتے، اس ایک ماہ میں تم سے شادی کے فیصلے پر میں کتنا پچھتائی ہوں۔ تم نے میری پوری زندگی تباہ کر کے رکھ دی۔ میرے سارے خوابوں، ساری خواہشوں کو کوڑے کا ڈھیر بنا دیا اور میرے وجود کو ایک گٹر......''

''میں نے یا جہاں زیب نے؟'' وہ اس کے الفاظ پر ساکت رہ گئی تھی۔ وہ بے خوفی سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑا تھا۔

''اس کا نام مت لو۔'' وہ غرائی۔

''کیوں نہ لوں؟ میں نے تمھارا سچ سنا ہے، اب تم میرا سچ سنو۔ تمھاری زندگی میں نے تباہ نہیں کی جہاں زیب نے کی۔ اس دن جس دن وہ تمھیں چھوڑ کر چلا گیا۔''

''اس کا نام مت لو۔'' وہ یک دم چلائی۔

''کیوں تکلیف ہوتی ہے؟ یا وہ یاد آنے لگتا ہے؟ اور کیا فریب دیا ہے میں نے؟ کس گناہ کی دلدل کی بات کر رہی ہو؟ تم وہ عورت ہو جس سے محبت کی ہے میں نے اور پھر شادی کی ہے...... تمھارا بچہ میرا بھی بچہ ہے، میں اپنی بیوی اور بچہ چھوڑ کر بھاگ نہیں سکتا۔ تمھاری جگہ کوئی ایسی عورت

بھی ہوتی جس سے مجھے محبت نہ ہوتی وہ صرف میری گرل فرینڈ ہوتی۔ تب بھی میں اس گرل فرینڈ اور اپنے بچے کو چھوڑ کر بھاگتا نہیں۔ میں بے ضمیر نہیں ہوں...... میں یہ نہیں کہتا کہ میں نے تم سے جھوٹ نہیں بولا۔ میں نے تم سے جھوٹ بولے ہیں۔ کچھ مصلحت کی خاطر اور کچھ تمھیں پریشانی سے بچانے کے لیے۔ مگر تم کو سچ سننا ہے تو سنو۔ ہاں میں امریکہ گیا تھا۔ پہلے جرمنی پھر امریکہ۔ میں نے ویزا کی درخواست مذہبی رسومات میں شرکت کی وجہ بتا کر دی۔ مگر مذہبی رسومات میں جنازے میں شرکت بھی شامل ہے۔ میں یہودیوں کے کسی اجتماع میں شرکت کرنے نہیں گیا تھا۔ میں اپنے ایک فیملی فرینڈ کی آخری رسومات میں شریک ہونے کے لیے گیا تھا۔ میرے ماں باپ گھر بیچ کر غائب نہیں ہو گئے۔ میں نے اپنے ماں باپ کو ایک دوسری جگہ گھر خرید دیا ہے۔ پرانا گھر بیچ دیا۔ میں نے تم سے یہ کہا کہ آفس کے کام سے جا رہا ہوں جبکہ میں ریزائن کر چکا تھا؟ ہاں میں نے ریزائن کر دیا کیونکہ میرے کچھ اختلافات تھے جس کمپنی میں، میں کام کرتا ہوں، وہ بنیادی طور پر یہودیوں کی ہے اور میں یہاں اس کمپنی کی برانچ میں بہت اہم عہدے پر کام کر رہا تھا۔ میرا مسلمان ہونا اور میرے نام کی تبدیلی ان کے لیے ایک بہت بڑا شاک ہوتی اس لیے میں نے اس بات کو چھپائے رکھا مگر ابھی کچھ عرصے سے میرے بارے میں کچھ افواہیں ان تک پہنچی تھیں۔ شاید میں اب بھی ان کو یہ یقین دلا دیتا کہ یہ صرف افواہیں ہی ہیں مگر اب کچھ چیزیں بدل گئی ہیں۔

میں چاہتا تھا میرا بچہ جب اس دنیا میں آئے تو اسے کسی Identity Crisis (تشخص کا بحران) کا شکار ہونا نہ پڑے۔ میں مسلم ہوں تو مجھے ایک مسلم کے طور پر پہچانا جانا چاہیے۔ میں تمھارے اور اپنے بچے کے لیے کوئی مسائل کھڑے کرنا نہیں چاہتا تھا کوشش کر رہا تھا ہر چیز صحیح جگہ پر آ جائے اس لیے میں نے ریزائن کر دیا۔"

وہ دم بخود اس کی باتیں سن رہی تھی۔

"تمھیں اس لیے نہیں بتایا کہ تم پریشان ہو گی۔ چند ہفتوں تک میرے پاسپورٹ اور دوسری ڈاکومنٹس میں بھی تم میرا تبدیل شدہ نام اور مذہب دیکھو گی کیونکہ میں اس کے لیے اپلائی کر چکا ہوں۔ اپنے سارے ڈاکومنٹس لے کر فرار نہیں ہوا۔ اس لیے ساتھ لے کر گیا تھا کیونکہ مجھے جاب کے لیے کچھ جگہوں پر اپلائی کرنا تھا۔ یہاں کچھ ملٹی نیشنل کمپنیز سے میری بات ہوئی مگر مجھے انٹرویو کے لیے ان کے ہیڈ آفس ہی جانا پڑا۔ بنیادی طور پر میں اسی لیے جرمنی اور امریکہ گیا تھا...... بینک اکاؤنٹس اس لیے بند کروا دیا کیونکہ وہ کمپنی کی طرف سے کھلوایا گیا تھا۔ اس میں جو روپیہ تھا اس سے میں نے اپنے پیرنٹس کو جرمنی میں ایک نسبتاً بہتر جگہ پر گھر خرید دیا۔ وہ لوگ کہیں غائب نہیں ہوئے۔ یہ سچ ہے کہ میں گھر چھوڑ رہا ہوں۔ گاڑی بھی کمپنی واپس لے لے گی...... تو؟ باہر جانے سے پہلے تمھیں فٹ پاتھ پر تو نہیں چھوڑ کر گیا۔"

اس کی آواز میں تلخی تھی۔

"یا تمھیں کسی نے گھر سے نکالا؟ اور میں گھر خالی کرنے کی ڈیٹ سے پہلے واپس آ چکا ہوں۔ تمھیں اگر نہیں بتایا تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تمھیں اب بھی جہاں لے کر جاؤں گا، وہ اتنا ہی اچھا گھر ہو گا۔ اس لیے تمھیں اس کے بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں تھی اور کس گرل فرینڈ کی بات کر رہی تھیں تم...... سمانتھا کی۔"

اس کے چہرے پر اب ایک تلخ مسکراہٹ تھی۔

''ہاں، وہ میرے ساتھ جرمنی ضرور گئی تھی مگر میں اس کو لے کر بھاگا نہیں تھا، یہ ایک اتفاق تھا کہ اسے بھی ان ہی دنوں واپس جانا تھا۔''

امید کو لگ رہا تھا کہ اس کا وجود آہستہ آہستہ سرد ہوتا جا رہا تھا۔

''تم سے رابطہ ٹوٹنے کی وجہ یہ تھی کہ میں ایک حادثے کا شکار ہو گیا تھا۔ امریکہ میں...... سڑک پر جاتے ہوئے دو آدمیوں نے مجھ پر حملہ کیا۔ میرا والٹ لے گئے اور میرے سر کی پشت پر کوئی چیز ماری۔ اس کے بعد کیا ہوا یہ مجھے یاد نہیں۔ ہاسپٹل میں کئی دن کے بعد مجھے ہوش آیا اور اس دوران وہ لوگ میرے بارے میں کچھ بھی نہیں جان سکے۔ کیونکہ میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد بھی مجھے ٹھیک سے کچھ یاد نہیں آ رہا تھا۔ میری یادداشت ٹھیک تھی مگر میں سب کچھ بھول جاتا تھا۔ یاد کرتے کرتے، نارمل ہوتے ہوتے کچھ اور دن لگ گئے۔ اس کے بعد جب میں نے رابطہ کرنے کی کوشش کی تو تم یہاں نہیں تھیں۔ راولپنڈی کا نمبر میرے والٹ میں تھا، اس لیے میں وہ بھی کھو بیٹھا۔ وہاں بھی تم سے رابطہ نہیں کر سکا۔ مگر میں نے سوچا کہ تم یہی سمجھی ہو گی کہ میں کچھ مصروفیات کی وجہ سے تم سے رابطہ نہیں کر پایا۔ اس لیے مجھے کوئی پریشانی نہیں تھی۔''

''ہاں یاد آیا۔ تم انکل کی بات کر رہی تھیں۔ میں نے ان سے جھوٹ بولا تھا۔ امید! میں اپنے ماں باپ سے بہت محبت کرتا ہوں اور میں نہیں چاہتا کہ اس خبر سے انھیں تکلیف پہنچے۔ میرے مذہب تبدیل کرنے کا اعلان انھیں رشتہ داروں کی نظروں میں بہت بے عزت کر دیتا۔ وہ لوگ ان کا بائیکاٹ کر دیتے۔ وہ میرے ساتھ صرف اس لیے بھی نہیں رہے کیونکہ وہ بڑھاپے میں اس علاقے میں رہنا چاہتے تھے جو ہمارا آبائی علاقہ ہے، جہاں ہمارے سارے رشتہ دار ہیں اور وہ لوگ میرے مذہب تبدیل کرنے پر ان سے بھی ناراض ہوئے اس لیے میں نے انکل سے جھوٹ بولا بلکہ سب سے ہی۔ مگر یہ جھوٹ میں اب نہیں بولنا چاہتا تھا کیونکہ اب مجھے اپنی اولاد کے بارے میں بھی سوچنا تھا۔''

وہ بات کرتے کرتے جیسے کچھ تھک کر رک گیا۔ امید بے یقینی کے عالم میں اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

''اس لیے میں نے انھیں سب کچھ بتا دیا۔ گھر خرید کر گفٹ کرنے کے بعد...... اور...... اس کے بعد جو ایک ہفتہ میں نے جرمنی میں گزارا وہ میری زندگی کا سب سے تکلیف دہ ہفتہ تھا۔ مجھے پہلے سمجھایا گیا، پھر ڈرایا گیا اور آخر میں مجھ سے سارے تعلقات ختم کر لیے گئے۔ میں نے اپنے ماں باپ کو مذہب کے بارے میں کبھی اتنا کٹر نہیں دیکھا جتنا اس بار دیکھا۔ انھوں نے مجھے دوبارہ کبھی اپنی شکل نہ دکھانے کے لیے کہا ہے۔ اس بار واپس آتے ہوئے میں اپنی کشتیاں جلا کر آیا ہوں اور یہ آسان کام نہیں تھا مگر میں نے ایسا کر لیا۔ اب اگر تم میرے انکل کو فون کر کے ان سے میرے بارے میں کچھ پوچھو گی تو وہ میرا نام گالیوں کے ساتھ لیں گے۔

مذہب تبدیل کرتے ہوئے مجھے لگا تھا، یہ بہت آسان کام ہے مگر یہ آسان کام نہیں تھا، خاص طور پر مجھ جیسے شخص کے لیے جو رشتوں کو بہت اہمیت دیتا ہو۔ اپنے ماں باپ کو یہ حقیقت بتانے کے بعد میں نے ان کا جو رویہ دیکھا اس نے مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا۔ میں سوچتا تھا خون کے رشتے گنوانے کے بعد میرے پاس کیا رہا ہے مگر پھر مجھے خیال آیا کہ میں حساب کیوں کر رہا ہوں۔ مذہب میں نے سودے بازی کی خاطر تو نہیں بدلا۔ جب ایک رستے پر چل پڑا ہوں تو پھر یہ کیوں سوچوں کہ میں کیا چھوڑ کر جا رہا ہوں یا منزل پر پہنچ کر حاصل ہونے والی چیزیں ان چھوڑنے والی

چیزوں سے زیادہ اور بہتر ہوں گی یا نہیں۔ کوئی بھی انسان ایک وقت میں دو کشتیوں پر سوار نہیں ہو سکتا اور میں یہی حماقت کر رہا تھا۔ میں نے اپنی مرضی کی ایک کشتی کا انتخاب کر لیا۔ اب اس کے بعد میں ڈوبوں یا بچ جاؤں مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔"

امید کو لگ رہا تھا وہ جس کھائی میں اب گری تھی اس سے کبھی باہر نہیں آ سکتی۔

"پھر جرمنی میں مجھے تمہارا اور اپنے بچے کا خیال آیا اور میں سوچتا کہ ایسا بھی نہیں ہے کہ میرے پاس کچھ ہے ہی نہیں۔ کچھ خونی رشتے جو مجھے چھوڑنے پڑے ہیں، ان کے بدلے میرے پاس دوسرے رشتے ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی تو ان کے سارے رشتہ داروں نے چھوڑ دیا تھا مگر پھر انہیں سب کچھ مل گیا تھا۔"

وہ ایک بار پھر وہی ریفرنس دے رہا تھا جسے وہ اس کی مکاری اور فریب سمجھتی تھی۔ امید کا دل چاہا، وہ ڈوب کر مر جائے۔

"میری زندگی میں مذہب اتنا اچانک داخل ہوا کہ میں کچھ سمجھ نہیں سکا۔ میرا ہمیشہ یہ خیال رہا کہ میری زندگی میں کوئی کمی نہیں ہے مگر باقاعدہ طور پر مذہب کو اپنی زندگی کا حصہ بنانے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ میں کتنی بڑی کمی کا شکار تھا۔ یہ دو سال میری زندگی کے سب سے اچھے سال تھے مگر آج...... آج تمھارے منہ سے یہ سب کچھ سن کر میں سوچ رہا ہوں، میں کہاں کھڑا ہوں...... اور میں یہ بھی سوچ رہا ہوں کہ ابھی آگے مجھے کس کس آزمائش سے گزرنا پڑے گا۔ ہر آسمانی مذہب انسان کو آزماتا ضرور ہے مگر اسلام تو انسان کو کچھ اور ہی طرح سے آزماتا ہے۔ یہ ایسی آزمائشیں سامنے لے آتا ہے جو بندے کو کندن بنا دیتی ہیں یا پھر راکھ کا ڈھیر۔ اور پچھلے ایک ڈیڑھ ماہ سے میں بھی ایسی ہی آزمائشوں سے گزر رہا ہوں۔ کندن بننے میں مجھے بڑا وقت لگے گا مگر مجھے فخر ہے کہ میں راکھ کا ڈھیر نہیں بنا۔"

امید نے اس کے چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ دیکھی۔

"جب میں بالکل مطمئن ہو چکا تھا کہ میرا کیریر بن چکا ہے، چند ماہ تک میری پروموشن ہونے والی تھی اور پھر اپنی کمپنی کا ریجنل ہیڈ بن جاتا مگر میرے سامنے دو راستے آ گئے۔ مجھے انتخاب کرنا تھا اور میں نے انتخاب کر لیا۔ ریزائن کر دیا۔ عجیب بات ہے مجھے کوئی پچھتاوا نہیں ہے اور اب اتنے سالوں کے بعد ایک بار پھر سے مجھے اپنا کیریر بنانا ہے۔ میں نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ میرے ماں باپ مجھے اس طرح چھوڑ دیں گے۔ مجھے لگتا تھا میرا ان کے ساتھ تعلق بہت گہرا ہے اور میں ان کی ناراضی برداشت نہیں کر سکتا مگر میں نے ان کی ناراضی کی پروا نہیں کی۔ ایک بار پھر مجھے انتخاب کرنا پڑا اور میں نے اپنے مذہب کو ان پر ترجیح دی اور اب تم میرے سامنے ایک آزمائش بن کر آ کھڑی ہوئی ہو۔ بے یقینی اور بے اعتمادی کی انتہا کے ساتھ۔ ڈینیل ایڈگر میرے وجود کا سایہ بن چکا ہے۔ یہ ساری عمر میرے ساتھ رہے گا۔ کوئی بھی شخص اپنا حال اور مستقبل تو بدل سکتا ہے مگر ماضی نہیں بدل سکتا۔ میں بھی نہیں بدل سکتا۔ یہ حقیقت ہمیشہ حقیقت ہی رہے گی کہ میں ایک یہودی کا بیٹا ہوں اور میری ماں کرسچین ہے مگر میں اس بارے میں کچھ نہیں کر سکتا۔ کیا اس حوالے سے ساری عمر مجھے گالیاں دو گی اور شک کرو گی؟ تم تو شادی سے پہلے ہی جانتی تھیں کہ میں یہودی ہوں، میری نسل کی خصوصیات کے بارے میں تم نے تب کیوں نہیں سوچا؟"

اس کے پاس ایمان کے سوال کا جواب نہیں تھا۔ اس کے پاس شاید اب کسی بھی سوال کا جواب نہیں تھا۔

''میری چند ہفتے کی غیر موجودگی میں تم نے میرے خلاف اس طرح ثبوت اکٹھے کیے جیسے میں کوئی بہت خطرناک مجرم تھا جس سے جتنی جلدی چھٹکارا پالیا جاتا، اتنا ہی بہتر ہوتا۔ رنگے ہاتھوں پکڑے جانے والے چور کو بھی صفائی کا موقع دیا جاتا ہے۔ تم نے تو مجھے اس قابل بھی نہیں سمجھا۔ مجھے قتل کرنے کی پلاننگ کر لی۔''

اس نے سر جھکا لیا۔

''یہ سب کچھ کرنے سے پہلے مجھ سے پوچھ سکتی تھیں، مجھ پر شک تھا تو مجھ سے بات کر سکتی تھیں۔ میں ہمیشہ سے جانتا تھا کہ تمھیں مجھ سے محبت نہیں ہے لیکن میں نے سوچا کہ محبت نہ ہونے کا مطلب یہ تو نہیں کہ محبت ہو نہیں سکتی۔''

امید نے اپنے پیروں کی انگلیوں پر پانی کے چند قطرے گرتے دیکھے تھے۔

''میرا خیال تھا، کچھ وقت گزرے گا پھر تم مجھ سے محبت کرنے لگو گی۔ میری محبت، میری توجہ، میرا ایثار، میری قربانیاں تمہارا دل جیت لیں گی۔ تم میری پروا کرنے پر مجبور ہو جاؤ گی، کوئی فلم ہو، ناول ہو، ڈرامہ ہو یا پھر حقیقی زندگی ان سب میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ مگر میرے ساتھ ایسا نہیں ہوا۔ مجھے یہ غلط فہمی تھی کہ جہاں زیب تمہاری زندگی کا ایک ایسا باب تھا جسے تم بند کر چکی ہو۔ میں یہ نہیں جانتا تھا کہ تم نے اسے ہمیشہ اپنے اور میرے درمیان رکھا۔ تم نے اس شخص کو کبھی اپنی زندگی سے جانے ہی نہیں دیا۔''

اس نے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔ ہاتھوں کی لرزش کو چھپانے کا کوئی دوسرا طریقہ نہیں تھا۔ ایمان کے لہجے میں جھلکتا ملال اس کے پورے وجود کو لرزا رہا تھا۔

''تمھیں پتا ہے امید! اس شخص نے تمہارے ساتھ کیا کیا؟ اس نے تمہارے اندر بے یقینی کا ایک بیج بو دیا اور تم نے اس بیج کو سینچ کر درخت بنا دیا، اب بے یقینی اور بے اعتمادی کا یہ درخت اتنا تناور ہو چکا ہے کہ تم چاہو بھی تو اسے کاٹ نہیں سکتیں۔''

اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ وہ نہیں جانتی تھی۔ ایمان بھی کبھی اس سے یہ سب کہہ سکتا ہے۔

''کوئی شخص اپنی بند مٹھیوں میں دھول لے کر آتا ہے اور آپ کی آنکھوں میں دھول پھینک کر چلا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر شخص کی بند مٹھی میں دھول ہی ہو جس سے بچنے کے لیے آپ کو اپنی آنکھیں بند کرنا پڑیں۔ کم از کم میری مٹھیوں میں تمہارے لیے کوئی دھول نہیں ہے۔'' وہ اسے اپنے ہاتھ دکھا رہا تھا۔ ''میں نے کبھی محبت کے وجود پر یقین نہیں کیا۔ شاید...... شاید اسی لیے مجھے محبت ہو گئی اور میری محبت نے مجھے یقین اور ایمان دیا۔ تم نے ہمیشہ محبت کے وجود پر یقین کیا۔ محبت تمھیں بھی ہوئی مگر تمہاری محبت نے تمھیں یہ دونوں چیزیں نہیں دیں۔''

وہ بالکل بے حس و حرکت اس کی باتیں سن رہی تھی۔

''ہم دونوں کی محبت کے معیار میں فرق تھا نہ انتہا میں...... جس شخص سے محبت کر رہے تھے۔ اس شخص میں فرق تھا۔ تم میں کھوٹ نہیں تھا جہاں زیب میں تھا۔ آگ کا کام پکانا ہوتا ہے اس پر سونا رکھو گے تو وہ اسے کندن بنا دے گی مگر پانی رکھو گے تو بھاپ بن کر اڑ جائے گا۔''

اسے لگ رہا تھا، سب کچھ ختم ہو رہا ہے۔

''ہم دونوں کے رشتے میں دراڑ آ گئی ہے مگر رشتہ ٹوٹا نہیں ہے۔ امید! ہمیں یہ ابھی طے کر لینا چاہیے کہ اس دراڑ کو پُر کر دینا چاہیے یا رشتہ مکمل طور پر توڑ دینا چاہیے۔ کوئی مجھے جان بوجھ کر ڈینیل ایڈگر کہے گا تو میں برداشت نہیں کروں گا۔ ڈینیل ایڈگر سے ایمان علی بننے تک میں نے ایک لمبا سفر طے کیا ہے۔ بہت کچھ چھوڑا ہے اور جس شخص کو میری اس شناخت پر یقین نہیں ہے مجھے اس کے ساتھ زندگی نہیں گزارنا۔''

اس کے لہجے میں قطعیت تھی۔

''تمھیں چھوڑتے ہوئے مجھے بہت تکلیف ہوگی۔ اس سے کہیں زیادہ تکلیف جتنی مجھے اپنے ماں باپ کو چھوڑتے ہوئے ہوئی مگر میں اب کسی کسوٹی پر پرکھا جانا نہیں چاہتا۔ میں بار بار لوگوں کو وضاحتیں پیش کر سکتا ہوں نہ یہ یقین دلا سکتا ہوں کہ میں واقعی مسلم ہوں۔ میں کسی کو یہ یقین دلانا بھی نہیں چاہتا۔ میں نے لوگوں کے لیے اسلام قبول نہیں کیا۔ یہ کام میں نے اللہ کے لیے کیا ہے اور میری نیت کو جانچنے کا اختیار صرف اسے ہے۔ کسی دوسرے کو نہیں، تمھیں بھی نہیں۔''

وہ اس کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''اگر تمھیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے یا یہ شبہ ہے کہ میں ابھی بھی مسلم نہیں ہوں تو پھر تمھیں مجھ کو چھوڑ دینا چاہیے۔ مجھ سے الگ ہو جانا چاہیے۔'' اس کی آواز میں شکستگی تھی۔ میرے ساتھ رہ کر اگر تم خوش نہیں ہو تو تمھیں حق ہے کہ تم میرے ساتھ نہ رہو۔ مگر اپنے ذہن سے یہ نکال دو کہ میں تمھیں چھوڑ کر بھاگ گیا یا آئندہ کہیں بھاگ جاؤں گا۔ میں تمھیں اور اپنے بچے کو مکمل طور پر اپناتا ہوں۔ تم میرے بچے کو اپنے پاس رکھ سکتی ہو میں تم دونوں کی ذمہ داری لیتا ہوں جب تک بچے کو اپنے پاس رکھنا چاہو رکھ سکتی ہو۔ اگر دوسری شادی کرنا چاہو اور بچے کو پاس نہ رکھنا چاہو تو میں اسے اپنے پاس لے جاؤں گا۔ ابھی میں پاکستان میں ہی ہوں، جتنا عرصہ یہاں رہوں گا تم دونوں سے رابطے میں رہوں گا۔ اگر واپس کہیں اور جانا پڑا تب بھی تم لوگوں کے اخراجات پورے کرتا رہوں گا۔ اس کے بدلے میں یہ ضرور چاہوں گا کہ تم مجھے اپنے بچے سے ملتے رہنے دو۔''

اسے شاید پہلی بار اپنی کنپٹی سے بہنے والے خون کا احساس ہوا تھا اپنے زخم کو اس نے ہاتھ سے چھوا اور پھر انگلیوں پر لگے ہوئے خون کو دیکھا۔ سر اٹھا کر اس نے امید کو دیکھا۔ شاید وہ کچھ اور کہنا چاہتا تھا مگر پھر وہ کچھ کہنے کے بجائے اسٹڈی ٹیبل کی طرف بڑھ گیا۔ دراز کھول کر اس نے کچھ نکالا تھا اور پھر امید کی طرف اچھال دیا۔ امید نے اپنے پیروں میں گرنے والی اس چیز کو دیکھا اور ہونٹ بھینچ لیے۔ وہ ریوالور کی گولیاں تھیں۔

''مجھے اگر ایک لمحے کے لیے بھی یہ خیال آ جاتا کہ یہ ریوالور یہاں تم نے مجھے مارنے کے لیے رکھا ہے تو میں کبھی اس میں سے گولیاں نہ نکالتا۔ موت تمھارے منہ سے نکلنے والے لفظوں سے زیادہ تکلیف دہ نہیں ہو سکتی تھی۔''

وہ زمین میں دھنستی جا رہی تھی۔

''مجھے تم سے اس قدر محبت ہے امید! کہ تمھیں اتنی لمبی چوڑی پلاننگ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ چوکیدار کو بھیجنا، ریوالور کو چھپانا، ملازم کو غائب کرنا......'' وہ عجیب سے انداز میں ہنسا۔ ''تم جب چاہتیں میرے سامنے کھڑے ہو کر مجھے مار سکتی تھیں، میں کبھی تمہارا ہاتھ نہیں پکڑتا نہ تمھیں کوئی نقصان پہنچاتا۔ چاہو تو ابھی آزما کر دیکھ لو۔''

وہ کچھ دیر اس کے سامنے جیسے منتظر سا کھڑا رہا۔ یوں جیسے اسے یہی کرنے کی دعوت دے رہا ہو۔ وہ ہل نہیں سکی۔ وہ تھکے تھکے انداز میں اسٹڈی کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ امید نے دروازہ کھلنے کی آواز سنی مگر وہ اسٹڈی سے نکلنے کے بجائے وہیں رک گیا۔

''تم اگر پچھتا رہی ہو تو......مت پچھتاؤ......میں تمھیں اس سب کے لیے معاف کرتا ہوں۔ مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے۔'' اسٹڈی کا دروازہ بند ہو گیا۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

وہ اسٹڈی سے نکل کر کچن میں آ گیا۔ فریج کھول کر اس نے پانی کی بوتل نکالی اور ڈائننگ ٹیبل پر آ کر بیٹھ گیا۔ گلاس میں پانی ڈال کر اس نے پانی کے چند گھونٹ پیے۔ سر میں کچھ دیر پہلے لگنے والے زخم کی تکلیف کا احساس اسے اب ہو رہا تھا مگر اس میں اتنی ہمت نہیں رہی تھی کہ وہ اٹھ کر اپنے زخم کو صاف کر کے بینڈیج کرنے کی کوشش کرتا۔ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں پھنسائے کہنیاں ٹیبل پر رکھے وہ سامنے پڑے ہوئے گلاس کو دیکھتا جا رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے ہونے والے واقعات اسے ایک خواب کی طرح لگ رہے تھے۔ مگر وہ جانتا تھا کہ وہ سب خواب نہیں تھا۔

وہ جیسے دنیا کے آخری سرے پر آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ واپس جانے کا راستہ وہ بھول چکا تھا۔ آگے قدم بڑھانے پر پیر کے نیچے زمین آئے گی، خلا آئے گا یا پھر پانی، وہ نہیں جانتا تھا۔

''کیا میں اب اس طرح اکیلا رہ سکتا ہوں جس طرح امید کے آنے سے پہلے رہتا تھا۔'' اسے اپنی آنکھوں میں پہلی بار نمی امڈتی محسوس ہوئی۔ ہونٹ بھینچ کر اس نے خود پر قابو پانے کی کوشش کی تھی۔ تھکن کا احساس کچھ اور بڑھ گیا تھا۔ اس نے پیچھے ہٹ کر اپنی پشت کرسی سے ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔

ڈائننگ ٹیبل کے اوپر لٹکنے والے لیمپ کی روشنی میں ڈائننگ ٹیبل کی ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے ایمان کے علاوہ ہر چیز دھندلی نظر آ رہی تھی۔ اس کا وجود اس روشنی میں بے حس و حرکت نظر آ رہا تھا اور اس کے چہرے پر پڑنے والی روشنی چہرے پر موجود ہر تاثر کو واضح کر رہی تھی۔ تھکن......مایوسی......افسردگی......بے یقینی......بے چینی......اضطراب اور......''امید''......وہاں کیا تھا؟......وہاں کیا نہیں تھا؟

♥ ...... ♥ ...... ♥

باب 7

''پھر تم نے کیا طے کیا ہے؟'' اس رات ڈنر پر سبل نے پیٹرک سے پوچھا۔

''کیا طے کرنا ہے...... میرا خیال ہے، جو تم کہہ رہی ہو وہی ٹھیک ہے۔ اس کا فیصلہ ڈینی کو ہی کرنا چاہیے۔'' پیٹرک نے بڑے مطمئن انداز میں کہا۔

اس کی بات پر سبل مسکرائی۔ ''ڈینی جب بڑا ہوگا تو وہ ہم دونوں کے مذہب کا مطالعہ کرے گا جس مذہب میں اسے زیادہ دلچسپی محسوس ہوگی اسے وہی اختیار کرنا چاہیے کم از کم اس طرح اس کے ذہن میں کوئی الجھن نہیں ہوگی۔ میں نے اسی لیے تمھیں یہ مشورہ دیا تھا۔''

''ہاں ٹھیک ہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔''

''میرا خیال تھا، شاید تمھیں کوئی اعتراض ہوگا۔ کیونکہ مجھ سے زیادہ مذہبی ہو۔''

''نہیں خیر، اتنا مذہبی نہیں جتنا تم سمجھ رہی ہو۔ مذہب اصل میں بہت وقت مانگتا ہے اور میرے پاس وقت کی کمی ہے۔''

''پھر بھی ہر ہفتے تم عبادت کے لیے تو باقاعدگی سے جاتے ہو۔'' سبل نے اسے کچھ جتانے والے انداز میں کہا۔

''ہاں جاتا ہوں۔ میرے لیے وہاں جانے کی اہمیت عبادت سے زیادہ ایک روایت کی حیثیت سے ہے۔ ماں باپ نے ایک عادت بنادی ہے۔ مگر مجھے اس روٹین سے الجھن نہیں ہوتی۔ جہاں دوسرے بہت سے کام ہوتے ہیں، چلو یہ بھی سہی۔'' وہ کھانا کھاتے ہوئے اسے بتا رہا تھا۔

''اتنی مصروف زندگی میں مذہب کے لیے وقت نکالنا واقعی بہت مشکل کام ہے۔ مجھے تمہاری اس روٹین پر بہت حیرت ہوتی ہے۔ خود مجھے تو ہفتے بلکہ مہینے میں ایک بار بھی چرچ جانا بہت مشکل لگتا ہے۔'' سبل نے کندھے اچکا کر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''میں نے کہا نا، مجھے عادت ہو چکی ہے ورنہ اور کوئی بات نہیں۔'' پیٹرک کھانے سے تقریباً فارغ ہو چکا تھا۔

پیٹرک ایڈگر جرمنی کے ایک اچھے یہودی گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا خاندان بہت کٹر قسم کے یہودیوں پر مشتمل تھا۔ پیٹرک کے ماں باپ بھی بہت زیادہ مذہبی تھے۔ اپنی ساری اولاد کو انھوں نے اسی راستے پر چلانے کی کوشش کی۔ ہٹلر کے زمانے میں جرمنی میں یہودیوں کو بڑے پیمانے پر قتل کرنے کے بعد باقی یہودیوں کو جلاوطن کر دیا گیا۔

پیٹرک کی فیملی بھی اس زمانے میں امریکہ آ گئی تھی مگر جرمنی کے دو ٹکڑے ہونے کے بعد جب یہودیوں نے آہستہ آہستہ واپس جرمنی جانا شروع کیا تو پیٹرک کی فیملی بھی واپس چلی گئی۔ مگر پیٹرک نے اپنے ماں باپ کے ساتھ واپس جانے کے بجائے امریکہ میں ہی سیٹل ہونے کا فیصلہ کیا۔ ماں باپ کی مخالفت اور ناراضگی کے باوجود وہ اپنے اس فیصلے پر قائم رہا۔ امریکہ میں اس کو اپنے لیے سب کچھ خود ہی کرنا پڑا کیونکہ اس کی فیملی واپس جا چکی تھی اور واپس جانے کے بعد وہ نئے سرے سے وہاں سیٹل ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس لیے ان کے لیے ممکن نہیں تھا کہ وہ پیٹرک

کی کسی بھی طرح سے مالی مدد کرتے۔

پیٹرک نے مکینیکل انجینئرنگ کرنے کے کچھ عرصے بعد ایک بہت اچھی امریکن کمپنی میں ملازمت کرلی۔ اس ملازمت کے کچھ عرصے کے بعد جب وہ اپنے والدین کے پاس دو ہفتے کی چھٹیاں گزارنے جرمنی آیا ہوا تھا تو اس کی ملاقات سبل سے ہوئی۔

سبل ایک ٹرکش عیسائی تھی۔ پیٹرک کی طرح وہ بھی اپنے والدین کے ساتھ جرمنی میں آکر سیٹل ہوگئی تھی۔ دونوں کے درمیان فرق صرف یہ تھا کہ پیٹرک کا آبائی وطن جرمنی ہی تھا اور سبل کا آبائی وطن ترکی تھا۔ دونوں کے درمیان بڑی تیزی سے روابط بڑھے اور پھر یہ روابط شادی کے پرپوزل تک آگئے۔

شادی کے اس پرپوزل پر دونوں کے خاندانوں نے سخت ناراضگی کا اظہار کیا تھا۔ پیٹرک کے والدین چونکہ کٹر یہودی تھے، اس لیے وہ پیٹرک کی شادی بھی اپنی کمیونٹی کی کسی لڑکی سے کرنا چاہتے تھے۔ دوسری طرف سبل ایک کیتھولک گھرانے سے تعلق رکھتی تھی اور یہودیوں کے بارے میں اس کے ماں باپ کو بہت زیادہ اعتراضات تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ وہ کسی عیسائی فیملی میں ہی شادی کرے مگر دونوں نے اپنے خاندان کے اختلافات کے باوجود شادی کرلی۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

شادی کے بعد سبل پیٹرک کے ساتھ امریکہ آگئی اور وہاں اس نے ایک معروف ادارے میں جرمن ٹرانسلیٹر کے طور پر کام شروع کردیا۔ کافی عرصے تک دونوں کے خاندان اس شادی پر ناراض ہی رہے مگر پھر آہستہ آہستہ دونوں کے خاندانوں نے اس شادی کو قبول کرلیا۔

پیٹرک اور سبل میں بہت سی باتیں مشترکہ تھیں۔ دونوں کے خاندان مذہبی اور کٹر تھے۔ ان کی تربیت ایک مخصوص ماحول میں ہوئی تھی جہاں اخلاقیات کو بہت اہمیت دی جاتی تھی۔ دونوں ہی بہت سوشل نہیں تھے۔ شاید اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ ان کے خاندان میں ہر کسی سے میل جول بڑھانے کا رواج نہیں تھا۔ بہت سے معاملات کے بارے میں ان کا نقطہ نظر خاصا قدامت پرست تھا۔ سبل کی پیدائش اور پرورش ترکی میں ہوئی تھی اور اس پر اس معاشرے کا خاصا اثر تھا جس میں اس نے پرورش پائی تھی۔

لباس کے معاملے میں وہ لاشعوری طور پر بہت محتاط ہوگئی تھی۔ مغربی معاشرے میں رہنے کے باوجود وہ ایسے لباس کو پسند نہیں کرتی تھی جو اس کے جسم کو پوری طرح سے ڈھانپ نہ سکتا ہو اور ایسا لباس پہننے سے وہ ہمیشہ گریزاں رہتی تھی۔ پیٹرک بھی اس معاملے میں خاصا قدامت پرست تھا۔ وہ خود بھی سبل کو اس طرح کے کپڑوں میں دیکھنا پسند نہیں کرتا تھا۔ دونوں شراب پیتے تھے مگر اس کا استعمال صرف کسی فنکشن میں ہی کرتے تھے۔ سبل کے ذہن پر اس معاملے میں اپنے والدین کے بچپن سے دیے جانے والے وعظ کا خاصا اثر تھا اور یہی وجہ تھی کہ جب پیٹرک بعض دفعہ گھر میں بھی شراب پینے کی کوشش کرتا تو وہ اسے روک دیا کرتی تھی۔ دونوں کا حلقہ احباب محدود تھا اور وہ بھی ان ہی لوگوں پر مشتمل تھا جو ان ہی کی طرح کچھ اخلاقی قدریں رکھتے تھے۔ دونوں کی زندگی میں کسی نہ کسی حد تک مذہب کا عمل دخل رہا تھا اور امریکہ میں رہنے کے باوجود یہ عمل دخل کم نہیں ہوا تھا۔

شاید اگر وہ امریکہ میں کچھ زیادہ عرصہ گزارتے تو ان کے طرز زندگی میں اور خیالات میں نمایاں تبدیلیاں آجاتیں مگر امریکہ میں آنے کے

ایک ڈیڑھ سال بعد ہی پیٹرک کی کمپنی نے اسے اردن میں بھجوا دیا جہاں وہ کچھ بہت بڑے تعمیراتی پروجیکٹس کے لیے تین سال رہا۔ تین سال کے بعد اسے مڈل ایسٹ کے ہی ایک اور ملک مراکش میں بھیج دیا گیا۔ وہاں اس کا قیام دو سال رہا اور پھر یہ سلسلہ چل نکلا۔ ان دونوں کو مڈل ایسٹ اور ایشیا کے بہت سے ملکوں میں رہنے کا اتفاق ہوا اور ان میں سے زیادہ تر ممالک مسلم تھے۔ یورپ یا امریکہ میں لمبے قیام کا انھیں موقع نہیں ملا۔ اس لیے ان کی قدامت پرستی نہ صرف برقرار رہی بلکہ اس میں کسی حد تک اضافہ بھی ہوا۔

سبل مختلف ممالک میں قیام کے دوران مختلف سفارت خانوں کے تحت چلنے والے اسکولز میں پڑھاتی رہی۔ وہ ایک بہت مہربان اور فیاض قسم کی لڑکی تھی۔ پیٹرک کے ساتھ اس کی بہت اچھی انڈراسٹینڈنگ تھی اور مذہب کے فرق کے باوجود وہ اس کے ساتھ ایک بہت اچھی زندگی گزار رہی تھی۔ مذہب کے بارے میں دونوں بہت زیادہ بات نہیں کرتے تھے۔ مذہبی روایات کی پیروی کرنے کے باوجود مذہبی رسومات پر عمل کرنا ان کے لیے خاصا مشکل ہو گیا تھا اور آہستہ آہستہ مذہب ان کی زندگی میں ثانوی حیثیت اختیار کر گیا۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

ڈینیل کی پیدائش مراکش میں ہوئی اور اس کی پیدائش پر پہلی بار پیٹرک اور سبل اس الجھن کا شکار ہوئے کہ ڈینیل کو کس مذہب کو اختیار کرنا چاہیے۔ دونوں کی خواہش تھی کہ وہ ان کے مذہب کو اختیار کرے مگر دونوں ہی ایک دوسرے کے سامنے اس خواہش کا اظہار کرنے سے جھجکتے تھے اور اس کشمکش میں ڈینیل کسی مذہب کو اختیار کیے بغیر ہی پرورش پانے لگا۔

پہلی بار دونوں کے درمیان ڈینیل کے مذہب کے بارے میں تب بات ہوئی جب پیٹرک سبل کے ساتھ چھٹیوں میں جرمنی گیا تھا۔ پیٹرک اور سبل کے ماں باپ نے ڈینیل کو پہلی بار دیکھا تھا۔ ڈینیل اس وقت دو سال کا تھا۔

پیٹرک کے والدین کو اتفاقاً یہ پتا چل گیا پیٹرک نے ڈینیل کے مذہب کے حوالے سے ابھی کچھ طے نہیں کیا۔ اس بات نے انھیں بھڑکا دیا تھا۔

''وہ تمہارا بیٹا ہے، اسے یہودی ہونا چاہیے۔ اس معاملے میں کسی دوسری سوچ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' اس کے باپ نے سختی سے پیٹرک سے کہا۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مگر آپ جانتے ہیں کہ سبل کیتھولک ہے اور اس طرح میں ڈینیل کے مذہب کے بارے میں اپنی مرضی سے کوئی فیصلہ کرنے کی کوشش کروں گا تو اسے اعتراض ہوگا۔'' پیٹرک نے وضاحت پیش کی۔

''میں اسی لیے چاہتا تھا کہ تم سبل سے شادی نہ کرو۔'' اس کے باپ کے اشتعال میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔

''بہرحال سبل کو اس معاملے میں بولنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اولاد ہمیشہ وہی مذہب اختیار کرتی ہے جو باپ کا مذہب ہوتا ہے۔''

''یہ ضروری نہیں ہے ڈیڈی! اولاد کو وہی مذہب اختیار کرنا چاہیے جو اس کو اپنی طرف متوجہ کرے۔ جس میں اسے دلچسپی محسوس ہو۔''

پیٹرک نے ان کے غصے کو کم کرنے کی کوشش کی مگر اس کوشش نے الٹا اثر کیا تھا۔ ایڈگر کچھ اور بھڑک گیا۔

''مجھے عقل سکھانے کی کوشش مت کرو۔ تمہارے دماغ میں یہ خناس بٹھانے والی تمہاری بیوی ہے۔ تم اپنے بیٹے کو یہودی نہیں بناؤ گے تو کیا کیتھولک بناؤ گے؟''

''اس بارے میں ابھی ہم دونوں نے کچھ طے نہیں کیا۔''

''تم دونوں کو کچھ طے کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ وہ ایک پیدائشی یہودی ہے اور یہودی ہی رہے گا۔'' ایڈگر نے فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔

پیٹرک نے ان سے مزید بحث کرنا مناسب نہیں سمجھا اور خاموش ہو گیا۔ مگر جرمنی سے واپس آنے کے فوراً بعد اس نے سبل سے اس سلسلے میں بات کی۔

''ہمیں ڈینیل کے بارے میں کچھ طے نہیں کرنا چاہیے۔ وہ کون سا مذہب اختیار کرتا ہے یہ اس کے ہاتھ میں دے دینا چاہیے۔ بہت ممکن ہے کہ ابھی ہم اس کے لیے جس مذہب کا انتخاب کریں۔ بڑا ہو کر وہ اس کے بجائے دوسرے مذہب کی طرف راغب ہو جائے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ ہم دونوں اس کو اپنے اپنے مذہب کے بارے میں ساری معلومات دیتے رہیں۔ اسے اپنے ساتھ عبادت اور دوسری رسوم میں بھی شریک کرتے رہیں مگر باقاعدہ طور پر اسے یہودی یا عیسائی بنانے کی کوشش نہ کریں۔'' سبل نے جیسے ایک تجویز اس کے سامنے رکھ دی تھی۔

''مگر سبل! میری فیملی کو اس پر اعتراضات ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ بچہ ہمیشہ وہی مذہب اختیار کرتا ہے جو اس کے باپ کا ہو اس لیے ڈینیل کو بھی یہودی مذہب کو اختیار کرنا چاہیے۔''

سبل نے ایک ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی بات سنی۔ ''میرے خاندان والوں کو بھی اس پر بہت سے اعتراضات ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ بچے کی ماں میں ہوں اور میں اس کے لیے اچھے اور برے راستے کا تعین بہتر طور پر کر سکتی ہوں، کیونکہ بچہ باپ کی نسبت ماں سے زیادہ قریب ہوتا ہے اس لیے اسے میرا مذہب اختیار کرنا چاہیے لیکن میں نے ان کے اس اعتراض کو رد کر دیا۔ میں نے اپنے والدین سے یہی کہا کہ ڈینیل اپنی مرضی سے اپنے لیے مذہب کا انتخاب کرے گا اور اپنی مرضی سے کیا جانے والا یہ انتخاب ہمارے باہمی رشتے پر اثر انداز نہیں ہو گا مگر اس طرح صرف خاندان کے دباؤ پر کیا جانے والا کوئی بھی فیصلہ ہمارے باہمی تعلق اور اعتماد کو بری طرح متاثر کرے گا۔''

پیٹرک خاموش ہو گیا۔ وہ واقعی اتنا مذہبی نہیں تھا کہ صرف مذہب کی خاطر اپنے اور سبل کے رشتے کی قربانی دے دیتا۔ یا باہمی تعلقات میں آنے والی کوئی دراڑ قبول کر لیتا۔ مذہب ویسے بھی ان کے لیے ایک اضافی چیز تھی، روٹین میں شامل، کوئی ایسی ضرورت نہیں تھی جسے پورا کرنے کے لیے وہ باہمی اختلافات کو بھی برداشت کر لیتے۔ یہی وجہ تھی کہ جب سبل نے دوبارہ اس کا فیصلہ پوچھا تو اس نے بھی اس کی تجویز سے اتفاق کر لیا کہ ڈینیل کے لیے اپنی مرضی سے مذہب کا انتخاب ہی بہتر رہے گا۔

ڈینیل اسی ماحول میں پرورش پاتا رہا۔ ماں اسے اپنے مذہب کے بارے میں بنیادی باتوں سے آگاہ کرتی رہتی۔ باپ اسے اپنے مذہب کے بارے میں بتاتا رہتا۔ جب بھی سبل اور پیٹرک عبادت کے لیے اپنی اپنی عبادت گاہوں میں جاتے وہ ڈینیل کو بھی ساتھ لے جاتے۔ وہ بڑی دلچسپی سے یہودیوں اور کیتھولکس کی مذہبی رسومات دیکھتا۔ اس کے لیے یہ سب ایسا ہی تھا جیسے مہینے میں کبھی تھیٹر چلے جانا یا پارک میں تفریح کے لیے

جانا۔ وہ دونوں جگہ جا کر انجوائے کرتا تھا۔

شروع میں پیٹرک ہر ہفتے اپنی عبادت گاہ باقاعدگی سے جایا کرتا تھا مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی یہ روٹین تبدیل ہوتی گئی۔ ویسے بھی دوسرے ممالک میں یہودیوں کی عبادت گاہوں کی تعداد کم تھی اور اس کا زیادہ تر قیام ایسے علاقوں میں ہوتا تھا جہاں پر اکثر ان کی عبادت گاہ نہیں ہوتی تھی۔ اس کے برعکس سبل وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ باقاعدگی سے چرچ جانے لگی۔ پیٹرک کے برعکس اسے ہمیشہ ہی عبادت کے لیے ہر جگہ کوئی نہ کوئی چرچ مل ہی جایا کرتا تھا۔ امریکہ میں قیام کے دوران اس کی سرگرمیوں کی نوعیت دوسرے ممالک میں قیام سے مختلف ہوتی تھی۔ ان ممالک میں اس کی سرگرمیاں زیادہ محدود ہوتی تھیں۔ ایمبیسی کے اسکول میں پڑھانے کے بعد اس کا زیادہ تر وقت گھر پر ہی گزرتا تھا اور ڈینیل پر ماں کے خیالات و نظریات کا اثر گہرا ہوتا گیا۔

اس نے ماں سے بہت کچھ سیکھا تھا۔ کچھ لاشعوری طور پر اور کچھ شعوری طور پر۔ سبل عیسائی ہونے کے باوجود مشرقی روایات کو نہ صرف پسند کرتی تھی بلکہ بہت سی مشرقی روایات اس نے اپنائی بھی تھیں۔ مشرق کے لیے یہ پسندیدگی ڈینیل میں بھی منتقل ہوئی تھی اس نے اپنی ابتدائی زندگی ایسے ماحول میں گزاری تھی جہاں مغرب کی آزادی کا نہ صرف کوئی تصور نہیں تھا بلکہ اس آزادی کو ناپسند بھی کیا جاتا تھا۔ اسکولز میں بھی وہ زیادہ تر مسلمان اسٹوڈنٹس کے ساتھ ہی پڑھتا رہا اور وہاں بھی آزادی کے کسی نئے تصور سے وہ آشنا نہیں ہو سکا۔ گھر آنے کے بعد وہ سارا وقت سبل کے ساتھ ہی گزارا کرتا تھا کیونکہ غیر ملکی ہونے کی حیثیت سے سبل اور پیٹرک باہر آمدورفت میں خاصے محتاط تھے۔ ان کا آنا جانا مخصوص فیملیز میں تھا۔ ڈینیل اگر کبھی سیر و تفریح کے لیے کہیں جاتا بھی تو سبل اور پیٹرک کے ساتھ ہی۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

پندرہ سال کی عمر میں وہ واپس امریکہ آیا تھا اور امریکہ آ کر وہ ایڈجسٹمنٹ کے پرابلمز سے دوچار ہونے لگا تھا۔ امریکہ میں آ کر ملنے والی آزادی کو پسند کرنے کے بجائے وہ ناپسند کرنے لگا تھا۔ اس کے لیے یہ ایک ایسی دنیا تھی جو اس کے نظریات سے میچ نہیں کرتی تھی۔ ماں باپ کی طرح وہ بھی خاصا ریزرو تھا اور اس کی یہ عادت خوبی کے بجائے ایک خامی کی طرح اسے ہر جگہ بہت زیادہ نمایاں کرنے لگی۔

"پاپا! میں واپس انڈیا جانا چاہتا ہوں۔" اس نے امریکہ آنے کے بعد ایک دن پیٹرک سے کہا تھا۔ پیٹرک کی آخری پوسٹنگ انڈیا میں ہوئی جہاں دو سال قیام کے دوران وہ دارجلنگ کے ایک بورڈنگ میں پڑھتا رہا تھا۔ پیٹرک نے کچھ حیرت سے اسے دیکھا۔

"کیوں ڈینیل؟"

"میں یہاں نہیں رہ سکتا۔ یہاں سب کچھ بہت عجیب ہے۔ اسکول میں میرے کلاس فیلوز ڈرگز استعمال کرتے ہیں اور......" وہ کہتے کہتے رک گیا۔ "مجھے ان کی عادتیں اور حرکتیں پسند نہیں ہیں۔"

پیٹرک نے اسے غور سے دیکھا۔ وہ بہت بے چین اور مایوس نظر آ رہا تھا۔

"میں جانتا ہوں ڈینیل! یہاں کا ماحول کچھ اور طرح کا ہے مگر تمہیں خود کو اس کا عادی بنانا چاہیے کیونکہ اب تمہیں اعلیٰ تعلیم یہیں حاصل کرنی

چاہیے۔''

''پاپا! مجھے اسکول کا ماحول پسند نہیں ہے۔''

''میں تمھیں کسی دوسرے بہتر اسکول میں داخل کروا دیتا ہوں۔''

''پاپا! مجھے یہاں کی زندگی پسند نہیں ہے۔ میں یہاں ایڈجسٹ نہیں ہو سکتا۔ مجھے لگتا ہے میں کسی ایلین کی طرح غلط جگہ پر آ گیا ہوں۔ میرے کلاس فیلوز میرا مذاق اڑاتے ہیں۔ بے ہودہ باتیں کرتے ہیں۔''

''تم انھیں نظر انداز کر دیا کرو...... ہر جگہ کا اپنا ایک مخصوص کلچر ہوتا ہے۔ یہاں کا طرزِ زندگی یہی ہے۔'' سبل نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

''لیکن ممی! مجھے یہ سب پسند نہیں ہے۔''

''مجھے بھی نہیں ہے، مگر بہر حال ہمیں یہیں رہنا ہے۔'' سبل نے کہا۔

''آپ مجھے انڈیا بھیج دیں۔ میں اپنا اے لیولز وہاں سے کر لوں گا۔ اس کے بعد پھر کسی بھی یونیورسٹی میں یہاں آ جاؤں گا۔''

''وہاں تعلیم کا معیار اچھا نہیں ہے بلکہ کسی بھی ایشیائی ملک میں ایسا نہیں ہے۔ تمھیں یہاں رہ کر اپنا مائی سکول مکمل کرنا ہوگا، اس کے بعد تم اپنی مرضی کی یونیورسٹی میں چلے جانا۔ ان دو چار سالوں میں تم یہاں ایڈجسٹ ہو جاؤ گے پھر یونیورسٹی میں تعلیم کے دوران تمھیں ایڈجسٹمنٹ کی کوئی پرابلم نہیں ہوگی۔'' سبل نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''ویسے بھی تمھیں جاب کرنی ہوگی اور اچھی جاب تمھیں کسی ایشیائی ملک میں نہیں مل سکتی۔ جہاں تک کلاس فیلوز کی حرکتوں یا عادتوں کا تعلق ہے، تمھیں ان سے اتنا میل جول بڑھانے کی ضرورت نہیں ہے، وہ اگر تمہارا مذاق اڑاتے ہیں تو اڑانے دو۔ جن لوگوں میں اخلاقیات کی کمی ہوتی ہے وہ اپنے رویے اور طور طریقے سے یہ بتاتے رہتے ہیں کہ وہ کتنی خامیوں کا مجموعہ ہیں۔ اب انھیں کاؤنٹر کرنے کے لیے ضروری نہیں ہوتا کہ دوسرا بھی اپنی ویلیوز کو چھوڑ دے۔ انھیں ان کے راستے پر چلنے دو اور تم اپنے راستے پر چلتے رہو۔'' سبل نے اسے سمجھایا۔

اس دن ماں کی باتیں اس نے بہت غور سے سنیں اور ہمیشہ کی طرح ذہن میں بٹھا لیں۔ پھر آہستہ آہستہ وہ خود کو اس نئے ماحول میں ایڈجسٹ کرنے لگا تھا۔ اسٹڈیز میں وہ بچپن سے ہی بہت اچھا تھا اور چند ماہ کے اندر وہ اپنی کلاس میں بھی یہ ظاہر کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس کے امریکن اسٹائل سے مختلف اطوار نے جہاں پہلے اسے مذاق کا نشانہ بنوایا تھا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہی اطوار اس کی ایک امتیازی خوبی بن گئے تھے۔ اس نے بچپن سے برٹش اوورسیز اسکولز میں تعلیم پائی تھی اور امریکیوں کے برعکس وہ نک سک سے درست انگلش زبان کا استعمال کرتا تھا۔ انگلش کے ساتھ ساتھ وہ جرمن زبان بھی لکھ اور پڑھ لیتا تھا جبکہ عربی اور کسی حد تک اردو زبان بھی وہ بول لیتا تھا اگرچہ وہ ان زبانوں میں لکھ یا پڑھ نہیں سکتا تھا۔

اس کی اس خصوصیت کے انکشاف نے یکدم ہی اسے اپنی کلاس اور کسی حد تک اسکول میں پاپولر کر دیا تھا۔ لینگویج کی کلاس میں ایک دن اتفاقاً

اس کے ٹیچر کو اس بات کا پتا چلا تھا کہ وہ جرمن زبان پر بھی دسترس رکھتا ہے۔

''تو ڈینیل تم دو زبانوں کو استعمال کر سکتے ہو؟'' ٹیچر نے اسے سراہتے ہوئے کہا۔

''دو نہیں چار...... عربی اور اردو بھی۔ اگرچہ میں انھیں لکھ پڑھ نہیں سکتا مگر اس میں گفتگو کر سکتا ہوں۔'' مدہم آواز میں کہے گئے جملے نے یک دم ہی پوری کلاس کو سر موڑ کر اس کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور کر دیا۔ ان کی آنکھوں میں حیرت کے ساتھ ساتھ ستائش بھی تھی۔

''چار زبانیں...... زبردست۔ مگر چار زبانیں کیسے؟ میرا مطلب ہے عربی اور اُردو؟''

''میرے ڈیڈی بہت عرصے سے مڈل ایسٹ اور ایشیا کے ممالک میں کام کرتے رہے ہیں، میری پیدائش بھی مراکش میں ہوئی اس لیے عربی بولنا آ گئی اور پچھلے دو سال سے ہم لوگ انڈیا میں تھے۔ وہاں لوگوں سے بات چیت انگلش یا اردو میں ہی ہوتی تھی، اس لیے اس کو بھی استعمال کرنا آ گیا۔''

''اردو یا ہندی۔'' ٹیچر نے وضاحت چاہی۔

''جو بھی سمجھ لیں۔'' ڈینیل نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

''تمہارا ذہن بہت زرخیز ہے ڈینیل۔'' انھوں نے بے اختیار اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔ وہ اپنی تعریف پر مسکرا کر جھینپ گیا۔ اس دن اسکول کے کیفے ٹیریا میں ہر ایک اسی کے بارے میں بات کر رہا تھا۔ لڑکیوں کی اس میں دلچسپی یک دم بہت بڑھ گئی تھی۔ اس کے خدوخال ویسے بھی صنف نازک کے لیے خاصی کشش کا باعث تھے۔ ٹرکش ماں اور جرمن باپ کی ساری اچھی خصوصیات اس میں آ ئی تھیں۔ گرم ممالک میں رہنے کی وجہ سے اس کی رنگت بھی بالکل سفید ہونے کے بجائے ہلکی گندمی ہو گئی تھی۔ ڈارک براؤن آنکھوں اور جیٹ بلیک بالوں کے ساتھ اس رنگت نے اس کو اس پورے ہجوم سے مختلف کر دیا تھا۔ اسکول کے شروع دنوں میں اس کے جس شرمیلے پن، کم گوئی اور ریزرو ہونے کی خصوصیات نے اسے کلاس فیلوز کے مذاق کا نشانہ بنایا تھا اب وہ ہی اس کا چارم بن گئے تھے۔ لڑکیوں کو اس میں مشرق کی پُراسراریت نظر آنے لگی تھی اور اس بات نے جہاں لڑکیوں میں اس کی مقبولیت میں اضافہ کیا وہاں لڑکوں میں اس کے لیے رقابت بھی بڑھا دی۔

اس کے بارے میں اسکول میں کیا باتیں ہوتی تھیں۔ کیا رائے رکھی جاتی تھیں۔ اسے اس کی پروا نہیں تھی۔ اس نے واقعی اپنی ماں کی بات کو اپنے ذہن میں بٹھا لیا تھا۔ وہ اسکول آتا۔ کلاس فیلوز سے ہیلو ہائے کرتا۔ بریک کے دوران کہیں اکیلے بیٹھ کر لنچ کرتا۔ گیمز کے پیریڈ کے دوران انسٹرکٹر کے ساتھ چیس کھیلنے کی پریکٹس کرتا یا سوئمنگ کرتا اور اسکول میں ہونے والی پارٹیز سے غائب رہتا، لڑکیوں کی طرف سے ہونے والی پیش قدمیوں کو وہ بڑے اطمینان کے ساتھ رد کر دیتا۔ اس کا یہ انکار اس کی کشش اور مقبولیت میں کچھ اور اضافہ کرتا۔

پھر ان ہی دنوں اسے اسکول بینڈ میں گانے کا موقع ملا اور اسی دوران جب ایک گفتگو کے دوران اس سے اس کے ٹیچر نے مذہب کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے کہا۔

''میرا کوئی مذہب نہیں ہے۔'' سادگی سے کہے گئے اس کے اس جملے پر ٹیچر کے ساتھ سارا گروپ ہنسنے لگا۔ انھوں نے اس کی اس بات کو

مذاق سمجھا تھا۔

''تمھارے فادر کس مذہب سے تعلق رکھتے ہیں؟'' ٹیچر نے دلچسپی سے پوچھا۔

''وہ یہودی ہیں۔''

''اس کا مطلب ہے، تم یہودی ہو۔''

''نہیں۔ میں یہودی نہیں ہوں کیونکہ میری مدر کیتھولک ہیں۔''

''تو کیا تم ان کے مذہب کو اپنائے ہوئے ہو؟''

''نہیں، میں دونوں میں سے کسی بھی مذہب کو اختیار نہیں کیے ہوئے ہوں۔ میں بڑا ہو کر یہ فیصلہ کروں گا کہ مجھے کس مذہب کو اختیار کرنا ہے۔'' اس نے اسی طرح سنجیدگی سے کہا۔

اس کے بارے میں اس انکشاف نے اسکول میں ایک نئے قسم کا تجسس پیدا کر دیا تھا۔

''وہ یہودی نہیں ہے، وہ عیسائی بھی نہیں ہے مگر وہ دونوں مذاہب پر یقین کرتا ہے اور دونوں جگہ عبادت کے لیے جاتا ہے اور وہ بڑا ہو کر یہ فیصلہ کرے گا کہ اسے کون سا مذہب اختیار کرنا ہے۔ کتنی عجیب بات ہے۔'' اس کے بارے میں ہونے والی چہ میگوئیوں کا لب لباب یہی ہوتا تھا۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

''اس کی کوئی گرل فرینڈ نہیں ہے۔ وہ ڈرنک نہیں کرتا۔ وہ اسموکنگ بھی نہیں کرتا۔ وہ کلاسز بنک نہیں کرتا۔ وہ فلمیں نہیں دیکھتا۔ وہ کسی کے ساتھ لڑائی نہیں کرتا۔ وہ پیسے لانے کے بجائے گھر سے لنچ لے کر آتا ہے۔ وہ صبح اپنی ماں کے ساتھ گاڑی میں اسکول آتا ہے اور پھر مقررہ وقت پر ادھر ادھر وقت ضائع کرنے کے بجائے گیٹ پر اپنی ماں کے آنے کا انتظار کرتا ہے تاکہ واپس گھر جا سکے۔ وہ چار زبانیں بول سکتا ہے۔ وہ سترہ ممالک میں رہ چکا ہے۔''

اس کے بارے میں ہر بات کیرولین کی فنگر ٹپس پر تھی۔ وہ ڈینیل کی کلاس فیلو تھی اور ان لڑکیوں میں شامل تھی جو ڈینیل میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی لیتی تھیں۔ ڈینیل انتا ریزرو رہتا تھا کہ کیرولین کو خود اس کی طرف بڑھنا بہت مشکل لگ رہا تھا۔ وہ ہمیشہ سے اس کوشش میں تھی کہ کوئی ایسا موقع اس کے ہاتھ آئے جس سے وہ ڈینیل کو اپنی طرف متوجہ کرے اور ایک دن یہ موقع اس کے ہاتھ آ ہی گیا۔

کلاس اسٹڈی ٹور پر جا رہی تھی اور اسکول بس میں جب سب بچے سوار ہو رہے تھے تو اتفاقاً کیرولین دیر سے اسکول پہنچی اور وہ بھی اس وقت جب اس کی ساری فرینڈز اپنی اپنی سیٹوں پر بیٹھ چکی تھیں۔ ایک آخری سیٹ جو بچی تھی وہ ڈینیل کے ساتھ تھی اور وہ بھی اس کی طرح کچھ دیر سے پہنچا تھا۔ کیرولین کا دل بے اختیار دھڑکا۔

ڈینیل نے اسے اپنی طرف آتے دیکھا اور ساتھ والی سیٹ سے اپنا بیگ اٹھا لیا۔ وہ اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔ کوسٹر چل پڑی تھی۔ ڈینیل بڑی بے نیازی سے کھڑکی سے باہر دیکھنے میں مصروف تھا جبکہ کیرولین سوچ میں پڑی ہوئی تھی کہ اس سے کیسے بات کا آغاز کرے۔ کوسٹر میں گانے گائے جا

رہے تھے۔ قہقہے گونج رہے تھے۔ تالیاں بج رہی تھیں۔ ڈینیل باہر دیکھتے دیکھتے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ وقتاً فوقتاً اندر دیکھتا اور پھر باہر متوجہ ہو جاتا۔ کیرولین مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ تھی۔ اسے اچانک ایک خیال آیا اور اس نے اپنے بیگ سے ایک چاکلیٹ نکالا، ریپر کھول کر اس نے خود کھانے کے بجائے ڈینیل کی طرف چاکلیٹ بڑھاتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

''تم کھاؤ گے؟''

ڈینیل نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ ''نہیں شکریہ۔''

''کیوں نہیں؟ کیا تم چاکلیٹ پسند نہیں کرتے۔'' کیرولین نے اصرار کیا۔

''بہت زیادہ نہیں۔''

''مجھے بہت پسند ہے۔'' کیرولین نے بات کا سلسلہ جاری رکھا۔ ڈینیل مسکرا کر ایک بار پھر باہر دیکھنے لگا۔

''تم زیادہ باتیں نہیں کرتے۔ کیا تمھیں باتیں کرنا اچھا نہیں لگتا؟'' کیرولین نے چاکلیٹ کھاتے ہوئے ایک بار پھر اسے مخاطب کیا۔

''نہیں۔ ایسا نہیں ہے۔'' ڈینیل نے مختصر وضاحت کی۔

''مگر تمھارے بہت زیادہ دوست نہیں ہیں؟''

''ہاں بس ویسے ہی۔''

''اور کوئی گرل فرینڈ بھی نہیں ہے؟''

اس بار ڈینیل صرف مسکرایا۔

''کیا تمھیں لڑکیاں اچھی نہیں لگتیں؟''

ڈینیل کچھ جھینپ کر مسکرایا۔ کیرولین کے لیے اس کے چہرے کی سرخی بڑی انوکھی چیز تھی۔ اس نے بڑی دلچسپی سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کیا تم مجھ سے دوستی کرو گے؟''

اس بار ڈینیل نے کچھ حیرانی سے اسے دیکھا۔

''میں بہت اچھی دوست ثابت ہو سکتی ہوں۔'' کیرولین نے اسے یقین دلایا۔

ڈینیل کچھ الجھن میں گرفتار ہو گیا اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کس ردِعمل کا اظہار کرے۔ وہ پہلی لڑکی تھی جس نے اس طرح پاس آتے ہی اسے سیدھی دوستی کی آفر کی تھی۔

''کیا دوستی ہو سکتی ہے؟'' وہ ایک بار پھر پوچھ رہی تھی۔

''ہاں...... ٹھیک ہے۔'' اس نے کچھ ہچکچاتے ہوئے کہا۔ کیرولین کی آنکھوں میں چمک لہرائی۔ اس نے اپنا دایاں ہاتھ اس کی طرف بڑھا

دیا۔ ڈینیل نے کچھ جھجکتے ہوئے اس سے ہاتھ ملایا۔

دونوں کے درمیان گفتگو باقاعدہ طور پر شروع ہوگئی تھی۔ زیادہ تر کیرولین ہی بات کرتی رہی اور اس نے ڈینیل سے بہت ساری باتیں پوچھی تھیں۔ اس کی پسند ناپسند کے بارے میں، اس کی فیملی کے بارے میں۔ اس کے متوقع کیریر کے بارے میں، ڈینیل اس کی باتوں کا جواب دیتا رہا۔ کیرولین نے اسے اپنے بارے میں بھی سب کچھ بتا دیا تھا۔ اس نے ڈینیل کے بارے میں لڑکیوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سے بھی اسے آگاہ کیا تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے اس کی باتیں سنتا رہا۔ ہائی اسکول میں کسی لڑکی کے ساتھ ہونے والا یہ اس کا پہلا تفصیلی رابطہ تھا۔

کیرولین بہت دلچسپ لڑکی تھی۔ اس نے سفر کے دوران ڈینیل کو بہت سے دلچسپ قصے بھی سنائے۔ ڈینیل کے لیے ماں کے علاوہ کسی دوسری لڑکی سے ملنے کا اور اس طرح گفتگو کرنے کا یہ پہلا موقع تھا اور یہ تبدیلی اسے بہت نئی اور اچھی لگ رہی تھی۔ اسٹڈی ٹور کے دوران ہی ان دونوں کے درمیان اس حد تک دوستی ہو چکی تھی کہ وہ دونوں اپنے فون نمبر اور ایڈریس ایک دوسرے کو دے چکے تھے اور ان کی دوستی صرف ان ہی تک محدود نہیں رہی تھی بلکہ اسٹڈی ٹور کے دوران ہی سب کی نظروں میں آ چکی تھی۔ ڈینیل پہلی بار کسی لڑکی سے اتنی دیر تک گفتگو کرتا رہا تھا اور وہ بھی مسکراتے ہوئے اور کیرولین پورے ٹور کے ساتھ اس کے ساتھ ہی لگی رہی تھی۔ کلاس کی لڑکیوں کے لیے یہ جیسے ایک شاک تھا۔

دوسرے دن جب ڈینیل اسکول آیا تھا تو پہلے کی طرح آتے ہی کلاس میں چلے جانے کے بجائے وہ کیرولین کے ساتھ اسکول کے گراؤنڈ میں پھرتا رہا تھا اس کی زندگی میں ایک نئے باب کا اضافہ ہو گیا تھا۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

رات کو سبل ڈنر تیار کر رہی تھی جب فون کی گھنٹی بجی تھی۔ فون اٹھانے پر ایک لڑکی نے اپنا تعارف ڈینیل کی دوست کے حوالے سے کروایا اور ڈینیل کو بلوانے کے لیے کہا۔ سبل کو ایک جھٹکا لگا تھا۔ ڈینیل نے اسے اپنے کسی دوست کے بارے میں نہیں بتایا تھا اور پھر گرل فرینڈ؟ وہ بے حد حیران ہوئی۔ وہ ڈینیل کے کمرے کی طرف گئی۔ دروازہ کھٹکھٹا کر وہ اندر داخل ہوئی۔ ڈینیل اسٹڈی ٹیبل پر بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا۔ اس نے مڑ کر ماں کی طرف دیکھا۔

''تمہارا فون ہے۔'' سبل نے غور سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''میرا فون؟'' وہ کچھ حیران ہوا۔

''ہاں تمہاری دوست ہے کیرولین۔''

ڈینیل کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ یک دم اس نے ماں کے چہرے سے نظر ہٹالی۔

''میں ابھی آتا ہوں۔'' اس نے مدھم آواز میں کہا۔ سبل کچھ کہے بغیر اس کے کمرے سے نکل آئی۔

وہ کچھ دیر کے بعد لونگ روم میں داخل ہوا اور فون پر آہستہ آواز میں باتیں کرنے لگا۔ سبل نے کچن سے اسے دیکھا تھا۔ چند منٹ بات کرنے کے بعد اس نے فون بند کر دیا اور واپس اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اس دن سبل نے اس سے کیرولین کے سلسلے میں کوئی بات نہیں کی۔

اگلے دن صبح اسے اسکول لے جاتے ہوئے اس نے ڈینیل سے پوچھا۔

''تم نے دوست بنا لیے؟''

ڈینیل نے ڈرائیونگ کرتی ہوئی ماں کو دیکھا۔''زیادہ نہیں بس ایک۔''

سبل نے مسکرا کر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔''کیرولین؟''

وہ بھی جواباً اثباتی انداز میں مسکرایا۔

''کیسی لڑکی ہے؟''

''بہت اچھی ہے۔'' وہ جھینپتے ہوئے بولا۔

''اس کی فیملی کیسی ہے؟''

''اس کے فادر وکیل ہیں۔ ماں سوشل ورکر ہیں۔ ایک چھوٹا بھائی ہے، وہ بھی ہمارے ہی اسکول میں ہے۔'' ڈینیل نے ماں کو تفصیلات بتائیں۔

''تمہاری دوستی کیسے ہوئی؟'' سبل نے سرسری انداز میں پوچھا۔

ڈینیل نے ماں کو ساری تفصیلات بتا دیں۔ وہ خاموشی سے کچھ سوچتی رہی۔

''مجھ سے ملواؤ اسے۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں۔'' اسے اسکول کے گیٹ پر ڈراپ کرتے ہوئے سبل نے کہا۔

''کیا میں اسے گھر آنے کی دعوت دوں؟''

''ہاں، یہ ٹھیک ہے۔ تم اسے چائے کی دعوت دو۔''

اس دن ڈینیل نے کیرولین کو اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔ اس نے بغیر کسی اعتراض کے اس کی دعوت قبول کر لی۔

وہ اگلی شام کو ڈینیل کے گھر آئی اور دروازہ کھولتے ہی ڈینیل کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ وہ ایک ٹاپ لیس ڈریس پہنے ہوئے تھی۔ ڈینیل کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اس سے کس طرح پیش آئے۔ کیرولین نے ہیلو کہتے ہی بڑی بے تکلفی کے ساتھ اس سے گلے ملتے ہوئے اس کے ایک گال کو چوم لیا۔ ڈینیل کچھ اور بوکھلا گیا تھا۔ اسے اندر لے جاتے ہوئے وہ اسے گھر آنے کی دعوت دینے پر پچھتا رہا تھا۔ سبل نے پہلی ہی نظر میں اس لڑکی کو ناپسند کیا تھا مگر اس نے اپنے چہرے سے یہ ناپسندیدگی ظاہر نہیں کی۔ اسے حیرانی ہوئی تھی کہ ڈینیل کو اس میں کیا بات اچھی لگی جو وہ اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

کیرولین کو چائے سرو کرتے ہوئے سبل اس سے کرید کرید کر سوال پوچھتی رہی جبکہ ڈینیل بالکل بجھا ہوا تھا۔ چائے پینے کے بعد کچھ دیر بیٹھ کر کیرولین واپس چلی گئی۔ ڈینیل دروازہ بند کر کے اندر آیا تو وہ بہت شرمندہ نظر آ رہا تھا۔ سبل خاموشی سے برتن سمیٹ رہی تھی۔ وہ ٹی وی آن کر کے بیٹھ گیا۔ کچھ دیر کے بعد سبل بھی اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

''تمھیں اس میں کیا چیز اچھی لگی ڈینیل؟'' اس نے گفتگو کا آغاز کیا۔

''وہ فرینڈلی تھی مگر میں نہیں جانتا تھا، وہ اتنی بولڈ ہے۔'' سبل کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھتی رہی پھر وہاں سے اٹھ گئی۔

اگلے دن ڈینیل اسکول میں پہلے کی طرح ریزرو تھا۔ کیرولین اس کے اس رویے پر حیران تھی اور وہ بار بار اس سے اس کی وجہ پوچھتی رہی مگر وہ خاموشی سے اس کے سوالوں کو نظر انداز کرتا رہا۔ اگلے چند دن اس کی ناراضی برقرار رہی تھی۔ مگر پھر آہستہ آہستہ کیرولین کے ساتھ اس کے تعلقات بحال ہو گئے تھے۔ دونوں میں ایک بار پھر پہلے جیسی بے تکلفی ہو گئی۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

ان ہی دنوں ایک شام کیرولین نے اسے نائٹ کلب میں آنے کی دعوت دی۔ اس نے کچھ تامل کیا مگر کیرولین کی ضد پر وہ رضامند ہو گیا۔

''مجھے اپنی مدر سے اجازت لینا ہو گی۔'' اس نے کیرولین سے کہا۔

''ٹھیک ہے تم اپنی مدر کو بتا دو، میں شام کو تمہارا انتظار کروں گی۔'' کیرولین نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

اس دن اسکول سے واپس آتے ہوئے ڈینیل نے سبل کو کیرولین کی دعوت کے بارے میں بتایا۔ وہ کچھ کہے بغیر خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

''تم ڈیٹ پر جانا چاہتے ہو؟'' اس نے چند لمحوں کے توقف کے بعد کہا۔ وہ کچھ جھینپ گیا۔

سبل گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے گھر کی طرف جانے کے بجائے ایک قریبی پارک میں آ گئی۔ ڈینیل حیران ہوا تھا۔

''ہمیں آج کچھ باتوں کا فیصلہ کرنا ہے ڈینیل...... گھر کے بجائے یہاں ہم یہ کام بہتر طریقے سے کر سکیں گے۔'' وہ اسے لے کر پارک کے قریب موجود ایک فاسٹ فوڈ outlet پر آ گئی۔ برگر کھاتے ہوئے اس نے ڈینیل سے بات شروع کی۔

''میں جانتی ہوں' اب تم بڑے ہو رہے ہو۔ شاید لڑکیوں سے دوستی بھی کرنا چاہتے ہو' ان کے ساتھ ڈیٹ پر جانا چاہتے ہو۔ یہ بڑی فطری سی بات ہے مگر ڈینی! کیا تم نہیں سمجھتے کہ ڈیٹس پر جانے کے لیے ابھی تم بہت چھوٹے ہو۔ ابھی تم سولہ سال کے نہیں ہوئے۔ اتنی جلدی کسی لڑکی کے ساتھ ذہنی یا جسمانی طور پر انوالو ہونا تمہارے لیے ٹھیک نہیں ہے۔ تم سمجھ رہے ہو نا میں کیا کہہ رہی ہوں؟''

وہ سبل کا چہرہ دیکھتا رہا۔

''آج کیرولین تمہیں نائٹ کلب میں انوائٹ کر رہی ہے کل کہیں اور کسی کام کے لیے انوائٹ کرے گی۔ تم انکار کیسے کرو گے؟'' وہ اب کافی کے سپ لے رہی تھی۔

''ابھی تم نے زندگی کا سفر شروع نہیں کیا۔ ابھی تو صرف پہلا قدم اٹھانے کی کوشش کر رہے ہو۔ پہلا قدم ہموار زمین پر رکھنا چاہیے پتھریلی یا غیر ہموار زمین پر نہیں۔ میں یہ نہیں کہتی کہ تم لڑکیوں سے دوستی مت کرو۔ تم لڑکیوں سے دوستی کرو مگر اپنے لیے کچھ حدود کا تعین کر لو کہ عمر کے کس حصے تک تمہیں کس لڑکی سے کیسے تعلقات رکھنے ہیں اور جب تم بڑے ہو جاؤ۔ اپنا کیریئر اسٹیبلش کر لو تو ٹھیک ہے پھر تم اس معاملے میں بھی اپنے لیے

فیصلہ کر سکتے ہو۔ مگر ابھی نہیں۔''

وہ بے حد سنجیدگی سے ماں کی بات سن رہا تھا۔

''کیرولین جیسی بہت سی لڑکیاں تمہاری طرف بڑھیں گی۔ کیا تم ہر ایک کے ساتھ اسی طرح ڈیٹ پر جایا کرو گے۔ تمہیں یاد ہے نا'' یہاں آ کر تم نے اسی چیز کے بارے میں سب سے پہلے شکایت کی تھی۔'' سبل نے اسے کچھ یاد دلاتے ہوئے کہا۔ ''تمہاری انفرادیت یہ ہے ڈینیل کہ تم ان سرگرمیوں میں انوالو نہیں ہوئے' اسی لیے تم سب کو مختلف اور منفرد لگتے ہو۔ لڑکیوں کو بھی اسی وجہ سے تم میں کشش محسوس ہوتی ہے اور جب تم بھی ان ہی سرگرمیوں کو اپنا لو گے تو تمہاری کشش ختم ہو جائے گی پھر تم بھی ہجوم کا حصہ بن جاؤ گے۔ تمہارے اسکول میں بہت سے ڈینیل ہوں گے تم بھی انہی میں سے ایک بن جاؤ گے۔ مجھے تمہیں بس اتنا ہی سمجھانا تھا۔ اگر پھر بھی تم کیرولین کے ساتھ ڈیٹ پر جانا چاہتے ہو تو ٹھیک ہے مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' سبل نے بات ختم کر دی تھی۔

''آپ کو میرا اس طرح جانا پسند نہیں ہے؟'' ڈینیل نے ساری بات سن کر بڑے پرسکون انداز میں سر اٹھا کر پوچھا۔

''نہیں' مجھے اس عمر میں تمہارا اس طرح لڑکیوں کے ساتھ جانا پسند نہیں ہے۔'' سبل نے صاف گوئی سے کہا۔

''تو ٹھیک ہے میں نہیں جاؤں گا اور یہ میں اس لیے نہیں کروں گا کہ میری انفرادیت یا کشش ختم ہو جائے گی یہ میں صرف اس لیے کروں گا کیونکہ آپ اس بات کو پسند نہیں کرتیں اور میں آپ کی خواہشات کا احترام کرنا چاہتا ہوں۔ بالکل ویسے ہی جیسے ہمیشہ سے کرتا آ رہا ہوں۔'' اس نے سنجیدگی سے جیسے بات ختم کر دی۔

سبل کی آنکھوں میں ایک چمک نمودار ہوئی تھی۔ اسے بے اختیار ڈینیل پر فخر ہوا۔

اس شام اس نے کیرولین کو فون پر انکار کرتے ہوئے بتا دیا تھا کہ وہ آئندہ بھی اس کے ساتھ کہیں نہیں جا سکتا۔ وہ بگڑ گئی تھی اور اس نے فون پٹخ دیا۔

اگلے دن اسکول میں بھی کیرولین کا موڈ بے حد خراب تھا۔ ڈینیل نے اس سے معذرت کی مگر وہ بے حد غصے میں تھی۔

''میں تمہارے ساتھ یہاں مل سکتا ہوں مگر باہر کہیں نہیں جا سکتا نہ نائٹ کلب نہ سینما نہ ہی کہیں اور۔'' اس نے صاف صاف کہا تھا۔

''مگر کیوں؟''

''مجھے یہ پسند نہیں ہے۔''

وہ شعلہ بار نظروں سے اسے دیکھتی رہی اور پھر پاؤں پٹختی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

دوسرے دن ڈینیل نے اسے اپنے ایک دوسرے کلاس فیلو کے ساتھ پھرتے دیکھا تھا۔ اسے شاک لگا تھا۔ اس نے اتنی جلدی اور اتنی آسانی سے اس کا متبادل تلاش کر لیا تھا۔ اس کا ڈپریشن چند دنوں کے بعد اس وقت کچھ اور بڑھ گیا تھا جب اسکول کے گراؤنڈ میں اس نے ان دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ضرورت سے زیادہ بے تکلفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دیکھا۔ اس کے لیے یہ سین نئے نہیں تھے۔ وہ اسکول میں ایسے سین دیکھنے کا

عادی تھا مگر اس بار اس کے لیے تکلیف دہ بات یہ تھی کہ جس لڑکی کے لیے اس کے دل میں کچھ پسندیدگی کے جذبات پیدا ہو گئے تھے وہ بھی اسی سین کے ایک کردار کے روپ میں تھی۔ اس ہلکی سی ٹھوکر نے اسے کچھ اور محتاط کر دیا تھا۔

اگلے کچھ سالوں میں اس کی کچھ لڑکیوں سے دوستی ہوئی مگر یہ دوستی بھی اسی طرح ختم ہوئی اس کے ذہن پر ماں کے خیالات و نظریات کی چھاپ بہت گہری ہوتی گئی۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

جس سال اس نے ہارورڈ میں ایڈمیشن لیا تھا اس سال اس کے مذہب کا معاملہ ایک بار پھر ڈسکس کیا گیا۔

''اب تم اتنے بڑے ہو چکے ہو ڈینیل کہ اپنے لیے ایک باقاعدہ مذہب کا انتخاب کر سکو۔ تمہیں اب کسی ایک مذہب کے بارے میں فیصلہ کر لینا چاہیے۔''

اس شام سبل نے پیٹرک کے سامنے اس سے کہا تھا۔

''ہاں میں جانتا ہوں ممی! لیکن میرے لیے ابھی بھی کچھ طے کرنا مشکل ہے۔ میں اسٹڈیز میں اتنا مصروف ہو چکا ہوں کہ اب تو بہت عرصے سے عبادت کے لیے آپ میں سے کسی کے ساتھ بھی نہیں جا سکا۔ ابھی مجھے کچھ وقت دیں تاکہ میں غور کر سکوں کہ مجھے اپنے لیے کس مذہب کا انتخاب کرنا ہے۔'' ڈینیل نے کافی پیتے ہوئے کہا۔

''تم اب اس قابل ہو چکے ہو کہ اس بارے میں کوئی فیصلہ کر سکو۔ آخر اور وقت کیوں چاہتے ہو؟'' سبل نے اعتراض کیا۔

''میں ابھی بھی کنفیوژن کا شکار ہوں اور کوئی فیصلہ بھی کنفیوژن کی حالت میں نہیں کرنا چاہتا۔'' اس نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

''میں چاہتا ہوں میں تعلیم مکمل کر لوں اگر تعلیم مکمل کرنے کے دوران میں اپنے معاملے میں کسی فیصلے پر پہنچ گیا تو میں آپ کو بتا دوں گا ورنہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد یقیناً اس بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور طے کر لوں گا۔'' اس نے سبل اور پیٹرک کو یقین دلایا تھا۔ یہ معاملہ ایک بار پھر ملتوی ہو گیا۔

♥ ...... ♥ ...... ♥
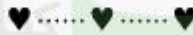
ہارورڈ میں ایم بی اے کرنے کے دوران اس کے ساتھ کچھ ایشیائی لڑکیاں بھی زیر تعلیم تھیں جن میں کچھ مسلمان بھی تھیں۔ لاشعوری طور پر اسے ان لڑکیوں میں بہت دلچسپی محسوس ہوتی تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ جس ماحول میں اس نے اپنا سارا بچپن گزارا تھا اس ماحول کے اپنی شخصیت پر اثرات ہونے کی وجہ سے وہ ذہنی طور پر خود کو ان لڑکیوں سے زیادہ قریب محسوس کرتا تھا۔

ہارورڈ میں ہی پہلی بار اس نے باقاعدہ طور پر اپنے لیے ایک پارٹنر کی تلاش شروع کی تھی۔ یہی تلاش اسے کیتھی کے پاس لے گئی تھی۔ دونوں کے درمیان بہت جلد اچھی دوستی ہو گئی پھر یہ دوستی آہستہ آہستہ رومانس میں تبدیل ہونے لگی تھی جب ایک چھوٹے سے واقعے نے اس کی زندگی میں ہلچل مچا دی تھی۔

وہ ایک رات کیتھی کے ساتھ فلم دیکھنے گیا تھا۔ وہ ٹکٹ ونڈو سے اپنے اور کیتھی کے لیے ٹکٹ لے رہا تھا۔ کیتھی پیچھے ہی کھڑی رہی تھی۔ اسے

ٹکٹ لینے میں چند منٹ لگے۔ جب ٹکٹ لینے کے بعد وہ پیچھے مڑا تو اسے کیتھی نظر نہیں آئی۔ وہ متلاشی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ ٹکٹ لینے کے لیے وہاں موجود قطار سے کچھ فاصلے پر کیتھی ایک شخص کے گلے میں بانہیں ڈالے بڑی بے تکلفی سے مصروف گفتگو تھی۔ وہ شخص بھی اس کی کمر کے گرد بازو پھیلائے ہوئے تھے۔ ڈینیل کچھ لمحے اپنی جگہ سے ہل نہیں سکا۔ کیتھی کچھ منٹ اس شخص کے ساتھ مصروف گفتگو رہی پھر ان دونوں نے بڑی بے تکلفی سے ایک دوسرے کو چوما اور کیتھی واپس اس کی طرف آ گئی۔ ڈینیل کو دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ نمودار ہوئی مگر ڈینیل سرد نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ اس کے پاس آ گئی۔

''یہ شخص کون تھا؟'' اس نے چھوٹتے ہی اس سے پوچھا۔

''اوہ رچرڈ! یہ میرا بوائے فرینڈ تھا۔''

ڈینیل کو اپنا خون گرم ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ ''تم نے مجھے کبھی یہ نہیں بتایا کہ تمہارا کوئی بوائے فرینڈ تھا۔''

''تم نے کبھی پوچھا ہی نہیں۔'' کیتھی نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔ ''آؤ اندر چلیں۔'' اس نے قدم بڑھایا۔

ڈینیل وہیں کھڑا رہا۔ ''نہیں ہم فلم دیکھنے نہیں جائیں گے۔ ہم باہر چل کر کچھ باتیں کریں گے۔'' سرد آواز میں کہتے ہوئے اس نے باہر کی طرف قدم بڑھا دیے۔

''تمہیں یکدم کیا ہو گیا ڈینیل؟'' وہ کچھ حیران ہوتی ہوئی اس کے پیچھے آئی۔

''تم نے مجھے اس شخص کے بارے میں کیوں نہیں بتایا؟'' اس نے باہر آتے ہی تیز آواز میں اس سے کہا۔

''میں نے ضرورت محسوس نہیں کی اور پھر اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ویسے بھی اب وہ میرا بوائے فرینڈ نہیں ہے۔''

''مگر وہ تمہارا بوائے فرینڈ تھا۔'' وہ چلایا۔

''چلانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' کیتھی کا لہجہ یکدم سرد ہو گیا۔ ''کون میرا بوائے فرینڈ تھا اور کون نہیں اس سے تمہیں کوئی دلچسپی نہیں ہونی چاہیے۔ بالکل اسی طرح جس طرح مجھے تمہاری سابقہ گرل فرینڈز سے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔''

''میری کبھی کوئی گرل فرینڈ نہیں رہی۔''

کیتھی نے اس کی بات پر ایک طنزیہ قہقہہ لگایا۔ ''واقعی!...... گو تم بدھ رہے ہو تم؟'' وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

''میں تمہارے بارے میں بات کر رہا ہوں۔''

''میرے بہت سے بوائے فرینڈز رہے ہیں۔ میں تمہیں کس کس کا بتاؤں اور کیوں بتاؤں۔ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ تم اپنے کام سے کام رکھو۔''

وہ اسے کچھ لمحے دیکھتا رہا پھر اس نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے دونوں ٹکٹ اس کے منہ پر مار دیے۔ ''پھر میرے ساتھ فلم دیکھنے کے بجائے اسی شخص کو ساتھ لے جاؤ۔''

وہ مڑنے لگا تو کیتھی نے ایک جھٹکے سے اس کا بازو اپنی طرف کھینچا۔ ''تم ایک چھوٹے ذہن کے گھٹیا آدمی ہو۔''

''اپنا منہ بند رکھو۔'' وہ غرایا۔

''میں اپنا منہ بند نہیں رکھوں گی۔ تمہیں ہر بات پر اعتراض ہے۔ میرے کپڑوں پر، میری باتوں پر، میرے بوائے فرینڈز پر۔''

''میں ایسی کسی لڑکی سے شادی نہیں کر سکتا جس کے بوائے فرینڈز ہوں۔''

''تو پھر تم یہاں کیوں کھڑے ہو۔ جاؤ میرے بجائے کسی جاہل پردے میں چھپی ہوئی کسی مسلم عورت سے شادی کرو جو ساری عمر تمہاری انگلی پکڑ کر چلے اور تمہارے علاوہ کسی دوسرے مرد کا منہ دیکھنے کی جرات نہ کرے۔''

اس کا لہجہ بے حد زہریلا تھا۔ ڈینیل کو خود پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ ایسا بندہ نہیں تھا جو چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھڑک اٹھے مگر اس وقت وہ خود بھی اپنے جذبات کو نہیں سمجھ پا رہا تھا۔ اس نے کیتھی سے کچھ کہنے کے بجائے ایک جھٹکے سے اپنا بازو چھڑایا اور تیزی کے ساتھ پارکنگ کی طرف بڑھ گیا۔ اپنے پیچھے اس نے کیتھی کو چلاتے ہوئے کچھ گالیاں بکتے سنا تھا۔ وہ اس پر توجہ دینے کے بجائے کھولتا ہوا اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

اگلے کئی ہفتے کیتھی کے جملے اس کے ذہن میں گونجتے رہے تھے۔ ایک بار پھر وہ وہیں پہنچ گیا تھا جہاں سے چلا تھا۔ دوبارہ اس نے کسی مغربی لڑکی سے تعلقات بڑھانے کی کوشش نہیں کی۔ ایم بی اے کے آخری سال میں وہ دانستہ طور پر ایک انڈین لڑکی کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

وجیتا اسکالر شپ پر وہاں آئی تھی اور یونیورسٹی کے ایک فنکشن میں ہی ڈینیل سے اس کی ملاقات ہوئی۔ دونوں کو ایک دوسرے میں دلچسپی محسوس ہوئی۔ ڈینیل اب کسی مشرقی لڑکی کے ساتھ ہی شادی کرنا چاہتا تھا اور وجیتا میں اسے وہ خوبیاں نظر آئی تھیں جو وہ اپنی بیوی میں دیکھنا چاہتا تھا۔ چند ہی ملاقاتوں کے بعد وہ وجیتا کو سبل سے ملوانے لے آیا تھا اور وجیتا سبل کو بھی پسند آئی۔ وہ جان چکی تھی کہ ڈینیل کس مقصد کے لیے وجیتا کو اس سے ملوانے لایا تھا اور اسے اس کے انتخاب پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔

وجیتا اب اکثر اس کے گھر آنے لگی تھی۔ ڈینیل نے اسے بھی باقاعدہ طور پر پرپوز نہیں کیا تھا لیکن وجیتا اپنے لیے اس کی پسندیدگی سے آگاہ تھی۔ جن دنوں وہ اسے پرپوز کرنے کا سوچ رہا تھا ان ہی دنوں پھر اسے ایک پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔

یونیورسٹی میں سالانہ کھیلوں کا انعقاد کیا جا رہا تھا اور وجیتا نے سوئمنگ کے مقابلوں میں حصہ لیا تھا۔ وہ پریکٹس کے لیے یونیورسٹی کے سوئمنگ پول پر جایا کرتی تھی اور یہ بات شروع میں ڈینیل کے علم میں نہیں آئی۔ مقابلے سے تقریباً ایک ہفتہ پہلے وجیتا نے بڑے فخریہ انداز میں اسے اس بات سے آگاہ کیا تھا اور ڈینیل ایک بار پھر شاکڈ رہ گیا تھا۔

''تم یہ کیسے کر سکتی ہو؟''

''کیا مطلب! کیوں نہیں کر سکتی؟'' وجیتا اس بات پر حیران ہوئی۔

''اتنے لوگوں کے سامنے سوئمنگ کاسٹیوم میں۔ نہیں وجیتا! مجھے یہ پسند نہیں ہے۔'' وہ کچھ برہم ہو گیا تھا کیونکہ اسے وجیتا سے ایسی کسی حرکت

کی توقع نہیں تھی۔

''اس میں ناپسند کرنے والی کیا بات ہے۔ یہ ایک کھیل ہے اور میں کھیل میں حصہ لے رہی ہوں اور پھر میں اس میں حصہ لینے والی واحد لڑکی نہیں ہوں۔''

''میں جانتا ہوں کہ یہ ایک کھیل ہے لیکن پھر بھی میں یہ کبھی نہیں چاہوں گا کہ تم اتنے لوگوں کے سامنے اس طرح جاؤ۔''

''ڈینیل تمہارے ساتھ کیا پرابلم ہے؟'' وہ کچھ حیرانی سے ہنسی۔ ''آخر اس سے کون سی قیامت ٹوٹ پڑے گی۔''

''وجیتا! میں پسند نہیں کرتا کہ جس لڑکی سے میں شادی کا خواہشمند ہوں وہ اس طرح کی سرگرمیوں میں ملوث ہو۔'' وہ بے حد سنجیدہ تھا۔

وہ چند لمحے خاموش رہی۔ ''تم بعض باتوں میں بہت تنگ نظر ہو۔''

''ہاں ٹھیک ہے۔ تم ایسا کہہ سکتی ہو مگر مجھے کوئی شرمندگی نہیں ہے۔ میری اپنی ویلیوز ہیں اور میں انہیں چھوڑ نہیں سکتا۔''

''تم اپنی ویلیوز مت چھوڑو مگر انہیں دوسروں پر ٹھونسنے کی کوشش مت کرو۔ بیسویں صدی میں تم عورت کے بارے میں اتنے قدامت پرستانہ نظریات رکھتے ہو کہ مجھے خوف آنے لگتا ہے۔ بعض دفعہ تو تم مجھے ایک مسلم مرد کی طرح کٹر اور تنگ نظر لگتے ہو۔''

ڈینیل نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی برہمی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔ ''تمہیں مجھ پر تبصرے کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تم سے صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مجھے تمہارا سوئمنگ کے کسی مقابلے میں حصہ لینا پسند نہیں ہے اس لیے تم حصہ مت لو۔''

''اور اگر میں ایسا نہ کروں تو؟''

''تب پھر میں دوبارہ تم سے کبھی ملنا نہیں چاہوں گا۔''

وجیتا یکدم اشتعال میں آ گئی۔ ''تمہیں پتا ہے ڈینیل! تمہارا مسئلہ کیا ہے؟ تمہارا مسئلہ یہ ہے کہ تم ابنارمل ہو۔ تمہاری سوچ بیسویں صدی میں بھی بارہویں صدی کے مرد کی طرح ہے۔ مجھے حیرانی ہو رہی ہے کہ تم امریکہ میں کیا کر رہے ہو۔ تمہیں تو ان ممالک میں سے کسی ملک کے گھٹن زدہ ماحول میں ہونا چاہیے تھا جہاں تم نے اپنا بچپن گزارا۔ تمہارے ذہن پر اپنی ماں اور ان ممالک کے کلچر کی اتنی گہری چھاپ ہے کہ تم ساری عمر اپنی بیوی کے لیے عذاب بنے رہو گے۔ تمہیں جس عورت کی تلاش ہے وہ تمہیں نہیں مل سکتی۔ آج کی عورت اپنی زندگی کے ہر پہلو میں اتنی مداخلت برداشت نہیں کر سکتی جتنی تم چاہتے ہو۔ اپنی ویلیوز کے اس پٹارے کے ساتھ تم اپنے لیے بھی مسائل کھڑے کر رہے ہو اور دوسروں کے لیے بھی۔ بہتر ہے کہ تم اپنی سو کالڈ ویلیوز میں تبدیلی لاؤ یا پھر امریکہ میں ایک بیوی کی تلاش چھوڑ دو۔ ہم وہ عورتیں نہیں ہیں جن کی گردنوں پر پیر رکھ کر تم انہیں اپنی مرضی سے زندگی گزارنے سے روک دو۔

ہر عورت تمہاری ماں کی طرح بے وقوف نہیں ہوتی جو اپنی اولاد کو ویلیوز کے انجکشن دے دے کر اسے زندگی میں کچھ کرنے کے قابل ہی نہیں چھوڑتی۔ جو شخص ایک عورت کو اتنی آزادی نہیں دے سکتا کہ وہ اپنی مرضی کا لباس پہن سکے وہ اسے گھر کے اندر رکھ کر کون سی زندگی دے گا۔ مجبوری اور بے بسی کی۔ تمہیں مجھ سے یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ تم مجھ سے دوبارہ نہیں ملو گے۔ میں خود دوبارہ تم سے ملنا نہیں چاہتی۔''

وہ اسے وہیں چھوڑ کر غصے کی حالت میں اٹھ کر چلی گئی۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

''ڈینیل! تم بہت جذباتی ہو جاتے ہو۔'' اس رات ڈینیل نے گھر واپس آ کر سبل کو سب کچھ بتا دیا تھا۔ زندگی میں پہلی بار سبل نے لڑکی کی غلطیاں گنوانے کے بجائے اس کے رویے پر اعتراض کیا تھا۔ وہ حیرانی سے ماں کا منہ دیکھتا رہ گیا۔

''اس کا سوئمنگ کے مقابلے میں حصہ لینا کوئی ایسی معیوب بات تو نہیں تھی۔''

''ممی! یہ آپ کہہ رہی ہیں؟''

''ہاں! یہ میں کہہ رہی ہوں' کم از کم دوسری لڑکیوں سے بہتر ہے۔ اس کے بوائے فرینڈز نہیں ہیں۔ کچھ مشرقی روایات کا احترام بھی کرتی ہے مگر تم اگر چاہو کہ یہاں اس معاشرے میں تمہیں کوئی ایسی لڑکی مل جائے جو بالکل ہی خامیوں سے پاک ہو تو یہ ممکن نہیں ہے۔ تمہیں تھوڑا بہت سمجھوتا تو کرنا ہی پڑے گا۔'' سبل نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تھا۔

''میں سمجھوتا نہیں کر سکتا۔ کم از کم اس معاملے میں نہیں۔ میرا دماغ جس چیز کو قبول نہیں کرتا میں اس چیز کے ساتھ سمجھوتا کیسے کر سکتا ہوں۔''

''تم اس معاملے میں بہت زیادہ انتہا پسند ہو گئے ہو۔''

''ممی! آپ جانتی ہیں میں غلط نہیں ہوں۔ جس طرح آپ نے میری پرورش کی ہے' جن ویلیوز کے ساتھ مجھے پروان چڑھایا ہے وہ اب اگر میں چاہوں بھی تو اپنے ذہن سے جھٹک نہیں سکتا۔''

''جس طرح کی لڑکی تم اس مغربی معاشرے میں رہ کر بیوی کے طور پر پانا چاہتے ہو وہ تمہیں نہیں مل سکتی۔'' سبل نے صاف گوئی سے کہا۔

''تو ٹھیک ہے کسی ایسی لڑکی کے ساتھ زندگی گزارنے کے بجائے جس کا عمل میری ویلیوز سے میچ نہ کرتا ہو میں تنہا زندگی گزارنا پسند کروں گا۔''

سبل حیرانی سے اس کا منہ دیکھتی رہ گئی۔

''ڈینیل! تمہارا دماغ ٹھیک ہے؟''

''ہاں! بالکل ٹھیک ہے۔ میں اب یہ میچ میکنگ کرتے کرتے تنگ آ گیا ہوں۔ لڑکیاں ٹھیک کہتی ہیں کہ میں بہت قدامت پرست اور متعصب ہوں مگر میں ان دونوں چیزوں کے بارے میں کچھ نہیں کر سکتا۔ میں ساری عمر ایسا ہی رہوں گا۔ میں کسی ایسی عورت کو اپنی زندگی میں لانے کے لیے تیار نہیں جس کا جسم ایک پبلک پراپرٹی بن چکا ہو جس کے بوائے فرینڈز ہوں۔ جو سوئمنگ کاسٹیوم پہن کر لوگوں سے داد وصول کرے۔ جو میرے سامنے کسی دوسرے مرد کے ساتھ بے تکلفی کے مظاہرے کرے۔ اب اس کے لیے کوئی مجھے قدامت پرست کہے یا متعصب یا تنگ نظر' مجھے پروا نہیں ہے ایسی عورت کو گھر میں رکھ کر کڑھنے سے بہتر ہے کہ بندہ آزاد رہے۔''

''اتنی انتہا پسندی انسان کو کہیں نہیں لے جاتی۔''

''میں انتہا پسند نہیں ہوں ممی! کیا دنیا میں ایسی عورتیں نہیں پائی جاتیں۔ آپ بھی تو ہیں مجھے آپ جیسی عورت کی تلاش ہے۔ آپ بھی تو مغربی

ہیں، ماڈرن ہیں، پڑھی لکھی ہیں، مگر پھر بھی آپ کے پاس وہ ویلیوز ہیں جو ایک عورت کو عورت بناتی ہیں، پھر ہم لوگ مسلم ممالک میں رہے ہیں۔ وہاں بھی تو عورتیں ہیں، ساری عورتیں نہ سہی مگر اکثریت تو انہی ویلیوز کی مالک ہے جن کی میں بات کر رہا ہوں۔ پھر آپ کو یہ کیوں لگ رہا ہے کہ کسی ایسی چیز کا مطالبہ کر رہا ہوں جو دنیا میں ہے ہی نہیں۔'' وہ پہلی بار ماں سے بحث کر رہا تھا۔

''ڈینیل! میری بات اور تھی۔ میرے ماں باپ کیتھولک تھے آزاد خیال نہیں تھے خاص ماحول میں میری پرورش ہوئی۔ اس لیے مجھے کبھی بھی عورت کی اتنی آزادی اور بے باکی پسند نہیں آئی۔ خوش قسمتی سے تمہارے والد سے شادی ہوئی اور وہ بھی ان ہی خیالات کے مالک تھے اس لیے میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہوا لیکن اگر پیٹرک بہت زیادہ آزاد خیال ہوتے تو پھر مجھے بھی ویسا ہی ہونا پڑتا۔ پھر زندگی زیادہ تر وہاں گزری جہاں بہت زیادہ بے باکی لوگوں کی نظروں میں خامی ہوتی ہے خوبی نہیں۔ اس لیے تم میری مثال نہ دو۔ جہاں تک مسلم عورتوں کا تعلق ہے تو وہ اور ماحول سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان پر بہت سی پابندیاں ہوتی ہیں۔ کچھ معاشرتی، کچھ خاندانی اور کچھ مذہبی۔ وہ چاہتے ہوئے بھی بہت کچھ نہیں کر پاتیں۔ یا یہ سمجھ لو کہ ان کی روایات انہیں اجازت نہیں دیتیں۔ ہمارے اور ان کے مذہب اور کلچر میں بہت فرق ہوتا ہے اس لیے تم ان کی مثال بھی مت دو۔ تم اس معاشرے کی بات کرو جہاں تم رہ رہے ہو، جہاں کی عورت سے تمہیں شادی کرنی ہے۔'' سبل نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

''مجھے یہ معاشرہ پسند نہیں ہے اور یہ بات آپ اچھی طرح جانتی ہیں اور نہ ہی مجھے اس معاشرے کی کسی نمائندہ عورت سے شادی کرنی ہے۔''

''پھر کیا کرو گے تم؟''

''کچھ بھی نہیں۔ جس طرح زندگی گزار رہا ہوں، گزارتا رہوں گا۔''

''شادی کے بغیر؟''

''ہاں شادی کے بغیر۔''

''بہت مشکل ہوگا تمہارے لیے۔''

''شادی کر کے میرے لیے زیادہ مشکل ہو جائے گی۔''

سبل نے پہلی بار اسے اس طرح ضد کرتے دیکھا تھا۔

اور وہ اپنی ضد پر قائم رہا تھا۔ سبل اور پیٹرک کی کوششوں کے باوجود اس نے وجیتا سے تعلقات بحال کیے تھے نہ ہی کسی اور لڑکی سے روابط بڑھانے کی کوشش کی۔ ایم بی اے کرنے کے بعد اسے ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب مل گئی تھی اور وہ لندن چلا گیا۔ ایک سال لندن رہنے کے بعد اس کی پوسٹنگ پاکستان میں ہوئی تھی اور وہ بخوشی یہاں آ گیا۔ نوعمری کے زمانے میں وہ ماں باپ کے ساتھ ہندوستان میں رہ چکا تھا اور اس زمانے میں وہ پاکستان کے بارے میں بھی تھوڑی بہت واقفیت رکھنے لگا تھا۔ پھر امریکہ میں دورانِ تعلیم بھی اس کے کچھ کلاس فیلوز پاکستان سے تعلق رکھتے تھے اس لیے اسے پاکستان کے بارے میں کافی معلومات تھیں اور وہ ذہنی طور پر کسی کشمکش کا شکار بھی نہیں تھا۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

باب 8

پاکستان آکر اس کی زندگی کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا تھا۔ کچھ عرصہ اسے نئی جگہ آکر ایڈجسٹمنٹ کے مسائل پیش آئے، مگر ایک سال کے اندر اندر وہ مکمل طور پر ایڈجسٹ ہو گیا تھا۔ نہ صرف وہ وہاں ایڈجسٹ ہو گیا بلکہ وہاں کی زندگی کو انجوائے بھی کرنے لگا تھا۔

دو سال اس نے کمپنی کے کراچی آفس میں کام کیا۔ پھر وہاں سے وہ لاہور آ گیا۔ ایک بار پھر وہ نئے سرے سے اردو زبان پر دسترس حاصل کرنے لگا تھا۔ یہاں آکر اس کا حلقہ احباب محدود ہی رہا تھا۔ لاہور آفس میں اپنے اپنے ساتھ کام کرنے والی ایک جرمن لڑکی سے اس کی تھوڑی بہت دوستی تھی اور اکثر ویک اینڈ پر وہ اس کے ساتھ سیر و تفریح کے لیے چلا جاتا۔ چھٹیوں میں وہ واپس امریکہ چلا جاتا اور اپنے ماں باپ کے ساتھ وقت گزارتا۔

پیٹرک کو معدے کا کینسر ہو گیا تھا اور ایک سال تک وہ شدید بیمار رہا۔ اس بیماری کے دوران ہی اس نے اپنی جاب سے ریٹائرمنٹ لے لی۔ کچھ عرصے تک سبل اور وہ امریکہ میں ہی رہے لیکن پھر پیٹرک واپس جرمنی چلا گیا کیونکہ وہ وہاں اپنی فیملی کے پاس رہنا چاہتا تھا۔ ان دونوں کے بے حد اصرار کے باوجود ڈینیل شادی سے ہمیشہ کتراتا ہی رہا تھا۔ وہ ہر بار انہیں کوئی نہ کوئی عذر کر کے ٹالتا رہا اور یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا۔ یہاں تک کہ اسے پاکستان میں رہتے ہوئے آٹھ سال ہو گئے۔

زندگی کی ایک سیٹ روٹین تھی۔ وہ شام تک آفس میں ہوتا۔ اس کے بعد کہیں نہ کہیں گھومنے نکل جاتا۔ کبھی کسی پارٹی یا ڈنر پر چلا جاتا اور کبھی فلم دیکھنے کے لیے۔ رات دس گیارہ بجے وہ گھر آتا۔ خبریں سنتا' کوئی کتاب پڑھتا اور سو جاتا۔ اس کے لیے زندگی جیسے بالکل مکمل تھی جس میں نہ کسی چیز کی کمی تھی اور نہ کسی چیز کی ضرورت مگر بعض دفعہ زندگی میں کوئی تبدیلی آنی ہوتی ہے، کوئی ایسی تبدیلی جو انسان کی پوری زندگی کا رخ بدل دیتی ہے اور ایک ایسی تبدیلی اس کی زندگی میں بھی آنے والی تھی۔

وہ ہر روز لنچ آفس میں کرنے کے بجائے ایک قریبی فاسٹ فوڈ چین پر چلا جاتا تھا۔ اس دن بھی وہ اپنی روٹین کے مطابق اسی فاسٹ فوڈ چین پر گیا تھا۔ کاؤنٹر پر جا کر اس نے اپنا مطلوبہ برگر مانگا تھا اور پھر کاؤنٹر پر کہنیاں ٹکا کر سرسری نظروں سے آرڈرز بھگتاتی ہوئی لڑکیوں اور لڑکوں کی سرگرمیاں دیکھتا رہا جو کاؤنٹر کے دوسری طرف بہت مصروف نظر آ رہے تھے۔ اور تب ہی اس کی نظر ایک لڑکی پر پڑی تھی۔ وہ لڑکی خوبصورت تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے کاؤنٹر پر کھڑے ایک دوسرے جوڑے کا آرڈر نوٹ کر رہی تھی اور پھر وہ کاؤنٹر کے پیچھے موجود دروازے میں غائب ہو گئی تھی۔

ڈینیل کی نظریں اس دروازے پر جمی رہیں۔ وہ لاشعوری طور پر جیسے اسی لڑکی کا منتظر تھا۔ وہ چند منٹوں کے بعد دوبارہ نمودار ہوئی۔ وہ ایک بار پھر اس کے چہرے کو دیکھنے لگا تھا۔ وہ کاؤنٹر کے پار کھڑے کسی دوسرے آدمی سے کچھ کہہ رہی تھی۔ ڈینیل کوشش کے باوجود اس کے چہرے سے اپنی نظریں نہیں ہٹا پایا۔ اس کا دل بے اختیار چاہا کہ اس کا آرڈر وہ سرو کرے۔ شاید وہ قبولیت کی گھڑی تھی۔ کیونکہ وہ لڑکی دوبارہ غائب ہو گئی تھی اور اس بار وہ

جب واپس آئی تو سیدھا ڈینیل کی طرف ہی آئی تھی۔ ڈینیل کا دل بے اختیار دھڑ کا تھا۔ ہاتھوں میں پکڑی ہوئی ٹرے لا کر اس نے ڈینیل کے سامنے کاؤنٹر پر رکھ دی اور مسکرائی، ڈینیل نے کچھ کہے بغیر ٹرے اٹھالی۔

کاؤنٹر سے کچھ فاصلے پر پڑی ہوئی میز پر بیٹھ کر اس نے ایک بار پھر نظریں اس لڑکی پر جما دی تھیں۔ بہت عرصے کے بعد اس دن اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس لڑکی کی آنکھیں پینٹ کرے۔ لمبی پلکوں والی سیاہ، سادہ، شفاف مگر اداس آنکھیں۔ بھیگی ہوئی پلکیں اور بھاری پپوٹے اور اس پر وہ مسکراہٹ جس کے ساتھ وہ آرڈر لے اور سرو کر رہی تھی۔ اس کی ماں بہت اچھی پینٹنگ کرتی تھی اور ڈینیل میں بھی فطری طور پر یہ صلاحیت تھی کہ وہ چیزوں کو بہت اچھی طرح اسکیچ کر لیا کرتا تھا۔ اس دن بھی وہ فوری طور پر اس لڑکی کی طرف متوجہ کرنے والی چیز اس کی آنکھیں ہی تھیں اور اس کا دل چاہا تھا کہ وہ وہیں بیٹھ کر ان آنکھوں کو پینٹ کرے۔ اس نے اپنی خواہش پوری کی تھی۔ پینٹنگ تو ممکن نہیں تھی مگر تیز رفتاری سے لنچ ختم کرتے ہوئے اس نے اپنے والٹ سے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکالا اور اس وزیٹنگ کارڈ کے پیچھے قلم سے اس نے اس لڑکی کی آنکھوں کی اسکیچنگ کی تھی۔

لنچ کر کے وہ وہاں سے اٹھ گیا تھا مگر اس دن وہاں سے واپس آنے کے بعد بھی اس کی آنکھوں میں اس کا چہرہ گردش کرتا رہا تھا۔

''اتنی اداسی کی وجہ کیا ہو سکتی ہے۔ مالی مجبوری؟'' وہ سوچتا رہا۔ رات کو بھی وہ دیر تک اس وزیٹنگ کارڈ کو دیکھتا رہا۔ اِسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اسکیچ کو اچھی طرح سے نہیں بنا پایا۔

اگلے دن دوپہر کو وہ ایک بار پھر وہیں تھا۔ اس نے دانستہ کوشش کی تھی کہ کل پہلی بار نظر آنے والی لڑکی کو ہی اپنا آرڈر نوٹ کروائے۔ اسے حیرانی ہوئی تھی اس لڑکی کی آنکھیں آج بھی اسی طرح بھیگی ہوئی تھیں مگر وہ آج بھی مسکرا رہی تھی۔ ڈینیل نے اپنا لنچ لے کر کل والی ٹیبل پر بیٹھنے کے بعد جیب سے کاغذ اور پنسل نکال کر اس کی آنکھوں کی اسکیچنگ شروع کر دی تھی۔ وہ تقریباً پندرہ منٹ تک اس سرگرمی میں مصروف رہا اور پھر کچھ مطمئن ہو کر اس نے ہاتھ روک دیا۔ ایک بار پھر اس لڑکی پر نظریں جمائے ہوئے اس نے اپنا لنچ کیا تھا اور پھر اٹھ کر چلا گیا۔

پھر جیسے یہ ایک روٹین بن گئی تھی۔ وہ روز دوپہر کو وہاں آتا۔ لنچ کرتا اور لنچ کے دوران مختلف انداز میں اس کی آنکھوں کی اسکیچنگ کرتا رہتا۔ اسے اس لڑکی سے ایک عجیب سا انس ہو گیا تھا۔ پھر اسے اچانک ایک ہفتے کے لیے کراچی جانا پڑ گیا اور یہ سات دن اس کی زندگی کے سب سے مشکل اور تکلیف دہ دن تھے۔ اسے اب احساس ہوا کہ وہ اس روٹین کا کتنا عادی ہو چکا تھا۔ وہ رات کو وہ سارے چھوٹے بڑے اسکیچز نکال کر بیٹھ جاتا جو اس نے مختلف اوقات میں بنائے تھے اور پھر جیسے اس کی بے تابی اور بے چینی میں اور اضافہ ہو جاتا۔

سات دن کے بعد لاہور ایئر پورٹ پر اترتے ہی وہ آفس یا گھر جانے کے بجائے سیدھا اسی فاسٹ فوڈ چین پر گیا تھا اور وہاں جا کر اسے جیسے مایوسی ہوئی تھی۔ وہ اسے کاؤنٹر کے پیچھے نظر نہیں آئی۔ وہ مایوس ہو کر وہاں سے پلٹ آیا تھا۔

اگلے دن دوپہر کو وہ بڑی بے تابی کے عالم میں وہاں گیا تھا اور دروازے سے داخل ہوتے ہی اس نے گہرا سانس لیا تھا۔ وہ وہیں موجود تھی۔ خوشی کی ایک عجیب سی لہر اس کے پورے سراپے میں دوڑ گئی تھی۔ اس دن کاؤنٹر پر اسے اپنا آرڈر نوٹ کرواتے کرواتے اس نے کہا۔ ''کیا میں آپ کا نام پوچھ سکتا ہوں؟'' اس لڑکی کے ہونٹوں سے مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی۔ سر اٹھاتے وہ کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔

''میں دراصل یہاں روز آتا ہوں۔ آپ ہی مجھے اٹینڈ کرتی ہیں' اس لیے میں نے سوچا کہ نام معلوم ہونا چاہیے۔ میرا نام ڈینیل ایڈگر ہے۔'' اس نے شائستہ لہجے میں وضاحت کی۔ ڈینیل کو اس کی آنکھوں میں عجیب سی الجھن نظر آئی۔

''روز یہاں آتے ہیں؟'' سوالیہ لہجے میں کہا گیا یہ جملہ ڈینیل کو حیران کر گیا تھا۔ وہ اس فاسٹ فوڈ چین میں تو بہت عرصے سے آ رہا تھا مگر جب سے یہ لڑکی وہاں آئی تھی وہ باقاعدگی سے وہاں ایک ماہ سے جا رہا تھا اور وہ لڑکی اس سے کہہ رہی تھی۔

''روز یہاں آتے ہیں؟'' اس کا خیال تھا وہ بھی اب تک اس کے چہرے سے شناسا ہو گئی ہوگی۔

''ہاں میں روز یہاں آتا ہوں آپ ہی روز اٹینڈ کرتی ہیں مجھے۔۔ اسی وقت۔۔ کیا آپ کو یاد نہیں ہے؟''

''نہیں مجھے یاد نہیں ہے۔'' وہ بے حس و حرکت ہو گیا۔ لڑکی کاؤنٹر کے پیچھے موجود دروازے سے غائب ہو چکی تھی۔ اسے کبھی اتنی خفت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔

''میں اتنا برا تو نہیں کہ میرا چہرہ یاد نہ رہ سکے۔ کیا یہ لڑکی جان بوجھ کر جھوٹ بول رہی ہے یا واقعی وہ میرے چہرے سے شناسا نہیں ہے۔'' وہ خود بھی الجھ گیا۔

وہ دس منٹ کے بعد دوبارہ نمودار ہوئی اور ٹرے لے کر اس کی طرف آئی۔ ڈینیل نے پوچھا۔

''میں نے آپ کا نام پوچھا تھا؟'' وہ کچھ دیر بے تاثر آنکھوں سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی اور پھر اپنا نام بتا کر واپس مڑ گئی۔

''امید!'' ڈینیل نے اس کا نام زیر لب دہرایا۔ پاکستان میں رہتے ہوئے وہ اردو پر اتنا عبور تو حاصل کر چکا تھا کہ اس نام کا مطلب جان لیتا۔

اگلے دن وہ ایک بار پھر وہیں تھا اور اس بار کاؤنٹر پر جاتے ہی اس نے اس لڑکی کو یاد دہانی کروائی۔

''میں وہی ہوں جس نے کل آپ کا نام پوچھا تھا۔'' اس بار پہلی دفعہ اس نے لڑکی کی آنکھوں میں شناسائی دیکھی تھی اور پھر وہ کچھ کہے بغیر خاموشی سے واپس چلی گئی تھی۔

اگلے چند ہفتے بھی اسی طرح گزرے تھے۔ ہر بار جب بھی وہ اس سے بات کرنے کی کوشش کرتا' وہ خاموشی سے اپنے کام میں مصروف ہو جاتی اور ڈینیل کو مایوسی سے واپس آنا پڑتا تھا۔ پھر اس کی شفٹ بدل گئی تھی۔ وہ سہ پہر سے رات گئے تک وہاں ہوتی اور ڈینیل کے لیے یہ ایک سنہری موقع تھا۔ اب وہ آفس سے فارغ ہو کر وہاں آ جاتا اور اس وقت تک وہیں موجود رہتا جب تک وہ نظر آتی رہتی۔ جب وہ کاؤنٹر کے پیچھے غائب ہوتی تو وہ بھی اٹھ جاتا۔ وہ لڑکی جیسے اس کی زندگی کا ایک حصہ بن گئی تھی۔ جس کے لیے وہاں آنا اور بیٹھے رہنا اسے برا نہیں لگتا تھا۔

تین ماہ تک اس کی یہ روٹین جاری رہی پھر ایک دن ہمیشہ کی طرح کاؤنٹر کے پیچھے مقررہ وقت پر اس کے غائب ہونے پر وہاں سے چلے آنے کے بجائے وہ باہر آ کر اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا۔ اس وقت اس ریسٹورنٹ کی گاڑی میں وہاں کام کرنے والے سوار ہو رہے تھے۔ پندرہ بیس منٹ کے بعد اس نے اندر سے اسی لڑکی کو برآمد ہوتے دیکھا تھا وہ اب شلوار قمیض میں ملبوس تھی۔ ڈینیل کے چہرے پر ایک طمانیت بھری مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

اس رات پہلی بار اس نے اس لڑکی کا تعاقب کیا تھا۔ وہ ورکنگ ویمن کے ایک ہاسٹل کے سامنے اتری اور اندر چلی گئی اور ڈینیل وہاں سے واپس آ گیا۔ پھر ڈینیل کی روٹین میں جیسے یہ چیز بھی شامل ہو گئی تھی۔ وہ روز اسی طرح ہاسٹل تک اس کا تعاقب کرتا اور پھر اسے اندر داخل ہوتا دیکھ کر واپس آ جاتا۔ ایک دو بار ایسا بھی ہوا کہ وہ لڑکی مقررہ وقت سے چند گھنٹے پہلے ہی باہر نکل جاتی۔ اسٹاپ سے وین پر بیٹھتی پھر ہاسٹل سے کچھ فاصلے پر اسٹاپ پر اتر جاتی اور وہاں سے ہاسٹل تک کا فاصلہ پیدل خاموشی اور اپنے گرد وپیش سے بے نیاز ہو کر طے کرتی۔ شاید وہ اپنے گرد وپیش سے بے نیاز نہ ہوتی تو سیاہ رنگ کی وہ گاڑی بہت جلد اس کی نظروں میں آ جاتی جو اس وقت بھی اس سے کچھ پیچھے، بہت دھیمی رفتار سے چل رہی تھی۔ وہ ہاسٹل میں داخل ہوتی۔ ڈینیل چند لمحے وہاں کھڑا ہو کر ہاسٹل کے بند گیٹ کو دیکھتا رہتا اور پھر واپس آ جاتا۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے۔ وہ کس لیے وہاں جاتا ہے۔ کس وجہ سے وہاں بیٹھا رہتا تھا اور پھر کیوں اس کا ہاسٹل تک تعاقب کرتا تھا۔ وہ سب کچھ کرتے ہوئے بے اختیار ہوتا تھا۔ یوں جیسے کوئی دوسری چیز اس وقت اس پر حاوی ہو جاتی تھی۔ ہر رات واپس گھر آ کر وہ بڑی بے چارگی اور بے بسی کے عالم میں بیٹھا رہتا تھا۔

شاید یہ سب کچھ بہت عرصے تک اسی طرح چلتا رہتا اگر ایک دن وہ لڑکی وہاں سے غائب نہ ہو جاتی اور پھر مسلسل ایک ہفتہ غائب نہ رہتی۔ پہلے دن اس کی عدم موجودگی پر وہ بے چین رہا تھا مگر دوسرے دن بھی اسے وہاں نہ دیکھ کر اس کا دل ڈوب گیا تھا۔ کاؤنٹر پر موجود ایک دوسری لڑکی سے اس نے اس کے بارے میں پوچھا۔

''امید۔۔ ہاں وہ دو دن کی چھٹی پر ہے۔''

اسے تھوڑا سا سکون محسوس ہوا تھا' اس کا مطلب تھا کہ اگلے دن وہ ایک بار پھر وہیں موجود ہو گی۔ مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔ اگلے دن وہ پھر وہاں نہیں تھی۔

''پتا نہیں وہ آج کیوں نہیں آئی۔ اس کی چھٹی تو صرف دو دن کی تھی۔'' اسی لڑکی نے کندھے اچکاتے ہوئے اس کے استفسار پر جواب دیا۔ وہ اس کا چہرہ دیکھتا رہا پھر بے جان قدموں سے باہر آ گیا۔ اس رات بارہ بجے تک بغیر کسی مقصد کے سڑکوں پر گاڑی دوڑاتا رہا۔

اگلے دن وہ ایک بار پھر وہاں گیا تھا اور وہ پھر وہاں نہیں تھی۔

''کیا آپ کو اس سے کوئی کام ہے؟'' کاؤنٹر پر موجود اس لڑکی نے بڑے غور سے ڈینیل کو دیکھا۔

وہ گڑبڑا گیا۔ ''نہیں' کام نہیں ہے۔'' وہ رکا نہیں' باہر گاڑی میں بیٹھ کر اس نے اپنا سر پکڑ لیا تھا۔

''آخر یہ لڑکی کہاں غائب ہو گئی ہے۔ کیوں واپس نہیں آ رہی؟'' وہ بے اختیار بڑبڑا رہا تھا پھر جیسے ایک خیال آنے پر وہ سیدھا ہو گیا اور گاڑی لے کر اس کے ہاسٹل چلا گیا' جہاں وہ رہتی تھی۔ گیٹ پر اتر کر اس نے چوکیدار سے اردو میں گفتگو کا آغاز کیا تھا۔ چوکیدار ایک غیر ملکی کی زبان سے اتنی روانی سے نکلنے والی اُردو سن کر حیران تھا اور حیرانی کے ساتھ مرعوبیت بھی اس کے ہر انداز سے جھلک رہی تھی۔

''کون امید! آپ پورا نام بتائیں۔ یہاں تو بہت سی لڑکیاں رہتی ہیں؟'' چوکیدار نے اس کے سوال پر جواب دیا۔

''پورا نام تو میں نہیں جانتا۔'' اس نے کچھ بے چارگی سے کہا۔

''اچھا میں اندر سے پوچھ آتا ہوں۔''

چوکیدار نے کمال فیاضی کا ثبوت دیتے ہوئے کہا۔ وہ اندر جاتے ہوئے چوکیدار کو دیکھنے لگا جو چند قدم اٹھانے کے بعد یک دم واپس اس کی طرف آیا۔

''آپ ان کے کیا لگتے ہیں؟'' ڈینیل کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا جواب دے۔

''میں......میں ان کے ریسٹورنٹ کی طرف سے آیا ہوں۔ وہ دو دن کی چھٹی پر گئی تھیں اور ابھی تک نہیں آئیں۔ میں اسی لیے آیا ہوں۔''

اس کے ذہن میں جو پہلا بہانا آیا اس نے وہی چوکیدار کے سامنے پیش کر دیا۔ چوکیدار کی آنکھوں میں یکدم ایک چمک ابھری۔

''آپ امید عالم باجی کا تو نہیں پوچھ رہے جو ہوٹل میں کام کرتی ہیں۔''

ڈینیل نے کچھ نروس انداز میں سر ہلایا۔

''وہ اپنے شہر گئی ہوئی ہیں۔''

''کہاں؟''

''راولپنڈی۔''

''واپس کب آئیں گی۔''

''یہ تو نہیں پتا۔''

''کیا اندر سے پتا چل سکتا ہے؟''

''میں کوشش کرتا ہوں۔'' چوکیدار برق رفتاری سے اندر چلا گیا۔

وہ وہیں باہر ٹہلتا رہا، چند منٹوں کے بعد اس کی واپسی ہوئی۔

''وہ دو دن کے لیے گئی تھی مگر ابھی تک نہیں آئیں۔'' اس نے آتے ہی اطلاع دی۔ وہ چند لمحے کچھ بول نہیں سکا۔

''ان کا کوئی کانٹیکٹ نمبر نہیں مل سکتا؟''

''اس طرح تو ہم کسی کو بھی کسی لڑکی کا نمبر یا پتا نہیں دیتے جب تک کہ وہ لڑکی خود اجازت نہ دے۔'' وہ کچھ کہے بغیر پلٹ آیا۔

اس رات وہ کوشش کے باوجود سو نہیں سکا۔ سب کچھ اسے یک دم بے کار لگنے لگا تھا۔ اگر وہ لڑکی نہ آئی تو؟ اگر میں دوبارہ کبھی اس سے مل نہ سکا تو؟ یہ سوال اس کے ذہن میں آتے اور وہ بیڈ پر لیٹے لیٹے بے اختیار بے چین ہو کر اٹھ جاتا۔ کمرے میں بلا مقصد چکر لگاتے لگاتے اس کی ٹانگیں تھک جاتیں اور وہ پھر سر پکڑ کر بیٹھ جاتا۔

اگلے دن پہلی بار آفس میں وہ کوئی کام بھی صحیح طریقے سے نہیں کر سکا۔ ڈکٹیشن دیتے ہوئے وہ بار بار بھول جاتا کہ اسے آگے کیا کہنا تھا اور وہ

کس چیز کے بارے میں ڈکٹیشن دے رہا تھا۔اس کی سیکریٹری حیرانی سے اسے دیکھتی رہتی۔تین باراس نے چپراسی سے غلط فائل منگوائی۔تینوں بار اس نے فائل واپس بھی غلط جگہ بھجوائی۔اپنی ڈاک میں آئے ہوئے فیکس پڑھتے ہوئے وہ کسی کے بھی مفہوم کو نہیں سمجھ پا رہا تھا۔تنگ آ کر اس نے ڈاک چھوڑ دی تھی۔کمپنی کے آڈیٹرز کے ساتھ ہونے والی میٹنگ میں وہ ایک معمولی سی بات پر بھڑک اٹھا تھا،کسی نے اس سے پہلے ڈینیل ایڈگر کو غصے میں دیکھا تھا نہ اس طرح بلند آواز میں بولتے دیکھا تھا۔اس سے بھی زیادہ ہکا بکا وہ تب ہوئے تھے جب بلند آواز سے بولتے ہوئے وہ میٹنگ سے واک آؤٹ کر گیا تھا۔بہت دیر تک میٹنگ روم میں خاموشی چھائی رہی۔

''ڈینیل بہت اپ سیٹ ہے، کس وجہ سے؟ شاید آفس میں کام کے پریشر سے یا پھر اپنی کسی ذاتی وجہ سے۔لیکن میرا خیال ہے چند دنوں کے لیے اسے آرام ملنا چاہیے۔آپ اس کو تین دن کی چھٹی دے دیں۔'' زونل چیف جون بلیوارڈ نے HR منیجر کو ہدایت کی تھی۔

میٹنگ ختم ہونے کے بعد سعود ارتضیٰ اس کے آفس میں آیا تھا۔وہ ڈینیل کا کولیگ تھا مگر کولیگ ہونے کے ساتھ ساتھ دونوں میں بہت اچھی دوستی بھی تھی۔

''تم کچھ پریشان ہو؟'' اس نے آتے ہی ڈینیل سے پوچھا تھا۔وہ چاہتے ہوئے بھی انکار نہیں کر سکا۔صرف سر جھکائے بیٹھا رہا۔

''چیف نے کہا ہے کہ میں تم سے پوچھوں، تمہیں کیا پرابلم ہے۔انہوں نے تمہیں تین دن کی چھٹی بھی دی ہے تا کہ تم پرسکون ہوسکو۔''

وہ بات کرتے کرتے اس کی ٹیبل کے سامنے موجود کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

''کیا پریشانی ہے ڈینیل؟'' اس نے بڑے نرم لہجے میں ڈینیل سے پوچھا۔اس نے جواباً ریوالونگ چیئر کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اسے سعود سے اپنے مسئلے کو ڈسکس کرنا چاہیے یا نہیں اور اگر اس نے سعود سے اپنے مسئلے کو ڈسکس کیا تو اس کا ردِعمل کیا ہوگا۔وہ اس لڑکی کے لیے اس کے جذبات کو کس طرح لے گا۔

چند گہرے سانس لینے کے بعد اس نے بالآخر آنکھیں کھولیں اور آہستہ آواز میں اس نے سعود کو اس لڑکی کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔سعود خاموشی اور سنجیدگی سے اس کی ساری باتیں سنتا رہا۔

''آج میں نے تین بار اپنے آفس میں اسے دیکھا ہے۔'' وہ بے چارگی سے اسے بتا رہا تھا۔''میں واش بیسن میں ہاتھ دھو رہا تھا اور ہاتھ دھونے کے بعد میں نے سر اٹھا کر سامنے لگے ہوئے آئینے میں دیکھا تو مجھے اپنے بجائے وہاں بھی اسی کا چہرہ نظر آیا تھا۔صبح آفس آتے ہوئے ایک کراسنگ پر گاڑی روکتے ہوئے بھی مجھے یونہی لگا جیسے وہ کراسنگ سے گزر رہی ہے۔مجھے اپنی ذہنی کیفیت سے خوف آنے لگا ہے۔''

سعود کچھ بے یقینی سے اسے دیکھتا رہا تھا۔وہ اب خاموش ہو چکا تھا۔کمرے میں چند منٹ خاموشی ہی رہی تھی۔پھر ایک گہری سانس لے کر سعود ہی نے اس خاموشی کو توڑا۔

''تو تمہیں اس لڑکی سے محبت ہوگئی ہے۔'' ڈینیل نے چونک کر اسے دیکھا۔

''محبت؟ مگر مجھے کبھی کسی سے محبت نہیں ہوئی اور نہ ہی میں نے کبھی اس کی ضرورت محسوس کی ہے۔''

''مگر اس بار تمہیں محبت ہی ہوئی ہے اور تم اب اس کی ضرورت اور اہمیت بھی محسوس کر رہے ہو۔ پہلے کبھی محبت نہ ہونے کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ آئندہ بھی کبھی نہیں ہوگی۔''

ڈینیل کچھ حیرانی سے اس کے لفظوں پر غور کرتا رہا۔ ''کیا واقعی مجھے اس لڑکی سے محبت ہوگئی ہے؟'' اس نے سوچا۔ ''اور اگر ایسا ہوگیا ہے تو یہ کتنی حیرانی کی بات ہے۔ کیا مجھے کبھی کسی سے محبت ہوسکتی ہے اور وہ بھی کسی لڑکی سے اس طرح اچانک...... کچھ بھی جانے بغیر؟'' اسے ایک خوشگوار احساس ہوا تھا۔

''اب وہ لڑکی غائب ہوگئی ہے اور تم پریشان ہو۔ اسے ڈھونڈ رہے ہو اور وہ مل نہیں رہی مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ لڑکی مل بھی گئی تو تم کیا کرو گے۔ کیا صرف تم اس لیے اسے ڈھونڈنا چاہتے ہو تاکہ ایک بار پھر اس کے ہاتھ سے برگر کھا سکو۔''

ڈینیل نے کچھ چونک کر سعود کو دیکھا جو بات کرتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔

''یا تم اس سے محبت کا اظہار کرنا چاہتے ہو اور شادی کی خواہش کا اظہار کرو گے؟''

''ہاں' میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' اس نے بے اختیار کہا تھا۔

سعود ایک بار پھر سنجیدہ ہوگیا۔ ''میں نہیں جانتا کہ اس لڑکی کا مذہب کیا ہے لیکن اگر وہ مسلمان ہے تو مسلمان عورت کسی غیر مسلم مرد سے شادی نہیں کرسکتی۔ اس سے شادی کرنے کے لیے تمہیں مسلمان ہونا پڑے گا۔ اب تم سوچو، کیا تم یہ کرسکتے ہو اور اگر تم اسلام قبول کر بھی لو تب بھی یہ یقینی نہیں ہے کہ اس سے تمہاری شادی ضرور ہو جائے گی۔ ہوسکتا ہے، اس کی شادی ہوچکی ہو یا ہونے والی ہو یا منگنی ہوچکی ہو۔ اگر ایسا نہ بھی ہوا تو بھی وہ تمہیں ناپسند کرسکتی ہے یا اس کی فیملی تمہیں ناپسند کرسکتی ہے۔ ہمارے یہاں خاندان برادریوں کا سسٹم بہت مضبوط ہے۔ ہمارے یہاں تو بعض دفعہ خاندان سے باہر شادی نہیں کرتے۔ کہاں یہ کہ ایک غیر ملکی سے شادی کر دی جائے اور غیر ملکی بھی وہ جو نو مسلم ہو۔ اب ایسی صورتِ حال میں تمہاری اس محبت کا کیا حشر ہوسکتا ہے یہ تم اچھی طرح جانتے ہو۔ ہم لوگ آزاد خیال ہونے کی کوشش کر رہے ہیں مگر بعض معاملات میں ہم ہمیشہ قدامت پرست ہی رہتے ہیں خاص طور پر تب جب کسی معاملے میں مذہب بھی انوالو ہو جائے اور یہ بھی ایسا ہی ایک معاملہ ہے۔ اب تم ان سب باتوں پر آج رات اچھی طرح سوچو اور دیکھو کہ کیا تم اتنی پریشانیاں برداشت کرسکتے ہو۔ اس معاملے میں تمہارا ہر قدم ایک جوا ہوگا اور جوا بہر حال جوا ہوتا ہے اس میں ہارنے اور جیتنے کے امکانات برابر ہوتے ہیں۔ ہار کی صورت میں تم خود پر کس طرح قابو پاؤ گے تمہیں اس بارے میں بھی سوچنا ہے۔ یہ ساری باتیں سوچنے کے بعد یہ طے کر لینا کہ اس محبت کو قائم رکھنا چاہتے ہو یا پھر سارا معاملہ ختم کر دینا چاہتے ہو۔ اگر سب کچھ سوچنے کے بعد بھی تم اسی لڑکی سے شادی کے خواہشمند ہوئے تو ٹھیک ہے پھر میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اس لڑکی کو تلاش کر دوں گا کیونکہ یہ ایسی بھی ناممکن بات نہیں ہے۔''

سعود اپنی بات ختم کر کے وہاں سے اٹھ گیا تھا مگر ڈینیل کے ذہن میں ابھی بھی اس کی باتیں گونج رہی تھیں۔

اس شام وہ ایک بار پھر کسی موہوم آس کے تحت وہاں گیا تھا۔ وہ وہاں نہیں تھی۔ اسے اپنے اندر آنسوؤں کا ایک غبار سا اٹھتا محسوس ہوا تھا۔

اس رات اپنے کمرے میں بیٹھ کر وہ سعود کی باتوں کے بارے میں سوچتا رہا۔ کوئی مسلم عورت کسی غیر مسلم مرد سے شادی نہیں کرسکتی' تمہیں ایسا

کرنے کے لیے سب سے پہلے اسلام قبول کرنا پڑے گا۔ مذہب کا سوال ایک بار پھر اس کے سامنے سر اٹھا کر کھڑا ہو گیا مگر اس بار یہودی یا عیسائی نہیں بلکہ ایک تیسرے مذہب کا پیروکار ہونے کے بارے میں اسے سوچنا پڑ رہا تھا اور اس بار وہ اس معاملے کو ہمیشہ کی طرح اپنے سر سے جھٹک بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ اس کی زندگی کا ایک اہم معاملہ اس سے منسلک ہو گیا تھا۔

''کیا میں اسلام قبول کر سکتا ہوں؟'' اس نے اپنے آپ سے پوچھا اور اس سوال نے اس کے ذہن میں بہت سی پرانی یادیں تازہ کر دی تھیں۔

♥......♥......♥

باب 9

اسلام اس کے لیے کوئی نئی اور انوکھی چیز نہیں تھی۔ اس مذہب سے اس کا پہلا تعارف بہت بچپن میں ہی ہو گیا تھا۔ وہ مراکش میں پیدا ہوا تھا۔ ایک مسلم ملک میں۔ پھر جن جن ملکوں میں گیا۔ وہ بھی اسلامی تھے۔ اذان کی آواز پر اپنے کلاس فیلوز کی پیروی کرتے ہوئے وہ بھی خاموش ہو جایا کرتا تھا اور یہ عادت پندرہ سالوں میں بہت پختہ ہو گئی تھی۔ امریکہ میں ایک لمبے قیام کے بعد پاکستان آنے پر ایک بار پھر بے اختیار اذان کی آواز پر اسے اپنا بچپن یاد آ جاتا تھا ایک بار پھر سے وہ اسی طرح احتراماً خاموش ہو جایا کرتا تھا جیسے بچپن میں اسکول میں ہوتا تھا۔ ایسی بہت سی دوسری یادیں اس کے بچپن کا حصہ تھیں جو کسی نہ کسی طرح اس کی عادات میں بھی شامل تھیں مگر اس وقت وہ یہ سب کچھ سوچے سمجھے بغیر کیا کرتا تھا۔

اسلام کے بارے میں پہلی بار اس نے تب سوچا تھا جب چھ سال کی عمر میں وہ اپنے والدین کے ساتھ ایک سال کے لیے لندن آیا تھا۔ یہیں پہلی بار اس نے اپنی ماں کے ساتھ چرچ میں ایک پادری کا وعظ سنا تھا جس میں وہ لبنان اور دنیا کے کچھ دوسرے علاقوں میں عیسائیوں کے ساتھ مسلمانوں کی طرف سے کیے جانے والے مظالم کا ذکر کر رہا تھا۔ وہ ان مظالم کی کچھ اس طرح منظر کشی کر رہا تھا کہ چرچ کی بنچوں پر بیٹھی ہوئی کچھ عورتوں کی آنکھوں میں آنسو اور ہونٹوں پر سسکیاں آ گئی تھیں۔ ان میں سبل بھی شامل تھی۔

ڈینیل نے تب حیرانی سے ماں کو دیکھا تھا اور خود بھی اداس ہو گیا تھا۔

''مسلمان ایسا کیوں کرتے ہیں؟'' اس دن چرچ سے باہر آتے ہوئے اپنی ماں کی انگلی پکڑے ہوئے اس نے اپنی ماں سے پوچھا۔

''یہ ان کا کلچر ہے...... وہ اپنے علاوہ کسی دوسرے کو برداشت نہیں کر سکتے۔'' اس کی ماں نے کہا تھا۔ وہ غور سے ماں کے جملے کو سوچتا رہا۔

''مگر اس طرح لوگوں کو مارنا بہت برا ہوتا ہے، ہے نا؟'' اس نے ماں سے پوچھا۔

''ہاں برا ہوتا ہے مگر مسلمانوں کو ان کی پروا نہیں ہوتی۔ وہ اور بھی بہت سے برے کام کرتے رہتے ہیں۔ میں تمہیں گھر چل کر بتاؤں گی۔'' اس کی ماں نے اس سے کہا تھا۔

اس دن گھر جا کر سبل نے ایک کتاب کھولی تھی اور ڈینیل کو اسپین پر مسلمانوں کے قبضے اور مظالم کی تفصیلی داستان سنائی تھی۔ اگلے ایک ہفتے میں وہ صلیبی جنگوں میں مسلمانوں کی زیادتیوں کے قصے بھی سن چکا تھا۔

ایک ہفتے بعد اس کے اسکول میں ایشیا کے مسلم ممالک میں عیسائی مشنریز اور مقامی عیسائی کمیونٹی کے لیے فنڈز اکٹھے کیے گئے تھے۔

''آپ لوگ ایک چاکلیٹ کی قیمت ہمیں دے سکتے ہیں۔ ایک دن ایک چاکلیٹ نہ کھا کر آپ بہت سے ایسے بچوں کی مدد کر سکتے ہیں جن کے پاس چاکلیٹ تو کیا کھانے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔''

ڈینیل نے اسکول میں آنے والے اس فادر کی باتیں دوسرے بچوں کی طرح غور سے سنی تھیں اور پھر دوسرے بچوں کے ساتھ اپنی اس دن کی

پاکٹ منی اپنے پاس رکھنے کے بجائے چیریٹی باکس میں ڈال دی۔ گھر آ کر اس نے اپنی ماں کو اپنا یہ کارنامہ بتایا تھا۔ سبل بے تحاشا خوش ہوئی۔

''ان بچوں کے پاس کھانے کے لیے کچھ کیوں نہیں ہے؟'' اس نے رات کو بیٹھے بیٹھے سبل سے پوچھا تھا۔

''کیونکہ یہ لوگ مسلم ممالک میں رہ رہے ہیں۔ مسلم اپنے علاوہ تمام دوسرے مذاہب کے لوگوں کو ناپسند کرتے ہیں۔ وہ وہاں کی مقامی عیسائی آبادی سے برا سلوک کرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں، وہ لوگ کم تعداد میں ہیں، اس لیے ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس لیے انہیں کوئی خوف نہیں ہے۔ یہ فنڈز اکٹھے ہونے کے بعد ان ملکوں میں بھیجا جائے گا، وہاں ان بچوں کے لیے اسکول بنائے جائیں گے۔ ہاسٹل بنائے جائیں گے۔ ان کے کھانے اور رہنے پر خرچ کیے جائیں گے۔''

سبل نے اسے تفصیل سے بتایا تھا۔ جو ایک بات سبل نے اسے اس وقت نہیں بتائی اور جو اس واقعہ کے پندرہ سال بعد ایک آرٹیکل کے ذریعے اس کے علم میں آئی، وہ یہ تھی کہ یہ فنڈز عیسائیت کی تبلیغ کے لیے غریب مسلمانوں کو اپنے مذہب کی طرف راغب کرنے کے لیے، ان کی بھاری مالی امداد کے لیے بھی استعمال کیے جاتے تھے۔

چھ سال کی عمر میں دوسرے بچوں کی مدد کرنے کے لیے اس نے باقاعدگی سے اپنی پاکٹ منی اسکول میں موجود چیریٹی باکس میں ڈالنا شروع کر دیا اور جس دن وہ ماں کے ساتھ چرچ جاتا اس دن وہ چرچ میں چیریٹی باکس میں روپے ڈالنا نہ بھولتا۔

"Muslims are wicked brutal and treacherous" (مسلمان مکار، وحشی اور دھوکے باز ہیں) یہودیوں کی ایک عبادت گاہ میں ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے ایک یہودی مذہبی رہنما کا یہ وہ جملہ تھا جو اگلے کئی دن اس کے ذہن سے چپکا رہا۔ وہ پیٹرک کے ساتھ ہفتہ وار عبادت کے لیے گیا تھا اور وہاں بھی ربائی مسلمانوں کے مظالم کے بارے میں بتاتے ہوئے یہودیوں سے فنڈز کی درخواست کر رہا تھا۔ ڈینیل نے اپنے باپ کو ایک چیک کاٹ کر ربائی کی طرف بڑھاتے دیکھا تھا اور پھر اس نے بھی اپنی جیب میں موجود ایک پاؤنڈ نکال کر ربائی کی طرف بڑھا دیا۔ ربائی نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر اپنے قریب کر لیا تھا۔

''یہی بچے اسرائیل اور یہودیوں کا مستقبل ہوں گے۔'' ربائی نے اسے خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا۔ ڈینیل نے کچھ جھینپتے ہوئے اپنے باپ کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر اس وقت فخر اور چمک تھی پھر یہ بھی ایک روٹین بن گئی تھی۔ وہ جب بھی باپ کے ساتھ جاتا تو اپنی پاکٹ منی یہودیوں کے لیے وقف کر آتا۔ جب ماں کے ساتھ جاتا تو اپنی پاکٹ منی عیسائیوں کے لیے دے آتا۔

شاید مسلمانوں کے خلاف اس کی یہ بریں واشنگ ناپسندیدگی سے نفرت میں بدل جاتی اگر وہ دوبارہ اپنے والدین کے ساتھ مصر نہ چلا جاتا اور پھر اگلے بہت سے سال وہاں نہ گزارتا جہاں اس کے ٹیچرز اور کلاس فیلوز کی ایک بڑی تعداد مسلمان تھی اور وہ اتنے ہی مہربان اور محبت کرنے والے تھے جتنے اس کے دوسرے ٹیچرز اور کلاس فیلوز تھے۔ انہیں کمپنی کی طرف سے جو گھر دیا گیا تھا۔ وہ ایک مسلمان بیوہ کی ملکیت تھا جو خود اسی گھر کی انیکسی میں رہتی تھی۔ مگر اپنی مالی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اس نے اپنے گھر کو کرائے پر دے دیا تھا۔ حامدہ اسد الزبیر نامی یہ عورت ترکی سے تعلق رکھتی تھی جو اپنے شوہر سے شادی کے بعد وہاں آئی تھی اور سبل کے اس سے بہت اچھے تعلقات تھے۔ وہ بے اولاد تھی اور ڈینیل سے بہت محبت کرتی

تھی۔ اگر کبھی ڈینیل کو گھر پر چھوڑنے کی ضرورت پیش آتی تو سبل حامدہ کے پاس ہی چھوڑا کرتی تھی اور حامدہ اس کی بہت اچھی طرح سے دیکھ بھال کیا کرتی تھی۔ ڈینیل اسے ہمیشہ سر سے پاؤں تک ایک سفید چادر میں لپٹا دیکھا کرتا تھا اور وہ زیادہ تر قرآن کی تلاوت کرتی رہتی تھی۔ جب سبل ڈینیل کو اس کے پاس چھوڑ جاتی تب بھی اس سے کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد اور اسے کسی سرگرمی میں لگا کر وہ خود ایک بار پھر قرآن کی تلاوت کرنے لگتی تھی۔

اور یہیں ڈینیل اور اس عورت کے درمیان ایک مخصوص بے تکلفی پیدا ہونے لگی۔ وہ شروع میں کچھ جھجکتا رہا مگر پھر آہستہ آہستہ اس عورت سے مسلمانوں کے بارے میں اپنے ذہن میں بٹھائے گئے تمام خدشات کا اظہار کرتا رہا۔ حامدہ اسدالزہیر اس کی بعض باتوں پر مسکراتی اور بعض پر قہقہہ لگا کر ہنس دیتی۔ پھر تلاوت کرتے کرتے وہ اسے کسی آیت کا انگلش ترجمہ سناتی۔

''ہمارا خدا اور پیغمبر اس طرح کی باتیں کہتے ہیں اور ہم اس طرح کی باتوں پر عمل کرتے ہیں۔'' وہ ہر بار یہی کہتی۔ تم نے ان زیادتیوں کے بارے میں سنا ہے جو مسلمانوں نے دوسروں پر کی ہیں مگر جو مسلمانوں پر کی گئی ہیں وہ تم نہیں جانتے۔ فلسطین میں مسلمانوں کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔'' اسے تفصیل سے بتانے لگتی۔ ''ترکی میں اتحادیوں نے جو سارے عیسائی ملک تھے کیا کیا۔'' وہ پہلی جنگِ عظیم کی تفصیل بتانے لگتی۔ ''برصغیر میں مسلمانوں کے ساتھ برٹش نے کیا کیا۔''

آٹھ سال کی عمر میں وہ الجھے ہوئے ذہن کے ساتھ حامدہ اسدالزہیر کی باتیں سنتا اور پریشان ہو جاتا۔

''مسلمان ویسے نہیں ہوتے جیسا تم سمجھتے ہو۔ ہمارا اپنا مذہب ہے' خاص کلچر ہے' مختلف روایات ہیں اگر ہم ان کے مطابق زندگی گزارتے ہیں تو اس میں کیا غلط ہے۔ تم لوگ بھی تو یہی کرتے ہو۔ میرا مطلب ہے کہ تمہاری ممی اور ڈیڈی...... یہودی اور عیسائی...... ہم اعتراض نہیں کرتے' ہم مداخلت نہیں کرتے' ہم دوسروں کی آزادی کا احترام کرتے ہیں اور حقوق کا بھی' پھر ہماری آزادی اور حقوق کا احترام کیوں نہیں کیا جاتا۔''

حامدہ اسدالزہیر ہمیشہ اس سے اس طرح بات کرتی تھی جیسے وہ آٹھ نو سال کا بچہ نہیں بلکہ اٹھارہ انیس سال کا ایک نوجوان ہو اور ڈینیل کو یہ بات اچھی لگتی تھی۔ وہ ہر بات اسے بتانے کے بعد اس کی رائے لیتی تھی اور اسے مجبوراً اپنی پسند یا ناپسندیدگی سے اسے آگاہ کرنا پڑتا تھا۔

دو سال مصر کے قیام نے لندن کے ایک سال کے قیام کے نتیجے میں اس کے ذہن میں جنم لینے والے تعصب کو صاف کر دیا تھا۔ وہ ہر چیز کو قدرے زیادہ غیر جانبدار ہو کر سوچنے لگا تھا۔

اگلے کچھ سالوں نے جو اس نے مسلمان ملکوں میں گزارے تھے مذہب کے بارے میں اس کے تعصب کو دوبارہ ابھرنے نہیں دیا۔ اس کی جو چند دوستیاں تھیں وہ مسلمان لڑکیوں سے ہی تھیں ان روایات اور اس کے اپنے گھر کی روایات میں زیادہ فرق نہیں تھا۔ اس کے دوستوں کی بہنیں اگر اس کے سامنے پردہ کرتیں یا نہ آتیں' تب بھی اسے یہ بات پہلے کی طرح بری نہیں لگتی تھی بلکہ اچھی لگتی تھی اسے وہ لڑکیاں اپنی ہی ماں کی ایک extention لگتی تھیں۔ اس کی اپنی ماں بھی اسکرٹ یا ٹراؤزر پہننے کے باوجود اپنے جسم کو بہت اچھے طریقے سے ڈھانپ کر رکھتی تھی۔ اس نے اپنے دوستوں کی ماؤں کو بھی اس طرح دوسروں کی مدد کرتے دیکھا تھا جس طرح خود اس کی ماں کرتی تھی۔

پندرہ سال کی عمر میں واپس امریکہ جاتے ہوئے وہ خود بھی ان اسلامی روایات کا اتنا عادی ہو چکا تھا کہ اس کے لیے امریکہ میں نظر آنے والی

آزادی ایک شاک کی طرح تھی۔ پردے میں چھپی رہنے والی عورتوں سے بے لباس رہنے والی عورتوں کا موازنہ کرتے ہوئے وہ شدید کشمکش کا شکار تھا، کون بہتر تھیں؟ کون بدتر تھیں؟ اس کے ذہن میں ایک باحیا اور باپردہ مسلم عورت کا تصور کچھ اتنی سختی سے نقش ہو گیا کہ مسلم ممالک میں خاص طور پر مصر اور اردن میں نظر آنے والی بے پردہ یا بے باک قسم کی عورتوں کو یا تو وہ مسلم نہیں سمجھتا تھا یا پھر یہ سوچتا تھا کہ ان کا تعلق کسی اچھے خاندان سے نہیں۔

اسلام کے بارے میں ایک نئی بحث کا سامنا اسے تب کرنا پڑا جب سترہ سال کی عمر میں اس کے اسکول میں آنے والی ایک مسلم لڑکی کو صرف اسکارف پہننے کی وجہ سے اسکول سے نکال دیا گیا تھا۔ اس کے لیے یہ بات ایک جھٹکے کی طرح تھی۔ صرف اسکارف لینے پر اسکول آنے سے روک دینا؟ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اس ایشو پر اپنے ردِعمل کا اظہار کس طرح کرے۔ وہ خود مسلمان ممالک میں لڑکیوں کو اسکارف لیے اسکول میں آتے دیکھ چکا تھا اور اس کے لیے یہ ایک معمولی بات تھی مگر اب یہ معمولی بات نہیں رہی تھی۔ اس لڑکی کے والدین نے لڑکی کا اسکارف اتروانے کے بجائے عدالت میں مقدمہ کر دیا تھا اور اخبارات دھڑا دھڑ اس بارے میں اپنے خیالات اور رائے کا اظہار کر رہے تھے۔

چند ماہ کے اندر کیس کا فیصلہ ہو گیا تھا۔ عدالت نے اسکول کی انتظامیہ کا فیصلہ برقرار رکھا تھا۔ وہ لڑکی اسی وقت اسکول آ سکتی تھی جب وہ اسکارف کے بغیر آتی اور وہ لڑکی اسکول نہیں آئی۔ اس نے کسی دوسرے سکول میں ایڈمیشن لے لیا جہاں وہ اسکارف کے ساتھ جا سکتی تھی۔ اخبارات نے اسکول کی انتظامیہ اور عدالت پر داد و تحسین کے ڈونگرے برسا دیے تھے۔ جنہوں نے مسلمانوں کی طرف سے مذہبی تعصب پھیلانے کی کوشش کو ناکام کر دیا تھا۔

''اگر جج یہودی' ملک عیسائی ہو اور اپیل کرنے والا مسلمان ہو تو پھر ایسے ہی فیصلے کی توقع رکھی جا سکتی ہے۔''

اس نے اگلے دن کیفے ٹیریا میں اپنے ایک پاکستانی کلاس فیلو کے منہ سے طنزیہ انداز میں یہ بات سنی تھی۔

''اس اسکول میں ایک لڑکی ٹاپ لیس پہن کر آجائے گی' کوئی مذہبی تعصب نہیں پھیلے گا مگر اگر ایک مسلمان لڑکی سر ڈھانپ کر آئے گی تو قیامت آجائے گی' ہمارے دین کی امتیازی صفت حیا ہے اور ہماری عورتوں کے اسکارف میں انہیں یہ صفت نظر آنے لگتی ہے' اسکارف ختم کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے دین پر غالب آگئے۔ یہ ہماری شناخت سے خوف کھاتے ہیں' چاہے وہ ہماری عورتوں کے لباس میں نظر آئے یا مردوں کی داڑھیوں میں۔''

ڈینیل چپ چاپ اس کی باتیں سنتا رہا تھا۔ اس کے اپنے دل میں بھی ایک خلش تھی۔ صرف لباس کی بنیاد پر کسی کو اس طرح اسکول سے نکال دینا کیا آزادی، مساوات اور انسانی حقوق کی خلاف ورزی نہیں تھی۔ وہ اگلے کئی دن سوچتا رہا پھر رفتہ رفتہ یہ بات اس کے ذہن سے نکل گئی۔

یونیورسٹی میں ایم بی اے کرنے کے دوران ایک بار جب سبل اور پیٹرک نے اس سے اپنے مذہب کے بارے میں حتمی فیصلہ کرنے کے لیے کہا تو کھانے کی میز پر اس نے کچھ مذاق کے انداز میں ان سے کہا۔

''آپ دونوں فکر مت کریں۔ مرتے وقت میں اس طرح لامذہب نہیں ہوں گا کہ آپ کو میری آخری رسومات میں دشواری ہو کہ کس عقیدے کے مطابق میری آخری رسومات ادا کی جائیں۔ یہودی نہیں تو عیسائی ہو جاؤں گا۔ عیسائی بھی نہیں تو بدھسٹ یا پھر چلیں مسلم ہو جاؤں گا۔''

وہ ٹرائفل پر نظریں جمائے کہہ رہا تھا۔ ڈائننگ ٹیبل پر اچانک خاموشی چھا گئی۔ ڈینیل نے کچھ حیران ہو کر ٹرائفل کھاتے کھاتے سر اٹھا کر ماں باپ کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں بے حس و حرکت کسی شاک کے عالم میں اسے دیکھ رہے تھے۔

''کیا ہوا؟'' وہ ٹرائفل کھاتے کھاتے رک گیا۔

''تم نے مسلمان ہونے کے بارے میں سوچا بھی کیسے؟'' سبل نے سرد آواز میں کہا تھا۔

''میں نے سوچا نہیں صرف مذاق کے طور پر کہہ رہا ہوں۔'' اس نے وضاحت کی۔

''اتنی اہمیت کیسے دے دی تم نے اس مذہب کو کہ مذاق کے طور پر بھی اسے قبول کرنے کا ذکر کرو۔'' اس بار پیٹرک نے درشت لہجے میں کہا۔

''کوئی مذہب اختیار کر لو بدھسٹ ہو جاؤ، ہندو ہو جاؤ، پارسی ہو جاؤ ہم قبول کر لیں گے مگر مسلمان ہونے کے بارے میں سوچنا بھی مت، میں یہودی ہوں اور میں کسی ایسی اولاد کو نہیں اپنا سکتا جو مسلمان ہو۔'' پیٹرک کا ایسا کرخت اور درشت لہجہ اس نے پہلے کبھی نہیں سنا تھا۔ ''یہ وہ قوم ہے جس نے یہودیوں کو فلسطین سے نکال پھینکا تھا۔'' پیٹرک نے ایک تاریخی حوالہ دیا تھا۔

ڈینیل نے محتاط نظروں سے ماں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''وہ بہت پرانی بات تھی، اسے بھول جانا چاہیے ورنہ تو یہودیوں کو عیسائیوں نے بھی جرمنی سے نکالا تھا اور یہ بہت پرانی بات نہیں ہے پھر آپ کو یہ بھی یاد رکھنی چاہیے۔''

''ڈینیل!'' سبل دونوں ہاتھ میز پر رکھ چلائی تھی۔

''سوری ممی! اگر آپ کو میری بات بری لگی تو...... لیکن میں تو صرف حقیقت بتا رہا تھا اور حقائق کو بدلا نہیں جا سکتا۔'' اس نے صلح جو انداز میں کہا۔

''تو تم...... تم مسلمان ہونا چاہتے ہو؟''

''نہیں میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔ میں نے بس مذاق میں ایک بات کی تھی اور بس آپ بھول جائیں اس بات کو۔'' اس نے بات کا موضوع بدل دیا تھا۔

مگر اس رات اسے یہ حیرانی ضرور ہوئی تھی کہ اس کے ماں باپ اسلام کے اتنے خلاف کیوں ہیں۔ دوسرے کسی بھی مذہب کو اختیار کرنے پر انہیں اعتراض نہیں مگر اسلام کے اختیار کرنے پر وہ قطع تعلق کرنے پر تیار ہیں حالانکہ اس کا خیال تھا کہ اس کے ماں باپ میں مذہبی تعصب نہیں ہے ''آخر اسلام سے یہ لوگ خوفزدہ کیوں ہیں؟'' وہ سوچتا رہا'' مجھے مطالعہ کرنا چاہیے اسلامک ہسٹری میں عیسائیوں اور یہودیوں کے بارے میں سب کچھ جانتا ہوں تو پھر اسلام کے بارے میں بھی مجھے کچھ بنیادی معلومات ضرور رکھنی چاہیے۔'' اس نے اس رات طے کیا تھا اور یہی تجسس تھا جس نے اسے اسلام کا مطالعہ کرنے پر مجبور کیا تھا۔ چھ ماہ اسلام کی تاریخ اور قرآن پاک کا ترجمہ پڑھنے کے بعد اس کا ذہن مذہب کے انتخاب کے بارے میں کچھ اور کشمکش کا شکار ہو گیا تھا۔ ''بہر حال یہ تو طے ہے کہ میں جب بھی اپنے لیے ایک مذہب کا انتخاب کروں گا تو پھر صرف عیسائیت یا

یہودیت نہیں میں اسلام کے بارے میں بھی غور کروں گا۔'' ان چھ ماہ کے بعد یہ اس کا فیصلہ تھا۔

کیتھی کے ساتھ دوستی کے اختتام پر ہونے والے جھگڑے میں اس کے کہے گئے الفاظ نے اسے ایک بار پھر اس مذہب کی طرف متوجہ کیا تھا۔

''میرے بجائے کسی جاہل، پردے میں چھپی ہوئی مسلم عورت سے شادی کرو جو ساری عمر تمہاری انگلی پکڑ کر چلتی رہے اور تمہارے علاوہ کسی دوسرے مرد کا منہ دیکھنے کی جرات نہ کرے۔''

وہ کیتھی کے کہے گئے جملے پر کئی دن مشتعل ہو کر سوچتا رہا کہ مسلم عورت واقعی کیتھی جیسی عورتوں سے بہتر ہوتی ہے، کم از کم وہ پاک باز تو ہوتی ہے، اس میں وفاداری اور حیا تو ہوتی ہے۔ وہ اپنی نمائش کروانے کا شوق نہیں رکھتی۔ جو مذہب اپنے پیروکاروں میں یہ خوبیاں پیدا کرے وہ اس مذہب سے بہتر ہے جو اپنے پیروکاروں میں یہ خصوصیات پیدا نہ کر سکے۔ کیتھی نے اسے مسلم عورت سے شادی کا طعنہ اس لیے دیا تھا کیونکہ مغرب میں مسلم عورت ایک پسماندہ، ان پڑھ، مجبور، لاچار مخلوق کے طور پر پیش کی جاتی تھی اور ایسی مخلوق کسی بھی اچھے مرد کے قابل نہیں سمجھی جاتی۔ مگر ڈینیل کو یہ بات طنز لگنے کے بجائے ایک نئی راہ دکھانے لگی تھی۔ وہ راہ جو اسے مشرقی عورتوں کی طرف متوجہ کر گئی۔

پھر وجیتا کے منہ سے کہے گئے الفاظ اسے ایک بار پھر بے چین کر گئے تھے۔

''بعض دفعہ تم مجھے ایک مسلم مرد کی طرح تنگ نظر اور کٹر لگتے ہو۔'' اسے اس وقت اس تبصرے پر غصہ آیا تھا۔ ''اگر میں اپنی بیوی کا کسی دوسرے کے سامنے برہنہ ہونا پسند نہیں کرتا تو اس میں تنگ نظری اور کٹر ہونا کہاں سے آ جاتا ہے۔ جو چیز قیمتی ہو اور اس کی قدر کی جائے تو اسے کوئی بھی گلی میں نہیں رکھتا...... اگر مسلمان مرد بھی اپنی عورت کے بارے میں ایسے خیالات رکھتا ہے تو ٹھیک کرتا ہے۔ کیا ایسی باتوں کی وجہ سے مغرب نے مسلمانوں پر تنگ نظری، تعصب اور کٹر پن کے ٹھپے لگائے ہوئے ہیں۔'' اس رات بھی وہ بہت دیر تک یہی سب کچھ سوچنے پر مجبور تھا۔

جاب ملنے کے بعد وہ پاکستان آ گیا تھا۔ مگر یہاں بھی جس سوسائٹی میں وہ موو کرتا تھا، زیادہ تر لڑکیاں ایسی ہی تھیں۔ وہ پارٹیز میں ایوننگ گاؤنز میں ملبوس لڑکیوں کو ہاتھ میں شراب کے گلاس لیے مردوں کے ساتھ بے تکلفی کے مظاہرے کرتے دیکھتا اور حیران ہوتا، کیا واقعی اب مسلم ممالک میں بھی ویسی عورتیں نہیں ملتیں یہی stuff ملتا ہے جو کسی بھی ترغیب کے سامنے نہیں آ سکتا چاہے وہ ترغیب دولت کی صورت میں ہو، شہرت کی صورت میں ہو اسٹیٹس کی صورت میں ہو یا پھر کسی مرد کی صورت میں ہو۔ وہ مایوسی سے سوچتا اور شادی سے کچھ اور متنفر ہو جاتا۔

''اگر ایسی ہی کسی عورت کو زندگی کا ساتھی بنانا تھا تو اپنے معاشرے کی عورت کیوں نہیں پھر یہاں شادی کرنے کی کیا ضرورت ہے۔'' وہ کچھ بے دلی سے سوچتا۔ آہستہ آہستہ وہ اپنے کام میں اتنا مصروف ہو گیا تھا کہ اس نے پارٹیز میں لڑکیوں کو اس نظر سے دیکھنا ہی ختم کر دیا۔ وہ ہر ایک کے ساتھ رسمی علیک سلیک کرتا اور رابطہ ختم کر دیتا۔ اس کی یہ روٹین لاہور آنے کے بعد بھی ایسے ہی رہی تھی۔
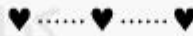
♥ ...... ♥ ...... ♥

باب 10

اور اب وہ ایک ایسی لڑکی کی محبت میں گرفتار ہو چکا تھا جس کے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتا تھا سوائے نام کے۔ ''اگر یہ لڑکی بھی ان ہی لڑکیوں جیسی ہوئی جنہیں میں آج تک مسترد کرتا رہا ہوں تو پھر کیا میں اسے بھی چھوڑ دوں گا؟''

اس نے خود سے پوچھا تھا اور جواب دینے کی ہمت اپنے اندر نہیں پائی۔ ''میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔ میں اس کے ماضی سے کوئی دلچسپی نہیں رکھوں گا اور اپنے حال کو ویسا بنایا جا سکتا ہے جیسا میں چاہتا ہوں۔ جب میں اسے زندگی میں سب کچھ دوں گا تو کیا وہ میرے لیے پارسائی اختیار نہیں کر سکے گی۔'' اس نے سوچا۔ ''وہ کر لے گی کیونکہ وہ مشرقی عورت ہے اور شاید مسلمان بھی۔''

پچھلے پینتیس سالوں سے جس مسئلے کو وہ ٹالتا رہا تھا، اب وہ اس کے سامنے اس طرح آ گیا تھا کہ وہ آنکھیں چرا کے آگے نہیں جا سکتا تھا۔

''کیا میں ایک مسلمان عورت سے شادی کے لیے اسلام قبول کر سکتا ہوں؟''

اس نے اپنے آپ سے پوچھا تھا۔ اس کے اندر خاموشی کا ایک طویل وقفہ تھا۔

''ہاں، میں کر سکتا ہوں۔'' بالآخر جواب آیا تھا۔

''اگر وہ لڑکی مجھے مل جائے تو میں کچھ بھی کر سکتا ہوں۔'' فیصلہ بہت آسان ہو گیا تھا۔

اگلے دن ایک بار پھر فاسٹ فوڈ چین پر گیا تھا، وہ آج بھی نہیں تھی۔ رات کو وہ سعود کے پاس پہنچ گیا۔

''ٹھیک ہے، تم نے فیصلہ کر لیا کہ تم اس لڑکی کے لیے مذہب تبدیل کر لو گے..... اچھا فرض کرو، کچھ عرصہ کے بعد تم دونوں کی شادی ناکام ہو جاتی ہے اور تم اسے طلاق دے دیتے ہو پھر تم کیا کرو گے؟ کیا اسلام چھوڑ دو گے؟'' اس کے پاس ڈینیل کے لیے ایک اور مشکل سوال تھا۔

''شادی ناکام ہونے سے مذہب کی تبدیلی کا کیا تعلق ہے؟''

''بہت گہرا تعلق ہے، تم مذہب سے متاثر ہو کر اسلام قبول نہیں کر رہے۔ صرف ایک عورت سے شادی کی خاطر ایسا کر رہے ہو، ظاہر ہے اگر وہ عورت تمہارے پاس نہ رہی تو پھر تمہارے مسلمان رہنے کا بھی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ بہت معذرت کے ساتھ کہوں گا لیکن سچ یہی ہے کہ تم جیسا شخص جس کی زندگی میں کبھی مذہب رہا ہی نہیں اس کے لیے کسی مذہب میں داخل ہونے سے زیادہ آسان کام نکلنا ہے۔''

وہ سعود کا چہرہ دیکھتا رہا ''میرے ذہن میں اس بارے میں کوئی الجھن نہیں ہے، ٹھیک ہے، میں ایک عورت کے لیے اسلام قبول کر رہا ہوں اور میرا خیال ہے یہ مذہب مجھے ایک بہتر انسان بنائے گا لیکن ایک عورت کو چھوڑنے پر میں یہ مذہب چھوڑنے کا کوئی خیال نہیں رکھتا۔ شادی ایک معاشرتی معاملہ ہے مگر مذہب کا تعلق عقائد سے ہوتا ہے۔''

''پھر تم یہ بات تسلیم کرو کہ بعض معاشرتی معاملات ہمارے عقائد پر اثر انداز ہوتے ہیں۔''

''کم از کم میں اپنے معاشرتی معاملات کو عقائد پر اثر انداز ہونے نہیں دوں گا۔''

''میں اس معاملے میں تم سے بحث نہیں کروں گا، ٹھیک ہے ایک فیصلہ اگر تم نے کیا ہے تو میں یہی چاہوں گا کہ خدا تمہیں استقامت اور ثابت قدمی عطا فرمائے۔'' سعود نے بحث ختم کرتے ہوئے کہا۔

اگلی شام وہ سعود کے ساتھ وہاں گیا تھا اور ہال میں داخل ہوتے ہی اس کے چہرے پر ایک چمک نمودار ہوئی تھی اس نے بے اختیار سعود کا بازو پکڑ لیا۔

''وہ واپس آ گئی ہے۔'' سعود نے کچھ حیرت کے ساتھ اس کے چہرے کے تاثرات دیکھے، چند لمحوں میں ہی اس کے چہرے کی اداسی اور بے چینی ختم ہو گئی تھی۔ سعود نے کاؤنٹر کی طرف دیکھا۔ وہاں بہت سی لڑکیاں نظر آ رہی تھیں۔ ڈینیل اسے اپنے ساتھ لیے ایک لڑکی کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے سر اٹھا کر ڈینیل کو اپنی طرف آتے دیکھا اور مسکرائی۔ ڈینیل نے آرڈر نوٹ کروانے کے بجائے بے تابی سے اس سے پوچھا۔

''آپ ایک ہفتہ سے کہاں تھیں؟'' اس لڑکی کے چہرے پر مسکراہٹ غائب ہو گئی ہے۔ کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں وہ ڈینیل اور سعود کا چہرہ دیکھتی رہی۔ سعود نے بروقت مداخلت کی اور آرڈر نوٹ کروانا شروع کر دیا۔ وہ وہاں سے چلی گئی تھی۔

''ڈینیل! خود پر قابو رکھو، تمہاری اس کے ساتھ اتنی جان پہچان نہیں ہے کہ تم اس کے یہاں نہ ہونے کے بارے میں اس طرح پوچھنے لگو۔''

سعود نے اسے کچھ سرزنش کی۔ دس منٹ کے بعد وہ دوبارہ ٹرے کے ساتھ نمودار ہوئی۔ اس بار اس لڑکی نے ڈینیل کی طرف دیکھنے کی کوشش کی تھی نہ ہی وہ مسکرائی تھی۔ خاموشی کے ساتھ اس نے آرڈر سرو کیا اور پیچھے ہٹ گئی۔ وہ دونوں اپنی ٹرے اٹھا کر ایک قریبی ٹیبل پر پہنچ گئے۔

''تو یہ امید عالم ہے؟''

''ہاں!'' ڈینیل نے دور کاؤنٹر پر اس پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے، میں اس کے بارے میں اتا پتا کرنے کی کوشش کروں گا۔ مگر کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ تم اسے شادی کا پرپوزل دو۔ کم از کم اس کا ردِعمل تو معلوم ہو سکے گا۔'' سعود نے اسے مشورہ دیا تھا۔

'شادی کا پرپوزل؟ ٹھیک ہے، میں اسے آج پرپوز کر دوں گا۔''

وہ اب بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ سعود کو ڈینیل کی بے اختیاری پر حیرت ہو رہی تھی۔ وہ بہت سنجیدہ اور ریزرو قسم کا آدمی تھا۔ کسی لڑکی کے بارے میں اس طرح کا والہانہ انداز سعود کے لیے نیا تھا۔ اس وقت سعود کو یوں لگ رہا تھا جیسے ڈینیل پوری طرح سحر زدہ ہے۔ اس نے ایک لمحے کے لیے بھی بات کرتے ہوئے اس لڑکی سے نظریں نہیں ہٹائی تھیں یوں جیسے اسے خوف ہو کہ وہ دوبارہ گم ہو جائے گی۔

سعود آدھ گھنٹہ اور بیٹھا تھا پھر اُٹھ کر چلا گیا تھا جبکہ ڈینیل وہیں بیٹھا رہا تھا رات کو اس وقت سے پہلے جب وہ چلی جایا کرتی تھی وہ اٹھ کر اس کی طرف آیا تھا۔ اس بار اس لڑکی نے کچھ الجھن بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

''امید! کیا آپ مجھ سے شادی کریں گی؟''

اس نے لڑکی کو پتھر کے بت کی طرح ساکت ہوتے دیکھا۔ چند لمحے وہ سانس روکے اسی طرح کھڑی رہی پھر وہ بڑی تیزی سے کاؤنٹر کے پیچھے دروازے سے غائب ہوگئی۔ ڈینیل کچھ دیر اس کا انتظار کرتا رہا مگر وہ دوبارہ نمودار نہیں ہوئی۔ وہ کچھ بے چین اور مایوس ہو کر باہر اپنی گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد وہ معمول کے مطابق باہر ریسٹورنٹ کی گاڑی میں آ کر بیٹھ گئی۔ ڈینیل نے ہمیشہ کی طرف گاڑی کا تعاقب ہاسٹل تک کیا۔ پھر واپس گھر آ گیا۔ گھر آنے کے بعد اس نے فون پر سعود کو اس کے ردعمل کے بارے میں بتایا۔

''اچھا ٹھیک ہے، اب میں اس کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ تم پریشان مت ہو۔'' سعود نے اسے تسلی دے کر فون بند کر دیا۔

اگلے دن وہ اپنے معمول کے مطابق آفس سے فارغ ہونے کے بعد دوبارہ وہیں گیا تھا اور یہ دیکھ کر بے چین ہو گیا کہ وہ ایک بار پھر کاؤنٹر پر نظر نہیں آ رہی تھی۔

''امید عالم انہوں نے کل جاب چھوڑ دی۔'' اس کے پیروں تلے سے جیسے کسی نے زمین کھینچ لی تھی پتا نہیں کیوں اسے یہ محسوس ہوا تھا کہ اس نے اسی کی وجہ سے جاب چھوڑی تھی۔ وہ چند لمحے کچھ کہے بغیر کاؤنٹر پر کھڑا رہا پھر باہر نکل آیا اور باہر نکلتے ہی وہ سیدھا اس ہاسٹل گیا تھا جہاں وہ رہتی تھی۔ چوکیدار سے اس نے امید کے بارے میں پوچھا اور چوکیدار نے قدرے سرد لہجے میں اس سے کہا۔

''وہ کل ہاسٹل چھوڑ کر جا چکی ہیں۔''

''کہاں چلی گئیں؟'' اس کی جیسے جان پر بن آئی تھی۔

''یہ ہمیں نہیں پتا۔'' چوکیدار نے سرد مہری سے جواب دیتے ہوئے گیٹ بند کر لیا۔ وہ پتا نہیں کتنی دیر ذہن کے ساتھ گیٹ کے باہر کھڑا رہا تھا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب وہ کیا کرے۔ اسے کس طرح اور کہاں ڈھونڈے پھر پتا نہیں کس خیال کے تحت اس نے ایک بار پھر گیٹ بجایا۔ چوکیدار باہر نکلا۔

''کیا امید عالم مسلمان ہیں؟'' چوکیدار نے کچھ حیرانی کے ساتھ اس کے سوال پر اسے دیکھا۔

''ہاں وہ مسلمان ہیں۔'' وہ اپنی گاڑی کی طرف پلٹ آیا۔

وہ نہیں جانتا، وہ کون سے علاقے کی کون سی مسجد تھی اسے صرف یہ یاد تھا کہ کئی گھنٹے سڑک پر بے مقصد گاڑی چلانے کے بعد اس نے ایک بہت بڑی مسجد دیکھی اور اس نے وہاں گاڑی روک دی۔ مسجد کے اندر جا کر اس نے امام سے ملاقات کی تھی اور اپنے آنے کا مقصد بتایا، امام مسجد بہت دیر حیرانی سے اسے دیکھتے رہے پھر انہوں نے مسجد میں اس وقت موجود چند لوگوں کو ڈینیل ایڈگر کے آنے کی وجہ بتائی تھی۔ ڈینیل نے ان سب کے چہرے پر بھی اتنی ہی حیرانی دیکھی۔ وہ بڑے صبر سے ان سب کو کچھ فاصلے پر ایک دوسرے سے باتیں کرتا دیکھتا رہا چند منٹوں بعد وہ بالآخر اس کی طرف آئے اور گرم جوشی کے ساتھ اس سے ہاتھ ملایا۔

ایک گھنٹے کے بعد ڈینیل ایڈگر ایمان علی کی صورت میں اس مسجد کے ہال میں کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ انہی کی پیروی میں نماز ادا کر رہا

تھا۔ دعا مانگتے ہوئے امام کی دعا ختم ہو جانے کے بعد اس نے ایک دعا اور مانگی تھی اور اس کے بعد آمین کہا تھا۔

وہاں سے واپس گھر آ کر اس نے سعود ارتضیٰ کو فون کر کے سب کچھ بتا دیا تھا۔

''ڈینیل نہیں ایمان علی، میں جو کام کرنا چاہتا تھا۔ وہ کر چکا ہوں۔ جلد کیا ہے یا دیر سے اس کا فیصلہ وقت کرے گا۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم مجھے بتا دو کہ امید کو ڈھونڈنے کے سلسلے میں تم میری کیا مدد کر سکتے ہو۔ اس کے علاوہ میں ایسے کسی عالم سے بھی ملنا چاہتا ہوں جو مجھے کچھ رہنمائی فراہم کر سکے۔''

سعود کو اس کے لہجے میں موجود سکون اور اطمینان نے حیران کیا۔

اگلے دن دونوں کی ملاقات ایمان کے آفس میں ہوئی تھی۔ سعود نے اسے گلے لگا کر مبارکباد دی۔

''میں ابھی کسی پر اپنی مذہب کی تبدیلی کا انکشاف نہیں چاہتا۔ توقع رکھتا ہوں کہ تم اس بات کا خیال رکھو گے۔'' اس نے بات کا آغاز کرتے ہوئے سعود کو ہدایت دی۔

''ٹھیک ہے، تمہیں اس بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ جہاں تک امید کا تعلق ہے تو کل تک تمہیں اس کے بارے میں پتا چل جائے گا۔ آج شام کو میرے ساتھ چلنا، میں تمہیں ایک اسکالر سے ملواؤں گا۔'' سعود نے اٹھنے سے پہلے کہا تھا۔

شام کو وہ سعود کے ساتھ اس اسکالر کے پاس گیا تھا جس کا سعود نے ذکر کیا تھا۔ ایک نسبتاً غیر معروف علاقے میں ایک چھوٹے سے مگر بہت عمدگی سے بنے ہوئے گھر میں وہ ایک دراز قامت، سانولی رنگت کے باریش آدمی سے ملا تھا جس نے مصافحہ کرنے کے بعد اس کو گلے لگایا تھا۔ وہ اسے اندر اپنے ڈرائنگ روم میں لے گیا تھا جہاں کی سب سے نمایاں اور خاص بات وہاں کی سادگی اور کتابوں کی تعداد تھی۔ ان کے اندر بیٹھتے ہی ایک ملازم ایک ٹرے میں کھانے پینے کی کچھ چیزیں لے آیا تھا۔

ایمان اپنی نظریں اپنے سامنے بیٹھے ہوئے اس شخص پر جمائے رہا جس کا نام ڈاکٹر خورشید اصغر تھا جبکہ وہ شخص بڑے پرسکون انداز میں ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ملازم کو میز پر چیزیں سجاتے دیکھ کر ہدایات دیتا رہا۔ اس شخص کے انداز میں کوئی خاص ٹھہراؤ اور تمکنت تھی جس نے ایمان کو متاثر کیا تھا۔ ملازم کے جانے کے بعد چائے پیتے ہوئے اسی پرسکون انداز میں اس نے ایمان علی کو مخاطب کیا۔

''مجھے شرمندگی ہے کہ آپ کے سامنے بہت زیادہ چیزیں پیش نہیں کر سکا۔'' اس کی بات پر ایمان کچھ شرمندہ ہو گیا۔

''آپ نے پہلے ہی بہت تکلف کیا ہے، اتنے اہتمام کی ضرورت نہیں تھی چائے کا ایک کپ ہی کافی ہوتا۔''

''یہ اہتمام اس شخص کے لیے نہیں ہے جو مجھ سے کچھ سیکھنے آیا ہے، یہ اہتمام اس شخص کے لیے ہے جس سے میں کچھ سیکھنے والا ہوں۔''

ایمان چائے پیتے پیتے رک گیا۔ اس کی بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی کچھ الجھی ہوئی نظروں سے اس نے ساتھ بیٹھے سعود کو دیکھا جو بڑی بے نیازی سے چائے پینے میں مصروف تھا۔

''سعود صاحب سے پتا چلا کہ آپ ایک عورت کے لیے ڈینیل ایڈگر سے ایمان علی بن گئے ہیں۔ ہمیں اس عورت کو دیکھنے کا اشتیاق ہے جس

کے لیے آپ ایمان علی بن گئے۔ سچ پوچھیے تو بہت کم عورتیں ایسی ہوتی ہیں جن کے لیے کوئی ایمان علی بننے کی خواہش کرے۔' ایمان علی اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

''کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ نے کس رستے کا انتخاب کرلیا ہے؟'' اس نے ایک دم ایمان علی سے پوچھا۔

''نہیں۔''

اس شخص کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ آگئی۔

''میں اتنا جانتا ہوں کہ اپنے سامنے موجود تین رستوں میں سے میں نے سب سے بہتر رستے کا انتخاب کیا ہے، اب وہ راستہ کہاں جائے گا یہی جاننے میں آپ کے پاس آیا ہوں۔''

''یہ آزمائش کا راستہ ہے...... آزمائش جانتے ہیں آپ؟'' ایمان نے نفی میں سر ہلا دیا۔ ''ہاں آپ کو اس لیے علم نہیں ہوگا کیونکہ آپ ساری زندگی مذہب کے دائرہ سے باہر رہے ہیں۔ مگر ابھی کچھ عرصہ کے بعد آپ کا سامنا آزمائش سے بھی ہوگا۔ اسی وقت یہ فیصلہ ہو سکے گا کہ دین کے لیے آپ میں کتنی استقامت ہے۔ آپ ہر روز اسی وقت میرے پاس آجایا کریں۔ میں کوشش کروں گا کہ دین کے بارے میں آپ کی واقفیت بڑھا سکوں، دین سے عشق تو اللہ ہی بڑھائے گا۔''

انہوں نے بڑے عجیب سے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

وہ تقریباً دو گھنٹے ان کے پاس بیٹھا رہا۔ انہوں نے اسے بہت سی بنیادی اور ضروری باتوں سے آگاہ کیا تھا۔ جانے سے پہلے انہوں نے اسے کچھ کتابیں مطالعہ کے لیے دیں۔ وہ ان کے پاس سے واپس آتے ہوئے بہت مطمئن تھا۔ رات کو سونے سے پہلے اسے اپنی پچھلی رات کو نماز کے دوران کی جانے والی دعا یاد آئی تھی۔

''ہر شخص کو کسی نہ کسی چیز کی طلب ہی مذہب کی طرف لے کر آتی ہے مجھے ایک عورت کی طلب اس طرف لے آئی ہے اور اب جب میرے پاس ایمان ہے تو میں اسی ایمان کا سہارا لے کر تم سے دعا کرتا ہوں کہ مسلمان کی حیثیت سے میری پہلی دعا قبول فرماؤ۔ اگر میری محبت میں اخلاص ہے تو وہ لڑکی مجھے مل جائے۔ میں زندگی میں پہلی بار تم سے کچھ مانگ رہا ہوں اس سے پہلے مجھے کبھی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی مگر اب اس طرح ایک مسلمان کے طور پر تمہارے سامنے گھٹنے ٹیکتے ہوئے مجھے یہ یقین ہے کہ میں ٹھکرایا نہیں جاؤں گا۔ میری دعا قبول کی جائے گی۔ مجھے اس چیز سے نواز دیا جائے گا جس کی مجھے خواہش ہے۔''

ایمان علی نے آنکھیں بند کر کے اپنے الفاظ یاد کیے تھے اور پھر آنکھیں کھول دیں۔ ''ہاں مجھے یقین ہے کہ وہ مجھے مل جائے گی کم از کم اب ضرور مل جائے گی۔'' اس نے دوسری بار سونے کے لیے آنکھیں بند کرتے ہوئے سوچا۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

''وہ اسی ہاسٹل میں ہے۔اس کا باپ آرمی میں میجر تھا۔وہ دو بہنیں اور دو بھائی ہیں۔اس کا گھر راولپنڈی میں ہے۔ابھی وہ شادی شدہ نہیں ہے۔''

سعود ارتضیٰ نے اگلے روز شام کو اسے امید عالم کے بارے میں ساری تفصیلات فراہم کر دی تھیں۔اس کے پاس امید کا راولپنڈی والے گھر کا ایڈریس اور فون نمبر بھی تھا۔

''مگر چوکیدار نے تو کہا تھا کہ وہ وہاں نہیں ہے۔''وہ سعود کی اطلاع پر کچھ حیران ہوا۔

''ہاں، چوکیدار نے جھوٹ بولا ہوگا۔ہوسکتا ہے۔جھوٹ بولنے کے لیے اسے امید نے ہی کہا ہو۔''

''پھر اب......اب کیا کرنا چاہیے؟''

''میں کسی ذریعے سے اس کی فیملی سے رابطہ قائم کر کے تمہارا پرپوزل بھجوانے کی کوشش کرتا ہوں۔''

''تم یہ کام کس طرح کرو گے؟''

''یہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔''سعود نے اس سے کہا۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

وہ نہیں جانتا تھا کہ سعود امید کے گھر والوں سے رابطے کے لیے کس طرح کی کوششیں کر رہا ہے۔اس نے یہ معاملہ مکمل طور پر اسی پر چھوڑ دیا تھا۔اب وہ ہر روز رات کو ڈاکٹر خورشید کے پاس چلا جایا کرتا تھا۔وہ اپنی زندگی میں بہت بڑے بڑے اسکالرز سے ملتا رہا تھا۔ہارورڈ میں تعلیم کے دوران بھی اپنے کچھ پروفیسرز سے وہ بہت زیادہ متاثر تھا۔مگر تیسری دنیا کے ایک چھوٹے سے ملک میں رہنے والا یہ اسکالر اس کے لیے حیران کن تھا۔وہ جامعہ الاذہر سے تعلیم یافتہ تھے اور اردو اور انگلش کے ساتھ ساتھ عربی بھی بہت روانی سے بولتے تھے مگر سب سے بڑا شاک اسے اس وقت لگا تھا جب ایک دن ان سے بات کرتے کرتے اس نے روانی میں ایک جملہ جرمن زبان میں کہا اور اس جملے کا جواب انہوں نے اتنی ہی شستہ جرمن میں دیا تھا۔

''جرمن؟''وہ حیرانی سے ان کا منہ دیکھنے لگا۔

''آپ کی طرح میں بھی کچھ زبانیں بول لیتا ہوں۔''ان کا اطمینان برقرار تھا۔

اس دن کے بعد وہ اکثر ان سے جرمن میں ہی گفتگو کرتا تھا، کسی انسان کے علم کی حد کیا ہوتی ہے یا ہوسکتی ہے وہ یہ اندازہ لگانے سے قاصر تھا۔ڈاکٹر خورشید کے پاس ہر چیز کے بارے میں معلومات تھیں اور صرف معلومات ہی نہیں تھیں یقین دلانے کے لیے ریفرنس اور قائل کرنے کے لیے دلائل بھی تھے۔انہیں صرف اسلام کے بارے میں سیر حاصل معلومات نہیں تھیں بلکہ دنیا کے ہر چھوٹے بڑے مذہب کے بارے میں معلومات تھیں۔اس کے ذہن میں اسلام کے بارے میں جتنی الجھنیں تھیں، وہ ایک ماہر weaver کی طرح ہر گرہ کھولتے جاتے تھے بعض دفعہ وہ ان کی باتوں پر لاجواب ہوجاتا تھا اور جب وہ ان کی تعریف کرتا تو وہ کہتے۔

''کوئی دلیل لاجواب نہیں کر سکتی جب تک دلیل میں طاقت نہ ہو میرا دین دلیل کا دین ہے۔ منطق کا دین ہے۔ سڑک پر بیٹھا ہوا ایک ان پڑھ مسلمان بھی اگر دین کا علم اور شعور رکھتا ہو تو وہ بھی کسی کو اسی طرح لاجواب کر دے گا۔ کیونکہ جس ذریعے سے ہم دلیل لیتے ہیں وہ قرآن ہے، خدا ہے، پیغمبر ہے، اسلام ہے پھر دلیل لاجواب کیوں نہیں کرے گی جب سارے ذرائع آسمانی ہوں تو ہم انسان جو زمین کی مخلوق ہیں وہ ماننے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔''

وہ ان کی باتوں پر جتنا غور کرتا، اتنا ہی اس کا ذہن صاف ہوتا جاتا۔

''دو قسم کی زمین ہوتی ہے، ایک وہ جو بنجر ہوتی ہے، کسی بھی موسم کی بارش وہاں کتنا ہی پانی کیوں نہ برسا دے، اس زمین کو بنجر ہی رہنا ہے وہاں ہریالی نہیں ہو سکتی۔ دوسری زمین زرخیز ہوتی ہے۔ پانی کا ہلکا سا چھینٹا بھی وہاں ہریالی لے آئے گا مگر ضرورت صرف ہریالی کی تو نہیں ہوتی۔ اس ہریالی کی ضرورت ہوتی ہے جس سے کوئی فائدہ حاصل ہو ورنہ ہریالی میں تو زہریلی جڑی بوٹیاں اور کانٹے دار جھاڑیاں بھی شامل ہوتی ہیں توجہ اور احتیاط نہ کی جائے تو زرخیز زمین پر یہ دونوں چیزیں بہت افراط میں آ جاتی ہیں۔ اس لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ صرف پانی نہ دیا جائے، زمین کی زرخیزی کو اچھے طریقے سے استعمال بھی کیا جائے آپ کو بھی اللہ نے ایسا ہی زرخیز دماغ اور روح دی۔ اب آپ پر فرض ہے کہ آپ اپنے آپ کو ایسی نقصان دہ جڑی بوٹیوں اور کانٹے دار جھاڑیوں سے بچائیں۔ اس ہریالی کی حفاظت کریں جو آپ کی زندگی کو ایک نئی سمت دے رہی ہے اور آپ کے لیے یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے آپ کر لیں گے۔''

وہ اتنے یقین سے کہتے کہ اسے حیرانی ہونے لگتی، اس ایمان اس اعتماد اور اس یقین پر جو نہیں اس پر تھا۔ وہ ان کے پاس آنے والا واحد نومسلم غیر ملکی نہیں تھا۔

انہوں نے اسے دوسرے بہت سے نومسلموں سے بھی ملوایا تھا جو اس کی طرح اسلام قبول کرنے کے بعد ان کے پاس رہنمائی کے لیے آیا کرتے تھے۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ اس کی زندگی آہستہ آہستہ تبدیل ہو رہی ہے۔ مذہب کا نہ ہونا اور مذہب کا ہونا دو مختلف تجربات ہیں اور مذہب کے ہونے کا تجربہ نہ ہونے کے تجربے سے زیادہ بامعنی، پرلطف اور بامقصد تھا۔

''میں نے کبھی زندگی میں مذہب کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی، خدا پر یقین ضرور رکھتا تھا اور یہ بھی سمجھتا تھا کہ سارے مذاہب اللہ ہی کی طرف سے ہیں مگر خود میں کبھی بھی کسی مذہب سے اتنا متاثر یا سحر زدہ نہیں ہوا کہ مذہب قبول کر لیتا اور دراصل اس سے میری زندگی میں کوئی خاص فرق بھی نہیں پڑا۔ میں بہت اچھی زندگی گزار رہا تھا مجھے کبھی کسی کامیابی کے حصول کے لیے مذہب کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں پڑی نہ ہی اللہ کو پکارنا پڑا، آپ خود سوچیں اس صورت اور ان حالات میں مذہب ایک ضرورت تو نہیں رہتی بس ایک اختیاری چیز بن جاتی ہے۔ جس کے ہونے یا نہ ہونے سے زندگی میں کوئی زیادہ فرق نہیں پڑتا۔''

وہ الجھے ہوئے انداز میں ان سے کہتا اور وہ پرسکون انداز میں مسکراتے ہوئے اس کی بات سنتے رہتے۔

''آپ کی خوش قسمتی یہ ہے کہ اللہ نے آپ کو ہمیشہ ہی صراطِ مستقیم پر رکھا مگر کسی آزمائش میں نہیں ڈالا اس لیے آپ نے یہ سوچ لیا کہ مذہب کی

ضرورت ہی نہیں ہے۔ صرف تمام مذاہب کا احترام کرنے اور اللہ کے وجود کو مان لینے سے کام چل جائے گا۔ آپ کو آزمائش میں نہیں ڈالا تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ کو آزمائش میں کبھی بھی ڈالا نہیں جائے گا۔ مذہب کی اہمیت کا اصل اندازہ تو اسی وقت ہوتا ہے جب آپ آزمائش میں ہوں۔ آزمائش بالکل دلدل کی طرح ہوتی ہے اس میں سے انسان صرف اپنے بل بوتے پر نہیں نکل سکتا۔ کوئی رسی چاہیے ہوتی ہے، کسی کا ہاتھ درکار ہوتا ہے اور اس وقت وہ رسی اور ہاتھ مذہب ہوتا ہے۔ رسی اور ہاتھ نہیں ہوگا تو آپ دلدل کے اندر جتنے زیادہ ہاتھ پاؤں ماریں گے، اتنا ہی جلدی ڈوبیں گے۔ پانی میں ڈوبنے والا شخص زندہ نہیں تو مرنے کے بعد باہر آ جاتا ہے مگر دلدل جس شخص کو نگلنے میں کامیاب ہو جاتی ہے، اسے دوبارہ ظاہر نہیں کرتی لیکن جو شخص ایک بار ہاتھ اور رسی کے ذریعے دلدل سے نکلنے میں کامیاب ہو جائے وہ اگلی کسی دلدل سے نہیں ڈرتا۔ اسے یقین ہوتا ہے کہ وہ شور مچائے گا چلائے گا تو ہاتھ اور رسی بالآخر آ جائیں گے۔ اب سوچیے اپنی خوش قسمتی پر کہ آپ ان لوگوں کی قطار میں شامل ہو گئے ہیں جو دلدل میں گرنے پر ہاتھ اور رسی کو پکار سکتے ہیں اور ان کے آنے کی توقع بھی کریں گے۔'' ہر بار ان کے گھر سے آتے ہوئے وہ بہت پرجوش ہوتا۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

سعود نے اپنی فیملی کے ذریعے ایمان کا پرپوزل امید کے گھر بھجوایا تھا ان لوگوں نے چند دن سوچنے کے لیے لیے اور اس کے بعد انہوں نے انکار کر دیا۔ سعود نے چند بار اور کوشش کی مگر اس کا نتیجہ بھی یہی رہا تھا۔ اس نے ایمان کو اس کے بارے میں بتا دیا وہ مضطرب ہو گیا۔

''کیا تم کچھ اور نہیں کر سکتے؟'' اس نے ایک بار پھر سعود سے پوچھا۔

''میں کچھ اور لوگوں کے ذریعے ان پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کروں گا۔ اب دیکھو کیا ہوتا ہے۔'' سعود کچھ زیادہ پرامید نظر نہیں آ رہا تھا۔ ایمان علی کی بے چینی اور پریشانی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ روز ڈاکٹر خورشید کے پاس جا رہا تھا اور اس کی افسردگی زیادہ دیر ان سے چھپی نہیں رہی تھی۔ انہوں نے اس سے وجہ پوچھی تھی اور ان کے اصرار پر اس نے انہیں سب کچھ بتا دیا۔ اس کی ساری باتیں سن کر وہ مسکرائے۔

''امید عالم سے کتنی محبت ہے آپ کو؟''

وہ ان کے سوال پر کچھ جھینپ گیا۔ ''یہ میں نہیں جانتا مگر۔''

ڈاکٹر خورشید نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''مگر محبت ضرور کرتے ہیں۔'' انہوں نے اس کا ادھورا فقرہ مکمل کر دیا۔ وہ خاموش رہا۔

''آپ نے مجھے بتایا تھا کہ آپ نے ان کے حصول کے لیے دعا کرتے ہوئے اللہ سے کہا تھا کہ اگر آپ کی محبت میں اخلاص ہے تو وہ آپ کو مل جائے اب آپ دعا کریں اگر اس عورت سے شادی آپ کے لیے بہتر ہو تو وہ آپ کو ملے ورنہ صرف محبت کے حصول کی دعا نہ کریں اور پھر آپ مطمئن ہو جائیں۔ اللہ آپ کے لیے کوئی نہ کوئی راستہ بنا دے گا۔''

''مگر میں تو امید کے بغیر نہیں رہ سکتا۔'' ''ایمان کے بغیر نہیں رہا جا سکتا اور آپ کے پاس ایمان ہے۔'' ان کا جواب اتنا ہی بے ساختہ تھا۔

''آپ سمجھ نہیں پا رہے۔ میں' وہ میرے لیے میری سمجھ میں نہیں آ رہا' میں آپ سے اپنی بات کیسے کہوں۔'' وہ الجھ گیا تھا۔

تو مت کہیے اگر بات کہنے کے لیے لفظ نہ مل رہے ہوں تو اپنی اس بات یا جذبے پر ایک بار پھر سے غور ضرور کرنا چاہیے۔''

وہ ان کا منہ دیکھ کر رہ گیا۔ ''وہ میری زندگی کا حصہ بن چکی ہے' اس کے بغیر میں اپنی زندگی کا تصور نہیں کر سکتا۔''

''انسان صرف خدا کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ باقی ہر چیز کے بغیر رہا جا سکتا ہے چاہے، بہت تھوڑی دیر کے لیے ہی سہی۔''

وہ قائل نہیں ہوا تھا مگر سر جھکا کر خاموش رہا۔

''جب تک انسان کو پانی نہیں ملتا' اسے یونہی لگتا ہے کہ وہ پیاس سے مر جائے گا مگر پانی کا گھونٹ بھرتے ہی وہ دوسری چیزوں کے بارے میں سوچنے لگتا ہے پھر اسے یہ خیال بھی نہیں آتا کہ وہ پیاس سے مر سکتا تھا۔'' اس نے سر اٹھا کر ڈاکٹر خورشید کو دیکھا۔

''مگر لوگ پیاس سے مر بھی جاتے ہیں۔''

''نہیں' پیاس سے نہیں مرتے۔ مرتے تو وہ اپنے وقت پہ ہیں اور اسی طرح جس طرح خدا چاہتا ہے مگر دنیا میں اتنی چیزیں ہماری پیاس بن جاتی ہیں کہ پھر ہمیں زندہ رہتے ہوئے بھی بار بار موت کے تجربے سے گزرنا پڑتا ہے۔''

''تو کیا میں اس سے محبت نہ کروں؟''

''آپ محبت ضرور کریں مگر محبت کے حصول کی اتنی خواہش نہ کریں۔ آپ کے مقدر میں جو چیز ہوگی وہ آپ کو مل جائے گی' مگر کسی چیز کو خواہش بن کر' کائی بن کر اپنے وجود پر پھیلنے مت دیں ورنہ یہ سب سے پہلے ایمان کو نگلے گی۔ آپ نے اس عورت کے حصول کے لیے دعا کی کوشش بھی کر رہے ہیں۔ اب صبر کر لیں اور معاملات اللہ پر چھوڑ دیں۔ پریشان ہونے' راتوں کو جاگنے اور سرابوں کے پیچھے بھاگنے سے کسی چیز کو مقدر نہیں بنایا جا سکتا۔''

اس رات وہ ان کی باتوں پر غور کرتا رہا تھا۔

''مگر امید کے بغیر میں نہیں رہ سکتا۔'' سونے سے پہلے اس نے جیسے تھک ہار کر سوچا تھا۔

ایک ماہ اسی طرح گزر گیا تھا۔ سعود ہر روز اس سے یہی کہتا تھا کہ وہ کوشش کر رہا ہے۔ وہ اپنی اداسی اور افسردگی سے نجات نہیں پا رہا تھا۔ ڈاکٹر خورشید کے پاس جا کر اسے کچھ سکون مل جاتا' گھر واپس آنے کے بعد اس کے بارے میں سوچتا رہتا۔

اس دن بھی وہ ڈاکٹر خورشید کے پاس گیا ہوا تھا۔ ان سے باتیں کرتے کرتے آدھا گھنٹہ گزر گیا پھر انہوں نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

''آج آپ سے کسی کو ملوانا چاہتا ہوں۔ اس بات کا مجھے یقین ہے کہ آنے والے سے مل کر آپ بہت خوش ہوں گے۔''

ان کے چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ تھی۔ اگلے دس منٹ کے بعد گیٹ پر کال بیل ہوئی اور پھر ملازم جس لڑکی کو لے کر کمرے میں داخل ہوا' اسے دیکھ کر وہ بے اختیار کھڑا ہو گیا تھا۔

امید نے ایک نظر اس پر ڈالی تھی اور پھر ڈاکٹر خورشید کی طرف متوجہ ہو گئی جو اس کا استقبال کر رہے تھے۔ ایمان کو اپنے دل کی دھڑکن باہر تک سنائی دے رہی تھی۔ وہ اب دوسرے صوفہ پر بیٹھ چکی تھی۔

''تعارف کی کوئی ضرورت نہیں ہے'ڈاکٹر خورشید کمرے سے جا چکے تھے۔

وہ دونوں اب کمرے میں اکیلے تھے۔بات کا آغاز امید نے کیا۔

''آپ مجھ سے شادی کیوں کرنا چاہتے ہیں؟''اس کے سوال اور انداز میں برہمی تھی۔

''کیونکہ مجھے آپ سے محبت ہے۔''

''یہ ایک بہت ہی بے ہودہ اور فضول جواب ہے۔''وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔

''نہ آپ میرے ملک سے تعلق رکھتے ہیں اور نہ ہی آپ میرے مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔''

اس نے بات کرتے ہوئے خود ہی اپنے جملے میں تصحیح کی۔''صرف ایک لڑکی سے شادی کے لیے مذہب تبدیل کرنا کسی بھی شخص کو بہت ناقابلِ اعتبار بنا دیتا ہے اور ایسے شخص سے شادی بہت مشکل کام ہے۔''

''میں نے مذہب تبدیل نہیں کیا۔مذہب اختیار کیا ہے۔اس سے پہلے میں کسی بھی مذہب کا پیروکار نہیں تھا۔''

''جو بھی ہے لیکن میں مسلمان ہوں اور ایک شخص سے شادی کر لینا جسے اسلام قبول کیے چار دن ہوئے ہوں،بہت مشکل کام ہے۔میں زندگی میں رسک نہیں لیا کرتی اور پھر ایک ایسے شخص کے لیے جسے میں جانتی نہیں ہوں جس کا کوئی اتا پتا نہیں ہے اس کے ساتھ شادی کیسے ہو سکتی ہے۔''

وہ بڑے صبر سے اس کی باتیں سنتا رہا۔

''اور شاید انسان ساری باتوں کو اگنور کر دے مگر مذہب'مذہب کو کیسے نظرانداز کیا جا سکتا ہے۔''

''میں آپ کے مذہب سے ہی تعلق رکھتا ہوں۔''

''مگر آپ پیدائشی مسلمان نہیں ہیں۔آپ کے ماں باپ مسلمان نہیں ہیں۔''

''مگر میں مسلمان ہو چکا ہوں۔''

''کتنے دن کے لیے؟''

ایمان کو اس کے لفظوں پر پہلی بار تکلیف ہوئی''آپ کو میری نیت پر شک نہیں کرنا چاہیے۔''

''شادی ہر انسان اپنی مرضی سے کرنا چاہتا ہے'کسی کو اس حد تک تنگ کر دیا جائے کہ وہ...... ویسے بھی آپ...... میں آپ کے بارے میں کچھ فیصلہ کرنے کے قابل نہیں ہوں۔''وہ کہہ رہی تھی۔

''اگر آپ کے پاس مجھ سے بہتر شخص کا آپشن ہو تو آپ اس سے شادی کر لیں لیکن اگر مجھ سے بہتر نہیں ہے تو پھر مجھ سے شادی کرنے میں کیا حرج ہے۔میں پچھلے آٹھ سال سے پاکستان میں ہوں۔آپ چاہیں گی تو آئندہ بھی یہیں رہوں گا۔''

''مگر میں یہ نہیں جانتی کہ آپ دل سے اس مذہب کو اختیار کر رہے ہیں یا یہ صرف ایک دکھاوا ہے۔''

''میرے پاس یہ ثابت کرنے کے لیے کوئی ثبوت نہیں ہے۔''اس نے بے چارگی سے کہا۔

کمرے میں ایک طویل خاموشی چھائی رہی۔
''آپ میرے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے۔''
''آپ بتادیں۔''
وہ اس کا چہرہ دیکھتی رہی ''بہت کم عمری میں میری منگنی ہوگئی تھی' مجھے اپنے منگیتر سے بہت محبت تھی۔ ہماری منگنی نو سال رہی پھر...... پھر میرے منگیتر نے مجھ سے شادی سے انکار کردیا۔'' اس کے گلے میں کوئی چیز پھنس گئی تھی۔ ایمان نے بہت غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔
''کیوں؟''......
''کیونکہ میں...... '' وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی ''یہ بتانا ضروری نہیں' آپ کچھ بھی سمجھ لیں...... کچھ بھی سوچ لیں مگر بہرحال اس نے مجھ سے شادی نہیں کی۔''
''ٹھیک ہے' میں یہ سمجھ لیتا ہوں کہ آپ کی شادی مجھ سے ہونی تھی۔ اس لیے آپ کے منگیتر سے نہیں ہوسکی۔''
اس نے امید کے چہرے پر جھنجلاہٹ دیکھی تھی۔ کمرے میں ایک بار پھر طویل خاموشی چھا گئی تھی اور اس خاموشی کو اس بار ڈاکٹر خورشید نے توڑا تھا۔ وہ کمرے میں آگئے تھے۔
''تو پھر کیا طے کیا تم لوگوں نے؟'' انہوں نے بہت نارمل انداز میں اس طرح کہا جیسے وہ دونوں اسی مقصد کے لیے یہاں اکٹھے کیے گئے ہوں۔ امید نے کچھ نہیں کہا تھا۔ ایمان بھی خاموش رہا۔
''امید! آپ نے ایمان علی سے بات کرلی؟'' انہوں نے نرم آواز میں اس سے پوچھا۔
''ہاں...... میری کچھ شرائط ہیں۔'' ایمان نے سر اٹھا کر اسے دیکھا وہ بے حد الجھی ہوئی نظر آرہی تھی۔
''کیا ایمان علی کو شرائط قبول ہیں؟'' اس بار ڈاکٹر خورشید نے ایمان کو دیکھا تھا۔
''میں نے ابھی انہیں اپنی شرائط سے آگاہ نہیں کیا۔''
''مگر میں بغیر جانے ہی ان کی ساری شرائط ماننے پر تیار ہوں۔'' ایمان نے کہا تھا۔
''آپ پہلے شرائط سن لیں' اس کے بعد کوئی فیصلہ کریں۔'' امید کا لہجہ ترش تھا۔
''یہ اسلام قبول کرچکے ہیں تو ایک سال تک یہ اسلام کے بارے میں سب کچھ جانیں اور اسلامی تعلیمات پر عمل کریں۔ ایک سال تک اگر یہ مسلمان رہے اور ایک اچھے مسلمان کی طرح سارے فرائض پورے کرتے رہے تو پھر مجھے شادی پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ایک سال کے دوران یہ مجھ سے کوئی رابطہ نہ رکھیں۔'' وہ سر اٹھا کر ایمان کو دیکھ رہی تھی۔
''تو ایمان! آپ ان شرائط کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟'' ڈاکٹر خورشید نے اس سے پوچھا۔ ''میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے ساری شرائط قبول ہیں۔'' وہ بے حد پرسکون نظر آرہا تھا۔

''مگر کیا میں یہ سمجھ لوں کہ ان شرائط کو پورا کرنے کے بعد آپ مجھ سے شادی کر لیں گی؟'' اس بار اس نے امید سے پوچھا۔

''ہاں۔'' وہ اس کی طرف دیکھے بغیر اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

ڈاکٹر خورشید اسے باہر تک چھوڑنے گئے۔ ایمان کو یقین نہیں آیا تھا کہ وہی اس کے پاس آئی تھی۔ اسے اندازہ نہیں ہو سکا کہ وہ کس حد تک خوش تھا مگر وہ یہ ضرور جانتا تھا کہ اس کا ملال اور افسردگی ختم ہو چکی تھی۔

''یہ تو صرف ایک سال کی بات ہے' میں تمہارے لیے ساری زندگی انتظار کر سکتا ہوں۔''

اس کے جانے کے بعد اس نے مسکراتے ہوئے زیر لب کہا تھا۔

ڈاکٹر خورشید واپس کمرے میں آ گئے' ان کے چہرے پر بہت ہی معنی خیز مسکراہٹ تھی۔

''تو ایمان علی! کیا ایک سال انتظار کر پائیں گے۔؟''

''ہاں کر لوں گا۔'' اس کی آواز بے حد مستحکم تھی۔

''وہ چاہتی ہے کہ آپ میں دین کے لیے استقامت اور ثابت قدمی پیدا ہو جائے۔''

انہوں نے بیٹھتے ہوئے جیسے وضاحت کی۔

''نہیں......'' ایمان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''وہ چاہتی ہے' میں اسے بھول جاؤں۔ اس کا خیال ہے ایک سال میں اس سے رابطہ رکھوں گا' نہ اسے دیکھوں گا تو پھر اس کے بارے میں سوچنا بھی ختم کر دوں گا مگر اسے میری محبت کا اندازہ نہیں ہے۔''

وہ کہتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ڈاکٹر خورشید اسے گہری نظروں سے دیکھتے رہے۔

♥......♥......♥

ایک سال کیسے گزرا تھا' اسے اندازہ نہیں ہوا مگر ایک سال کے دوران اس نے ڈاکٹر خورشید کی بتائی ہوئی ہر بات پر عمل کیا' کبھی کبھار پارٹیز میں پینے والی شراب اس نے چھوڑ دی' اپنی سیکرٹری کے ساتھ میل جول ختم کر دیا۔ وہ ہر رات ڈاکٹر خورشید کے پاس آتا اور انہیں اپنے پورے دن کی روداد سناتا' زندگی میں چھوٹے موٹے مسائل کو وہ کبھی خاطر میں نہیں لایا تھا مگر اب ان ہی مسائل کو وہ نئے سرے سے دیکھنے لگا تھا' اسکے اندر پہلے سے زیادہ برداشت آ گئی تھی۔ اس کی اخلاقی اقدار میں بہت سی تبدیلیاں آ گئی تھیں۔ اسے آہستہ آہستہ احساس ہونے لگا تھا کہ وہ نادانستہ طور پر دنیا کی سب سے بڑی نعمت کو پا بیٹھا تھا۔ مسلمان ہونا اور ایمان حاصل کرنا ہر انسان کے مقدر میں نہیں ہوتا اسے اس عورت پر اور پیار آتا جس کے حصول کی خواہش نے اسے مسلمان ہونے پر مجبور کیا تھا اور مسلمان بننے کے بعد وہ جیسے مقام پر پہنچ گیا تھا۔

اپنے والدین کو اس نے مذہب کی تبدیلی کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔ مگر انہیں اس نے یہ ضرور بتا دیا تھا کہ وہ کچھ عرصے کے بعد پاکستان میں ہی ایک مسلمان لڑکی سے شادی کرنے والا ہے۔

''مسلمان لڑکی سے شادی؟ کیا تم مسلمان ہو جاؤ گے؟'' اس کے باپ کو جیسے یک دم ایک خوف نے ستایا تھا۔

''نہیں' میں ایسے ہی رہوں گا جیسے اب ہوں اور وہ اپنے مذہب پر قائم رہے گی۔ اس معاملے میں ہم نے سمجھوتا کرلیا ہے۔''

اس نے ماں باپ کو مطمئن کرنے کے لیے جھوٹ بول دیا۔ ان دونوں کے ذہن میں اس لڑکی کے حوالے سے کچھ خدشات ابھرے' مگر ایمان نے انہیں اس بارے میں بھی تسلیاں اور دلاسے دے کر مطمئن کر دیا۔

جس شام وہ ڈاکٹر خورشید کے گھر اس سے ملنے آئی تھی' اس تاریخ سے پورے ایک سال بعد اس نے ایک کارڈ راولپنڈی امید کے گھر بھجوا دیا تھا۔ اسی شام ڈاکٹر خورشید نے امید کے بھائی سے بات کی تھی۔

دو دن کے بعد وہ لاہور آئی تھی' ایک بار پھر ڈاکٹر خورشید کے گھر دونوں کی ملاقات ہوئی تھی۔ پورے ایک سال کے بعد بھی اسے دیکھنے کے بعد اسے یوں لگا تھا جیسے ایمان نے اسے کل ہی دیکھا ہو' وہ اس کے ذہن' اس کے تصور سے کبھی بھی نہیں ہٹی تھی۔

''ایک سال گزر گیا۔ میں اب مسلمان ہوں۔ ثابت ہوا کہ میرا ایمان کوئی فریب نہیں اور میری نیت میں کوئی کھوٹ نہیں۔ ایک سال کے دوران میں نے وہ سب کچھ کیا ہے جو ایک مسلمان کرتا ہے' نماز بھی پڑھی ہے' روزے بھی رکھے ہیں' کوئی حرام چیز نہیں کھائی' شراب بھی نہیں پی' اپنی گرل فرینڈ کو بھی چھوڑ چکا ہوں' قرآن پاک بھی پڑھ چکا ہوں دین کے بارے میں آپ مجھے کسی بات سے بے خبر نہیں پائیں گی۔ میں نے اپنا وعدہ پورا کیا اب آپ اپنا وعدہ پورا کریں۔'' اس نے امید سے کہا۔

تین دن کے بعد راولپنڈی میں ایک سادہ سی تقریب میں ان کا نکاح ہو گیا تھا۔ ایمان علی کی طرف سے شادی میں صرف سعود ارتضیٰ اور ڈاکٹر خورشید نے گواہوں کی حیثیت سے شرکت کی تھی۔ امید کی طرف سے بھی شادی میں صرف اس کے اپنے گھر کے لوگ تھے۔

وہ آج بھی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ اس دن وہ کتنا خوش تھا' شادی کی رات اس نے امید کو بتایا تھا کہ کس طرح پہلی بار اسے دیکھ کر اس کی محبت میں گرفتار ہو گیا تھا' کس طرح وہ اس کے لیے کئی ماہ تک وہاں جاتا رہا تھا۔ اس نے اسے وہ سارے اسکیچز بھی دکھائے جو وہ اس پورے عرصہ میں بناتا رہا تھا۔ وہ جواباً کچھ کہے بغیر خاموشی سے اس کے چہرے کو دیکھتی رہی تھی اور پھر ایمان نے اس کی آنکھوں میں آنسو ابھرتے دیکھے پھر اس نے نظریں جھکا لی تھیں۔ اس کے بار بار پوچھنے کے باوجود اس نے آنسوؤں کی وجہ نہیں بتائی تھی' وہ دلبرداشتہ ہو گیا تھا۔

''کیا تم مجھ سے شادی کر کے بہت ناخوش ہو؟''

''مجھے نہیں پتا......بس مجھے تمہاری باتوں پر یقین نہیں آتا...... مجھے سارے لفظ جھوٹ لگتے ہیں۔'' اس نے سر اٹھا کر بہتے آنسوؤں کے ساتھ کہا تھا اور وہ بہت دیر کچھ بولنے کے قابل نہیں رہا۔

♥......♥......♥

ایک ہفتہ کے بعد وہ اسے اپنے والدین سے ملوانے جرمنی لے گیا تھا۔ جانے سے ایک دن پہلے اس نے امید کو بتایا تھا۔

''میرے والدین ابھی یہ نہیں جانتے کہ میں اسلام قبول کر چکا ہوں، میں انھیں کچھ عرصہ کے بعد بتا دوں گا مگر ابھی تم بھی ان پر یہ ظاہر مت کرنا۔''

اسے حیرت ہوئی تھی جب امید نے خلاف توقع کسی ردعمل کا اظہار کیے بغیر سر ہلا دیا تھا۔ وہ پرسکون ہو گیا۔ شادی کے اس پہلے ہفتے میں امید کا رویہ اتنا برا نہیں تھا جتنا وہ سوچ رہا تھا، وہ اس کا خیال رکھتی تھی اس کے ساتھ باتیں بھی کرتی تھی۔ اس کی باتوں پر ہنستی بھی تھی۔ مگر بعض دفعہ بات کرتے کرتے یک دم وہ جیسے کسی ٹرانس میں چلی جاتی تھی اور ایک بار اس کیفیت میں آنے کے بعد وہ بہت دیر خاموش رہتی تھی اس وقت کوئی چیز اس کی خاموشی توڑ نہیں پاتی تھی۔ مگر ایمان زیادہ فکرمند نہیں تھا۔

''وقت گزرنے کے ساتھ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا، وہ میری باتوں پر اعتماد بھی کرے گی اور مجھ سے محبت بھی۔'' وہ ہمیشہ ایسے موقعوں پر سوچتا تھا۔

اور جرمنی آ کر اس کا یہ خیال پہلے سے بھی زیادہ پختہ ہو گیا تھا، وہاں دو ہفتوں کے قیام کے دوران وہ نہ صرف سبل اور پیٹرک کو مطمئن و مسرور کرنے میں کامیاب رہی تھی بلکہ ان دونوں کے درمیان بے تکلفی میں کچھ اور اضافہ بھی ہو گیا تھا۔ ایمان نے ان دو ہفتوں کے دوران اسے اپنی ساری زندگی کی داستان سنا دی تھی۔ ایمان کے والدین نے شادی کی ایک دعوت کا اہتمام کیا تھا جس میں ایمان نے اسے اپنے تمام فیملی ممبرز سے ملوایا تھا۔

واپس آنے سے صرف دو دن پہلے ایک چھوٹا سا واقعہ ہوا تھا اور وہ ایک بار پھر اپنے اسی خول میں بند ہو گئی، ایمان اسے اپنے ساتھ کچھ شاپنگ کروانے کے لیے مارکیٹ لے کر گیا۔ ایک شاپنگ مال کے اندر ایک شاپ میں وہ کچھ سویٹرز دیکھنے میں مصروف تھی جبکہ وہ اپنے لیے کچھ سویٹرز خریدنے کے بعد کاؤنٹر پر کریڈٹ کارڈ کے ذریعے ادائیگی کر رہا تھا جب اس کی نظر دکان کے باہر سے گزرتے اپنے ایک کزن پر پڑی تھی، وہ بے اختیار دوکان سے باہر نکل گیا۔ اس کا کزن کافی آگے جا چکا تھا۔ بھیڑ میں اس تک پہنچنے میں اسے کچھ دیر لگی۔

چند منٹ وہ اس کے ساتھ باتوں میں مصروف رہا پھر اسے اپنی پاکستان واپسی کے بارے میں بتا کر وہ واپس اسی شاپ میں آ گیا تھا سامنے نظر دوڑانے پر اسے امید کہیں نظر نہیں آئی، وہ کاؤنٹر کی طرف آ گیا سویٹرز کے پیکٹ کاؤنٹر پر رکھتے ہوئے سیلز گرل نے اسے بتایا کہ امید اس کی تلاش میں چند منٹ پہلے وہاں سے چلی گئی تھی وہ یک دم پریشان ہو گیا، شاپ سے باہر آنے پر وہ اسے کہیں بھی نظر نہیں آئی تھی وہ چند منٹ وہیں کھڑا پریشان ہوتا رہا وہ واپس نہیں آئی تھی اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ وہیں کھڑا رہے یا اسے ڈھونڈنے کے لیے کہیں چلا جائے۔ پھر وہ پلٹ کر واپس اندر سیلز گرل کے پاس گیا اور اسے یہ ہدایت کر کے کہ اگر وہ واپس آئے تو اسے وہیں بٹھا لیا جائے وہ خود مال میں اسے ڈھونڈنے لگا تھا۔

وقت جتنی تیزی سے گزر رہا تھا اس کے اضطراب میں اتنا ہی اضافہ ہو رہا تھا، اب اسے پچھتاوا ہو رہا تھا کہ وہ اسے وہاں چھوڑ کر گیا ہی کیوں، اسے جرمن زبان آتی تھی نہ ہی وہ راستوں سے اچھی طرح واقف تھی کہ ٹیکسی لے کر واپس جا سکتی اور پتا نہیں اسے گھر کا ایڈریس بھی پتا ہو گا یا نہیں وہ کچھ اور پریشان ہوا......

تب ہی مال کے پبلک ایڈریس سسٹم پر ایک اعلان ہونے لگا تھا اور وہ تقریباً بھاگتا ہوا انتظامیہ کے آفس کی طرف گیا تھا۔ وہ وہاں پہنچ چکی تھی اور اب پبلک ایڈریس سسٹم پر اس کا نام پکارا جا رہا تھا۔ آفس میں داخل ہوتے ہی اس نے ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی امید کو دیکھ لیا تھا اور اس کا ردعمل اس

کے لیے شاکنگ تھا وہ جتنی بے اختیاری سے اس کی طرف گیا تھا اس نے تقریباً اتنے ہی زور سے اسے دھکیل دیا تھا۔

''تم میرے پاس مت آؤ، میں تمہاری شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتی۔ اس لیے یہاں لے کر آئے تھے تاکہ، تاکہ مجھے اس طرح چھوڑ کر بھاگ جاؤ۔'' وہ یکدم چلانے لگی تھی۔ وہ اس کی باتوں پر ہکا بکا رہ گیا تھا۔

''میں جانتی تھی، تم مجھے اسی طرح چھوڑو گے۔ تم میرے لیے کبھی بھی مخلص نہیں ہو گے، تم مجھے دھوکا دو گے...... میں نے تم سے شادی کر کے بہت بڑی غلطی کی۔'' وہ بات کرتے کرتے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے بے بسی سے اسے دیکھتا رہا۔ کمرے میں موجود انتظامیہ کے تینوں لوگ ان کے درمیان اردو زبان میں ہونے والی اس گفتگو کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ ان کی نظروں میں تماشا نہیں بننا چاہتا تھا۔

''امید! آؤ باہر چل کر بات کرتے ہیں۔''

اس کے قریب جا کر اس نے مدھم آواز میں اسے بازو سے پکڑ کر کہا مگر اس نے ایک جھٹکے سے اپنا بازو چھڑایا اور اس پر غرانے لگی۔

''مجھے تمھارے ساتھ نہیں جانا۔ اب میں پاکستان جانا چاہتی ہوں۔'' وہ ایک بار پھر کرسی پر بیٹھی رو رہی تھی۔

دو گھنٹے تک وہ وہاں اس کے پاس بیٹھا معذرتیں کرتا رہا تھا اور جب اس کی برداشت کی حد ختم ہو گئی تو وہ چلا اٹھا تھا۔

''میں تمہارا منگیتر نہیں ہوں کہ تمھیں چھوڑ جاؤں گا، میں تمہارا شوہر ہوں۔''

امید نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر وہ کچھ کہے بغیر خاموشی سے اٹھ کھڑی ہوئی، شاپنگ مال سے باہر آتے ہوئے وہ تقریباً روہانسا ہو گیا تھا اس کے ساتھ چلتے ہوئے اس نے شاپ سے باہر جانے کی وجہ اسے بتائی مگر وہ کچھ نہیں بولی تھی۔

اور جرمنی میں ان کے آخری دو دن اسی طرح گزرے تھے۔ گھر آنے کے بعد بھی اس کی معذرتوں کے جواب میں وہ بالکل خاموش ہی رہی تھی اور ایمان علی کا پچھتاوا اور ندامت اور بڑھتی گئی۔

پاکستان آنے کے بعد وہ ایک ہفتہ کے لیے سیدھی راولپنڈی چلی گئی تھی جبکہ وہ لاہور آ گیا تھا اور لاہور آتے ہی وہ سیدھا ڈاکٹر خورشید کے پاس گیا۔

''بعض دفعہ ایسا ہو جاتا ہے، تم محبت اور مہربانی سے پیش آتے رہو گے تو وہ ٹھیک ہو جائے گی۔ مسلمان پر ویسے بھی فرض ہے کہ وہ بیوی سے نرمی سے پیش آئے۔'' اس کی پریشانی جان کر انھوں نے اسے نصیحت کی۔

''تمہاری ہی خواہش تھی، تمھیں وہ عورت مل جائے جس سے تم محبت کرتے ہو، اب وہ عورت تمھارے پاس ہے تو تم اس کے ذرا سے غصے سے پریشان ہو رہے ہو۔''

وہ ان کی بات پر مسکرانے لگا۔

''تھوڑا سا غصہ نہیں ہے، اس میں بہت زیادہ غصہ ہے۔'' وہ اس کی بات پر ہنس پڑے۔

''جب اسے تم سے محبت ہو جائے گی تو یہ سارا غصہ ختم ہو جائے گا۔ ابھی تو تم دونوں کو ساتھ زندگی گزارتے بہت عرصہ نہیں ہوا۔''

وہ ان کے پاس سے واپس آنے کے بعد بہت پُرسکون تھا۔ ایک ہفتہ کے بعد وہ راولپنڈی سے اسے لینے گیا تھا اور وہ اس سے بہت نارمل طریقے سے ملی تھی یوں جیسے ان کے درمیان کبھی کوئی جھگڑا ہوا ہی نہیں تھا۔ ایمان نے شکرادا کیا تھا۔

ان کی زندگی بہت نارمل انداز میں گزر رہی تھی۔ امید کا رویہ عام طور پر ایسا نہیں ہوتا تھا جس پر اسے اعتراض ہوتا مگر بعض اوقات جب وہ اپنے مخصوص ٹرانس میں چلی جاتی تو ایمان کو تکلیف ہوتی کیونکہ اس وقت وہ بہت تلخ اور اکھڑ ہو جاتی تھی۔ مگر ایسے لمحات میں بھی ایمان کو کبھی اس سے شادی پر پچھتاوا نہیں ہوتا تھا کیونکہ اس سے شادی کر کے اسے اپنی زندگی میں ایک سکون، ایک ٹھہراؤ محسوس ہوا تھا اس لیے وہ اس کے ان موڈز کو بھی بہت خندہ پیشانی سے برداشت کر لیتا۔

ایسے ہی موڈ میں ایک دن امید نے بڑی تلخی کے ساتھ اس سے کہا۔

''تمھیں پتا ہے، میں تم سے محبت نہیں کرتی...... میں نے تم سے صرف شادی کی ہے۔ صرف زندگی گزار رہی ہوں تمھارے ساتھ...... کیونکہ ایک گھر چاہیے ہوتا ہے۔ وہ مجھے تم سے مل گیا۔''

وہ اس کی کڑواہٹ کو سکون کے ساتھ برداشت کر گیا ''میں جانتا ہوں، تمھیں بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''کیوں ضرورت نہیں ہے۔ مجھے بتانا چاہیے کہ مجھے تم سے......''

ایمان نے اس کی بات کاٹ دی ''محبت نہیں ہے...... کوئی بات نہیں، میں نے مطالبہ نہیں کیا کہ تم مجھ سے محبت کرو۔''

وہ بالکل ساکت اسے دیکھتی رہی۔

''تمھیں دراصل محبت مل گئی ہے ناں، اس لیے تمھیں پروا نہیں ہے اگر نہ ملتی پھر تمھیں احساس ہوتا۔''

''مجھے محبت ہی تو نہیں ملی۔'' اس نے عجیب سے انداز میں کہا، ایمان کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ اس کا اشارہ سمجھ گیا تھا۔ اپنے غصے پر کنٹرول کرتے ہوئے اس نے کہا۔

''میں تم سے محبت کرتا ہوں۔''

''مت کرو...... میں نے تمھیں مجبور نہیں کیا۔'' اس کے انداز میں کمال کی لاتعلقی تھی۔

''تم جانتی ہو، میں یہ نہیں کر سکتا میرے لیے۔ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ میں تم سے محبت نہ کروں۔''

وہ اس کے پاس سے اٹھ کر چلا گیا تھا۔ وہ ایک بار پھر ٹرانس میں چلی گئی۔

وہ ڈاکٹر خورشید کے پاس اب بھی باقاعدگی سے جایا کرتا تھا وہ اس کے لیے ایک عجیب سورس آف انسپریشن تھے ان کے درمیان بہت عجیب سا کمیونیکیشن تھا بعض دفعہ وہ اس کی افسردگی کو بغیر بتائے جان جاتے تھے اور پھر اسے ہلکا کر دیا کرتے تھے ان کے پاس سے آنے کے بعد وہ خاصا پُرسکون رہتا تھا۔

مذہب میں اس کی روز بروز بڑھتی ہوئی دلچسپی کی وجہ بھی وہی تھے۔ وہ اکثر رات کو اسٹڈی میں عشاء کی نماز ادا کرتا اور پھر قرآن پاک کو پڑھتا۔ تمام نمازوں میں صرف یہی ایک نماز تھی جو وہ باقاعدگی سے ادا کیا کرتا تھا کبھی بات کرتے کرتے وہ بے اختیار قرآن پاک کی کسی آیت کا حوالہ دیتا اور اسے احساس ہوتا کہ امید اسے بہت عجیب سی نظروں سے دیکھتی تھی وہ مسکرا دیتا، وہ جانتا تھا امید اس وقت اس کے بارے میں ٹھیک نہیں سوچ رہی ہوگی۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

اس کی شادی کو چند ماہ گزرے تھے جب اسے اپنی فیملی میں ہونے والے متوقع اضافہ کی اطلاع ملی، امید غیر متوقع اور غیر معمولی طور پر خوش تھی اور زندگی میں آنے والی اس تبدیلی کے بعد اس نے امید کے رویے میں بھی حیرت انگیز تبدیلیاں دیکھیں وہ یک دم بہت پرسکون اور مطمئن نظر آنے لگی تھی۔ ایمان علی سے اس کا رویہ بھی یکسر تبدیل ہو گیا۔ وہ اس پر زیادہ توجہ دینے لگی، اس کے زیادہ تر کام خود کرتی تھی۔ اکثر وہ ایمان سے بچے کے بارے میں گفتگو کرتی۔ اس کے لیے منصوبے بناتی۔ ایمان حیران ہو جاتا۔ اس میں آنے والی تبدیلیاں کچھ اتنی ہی غیر متوقع تھیں۔ ایمان نے اپنے والدین کو بھی اس بارے میں بتا دیا تھا اور سبل اکثر فون پر اس سے گفتگو کرتی رہتی ایمان کا خیال تھا، وہ اب تبدیل ہو گئی ہے۔ پہلے کی طرح اس کے منگیتر کی یاد اس کے ذہن سے فراموش ہو چکی ہے مگر یہ اس کی غلط فہمی تھی۔

ایک رات وہ اسے ڈنر کرانے کے لیے ایک ہوٹل لے گیا تھا۔ وہ بہت خوشگوار موڈ میں تھی۔ ڈنر کے بعد وہ امید کے ساتھ ہوٹل کے ہال سے نکل رہا تھا جب اس نے ساتھ چلتی امید کو یک دم ساکت ہوتے دیکھا۔ اس نے کچھ حیران ہو کر اسے دیکھا اور اس کے چہرے کی زردی نے اسے خوفزدہ کر دیا۔ وہ بالکل ساکت سامنے دیکھ رہی تھی۔ ایمان نے اس کی نظروں کا تعاقب کیا۔ ہوٹل کی اینٹرنس کی سیڑھیاں چڑھتا ہوا ایک نوجوان جوڑا اس کی توجہ کا مرکز تھا وہ دونوں دروازے تک آ گئے اور پھر ایمان نے اس مرد کو بھی اسی طرح ٹھٹکتے دیکھا، پھر بڑی تیز رفتاری کے ساتھ وہ اپنے ساتھ موجود لڑکی کا بازو تھام کر اندر ہال میں چلا گیا۔

امید بے اختیار پلٹ کر اسے دیکھنے لگی ایمان نے بہت عرصے کے بعد اسے ایک بار پھر اسی ٹرانس میں دیکھا۔ وہ دونوں نظروں سے اوجھل ہو چکے تھے مگر وہ اب بھی وہیں کھڑی تھی۔ ایمان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا، وہ یکدم چونک گئی، چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس نے سرد آواز میں جیسے پوچھا۔

''جہاں زیب؟''

امید نے سر ہلا دیا۔ ایمان کو ایک دم اپنا خون کھولتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ یہ عورت اس کی بیوی تھی۔ یہ عورت اس کے بچے کی ماں بننے والی تھی اور یہ عورت اپنے سابقہ منگیتر کو دیکھ کر اب بھی اپنے اردگرد کی ہر چیز سے بے نیاز ہو جاتی تھی وہ مزید کچھ کہے بغیر تیزی سے سیڑھیاں اتر گیا۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے آ گئی تھی۔

گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے ایمان بالکل خاموش رہا گھر جا کر اس نے اپنے کپڑے تبدیل کیے۔ ڈریسنگ کے سامنے کھڑے ہو کر وہ اپنے

بالوں میں برش کر رہا تھا جب اس نے امید کو اپنے پاس آ کر اپنے بازو پر ہاتھ رکھتے دیکھا۔

''ایمان! میں دراصل......'' ایمان نے اپنے بازو سے اس کا ہاتھ ہٹا دیا۔

''مجھے کچھ کام کے لیے اسٹڈی میں جانا ہے۔'' اس نے اپنے لہجے کو حتی الامکان نارمل رکھنے کی کوشش کی۔

''مگر میں تم سے بات کرنا چاہتی ہوں۔''

''امید! میں ابھی فی الحال تم سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا...... اس لیے مجھ سے کچھ بھی کہنے کی کوشش مت کرو۔'' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی تلخ ہو گیا تھا۔

وہ وہاں رکے بغیر اسٹڈی میں آ گیا اس وقت وہ کچھ اتنا ہی دلبرداشتہ تھا نماز پڑھنے کے بعد وہ کمپیوٹر پر اپنا کام کرنے لگا، مگر اس کا ذہن ابھی تک منتشر تھا۔

ایک گھنٹے کے بعد اس نے اسٹڈی کا دروازہ کھلنے کی آواز سنی، اس نے پیچھے مڑ کر دیکھنے کی کوشش نہیں کی، وہ اس کے پاس دوسری کرسی پر بیٹھ گئی ایمان کمپیوٹر پر اپنا کام کرتا رہا۔

''ایمان! تم ایک چھوٹی سی بات پر ناراض ہو رہے ہو۔''

''میں کسی بات پر ناراض نہیں ہوں۔''

''پھر تم مجھ سے بات کیوں نہیں کر رہے؟''

''کر رہا ہوں۔''

''اس طرح نہیں۔''

''مجھے کام ہے، مجھے وہ کرنے دو۔'' وہ کی بورڈ پر ہاتھ چلاتے ہوئے مانیٹر پر ابھرنے والی عبارت کو دیکھتا رہا۔

''میں تم سے ایکسکیوز کرنا چاہتی ہوں۔''

''ضرورت نہیں ہے۔'' وہ اب بھی اس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر بولا۔

''تم کیوں کر رہے ہو اس طرح؟'' وہ کچھ جھنجھلا گئی۔

''میں کچھ نہیں کر رہا۔ صرف صبر کر رہا ہوں۔''

''کس چیز کے لیے صبر؟''

''تم جانتی ہو۔''

''میں ایکسکیوز کر تو رہی ہوں۔''

''اس کا کیا فائدہ جب تم یہ جانتی ہو کہ تم ایک غلط کام کر رہی ہو تو تم کیوں کر رہی ہو؟ ایک ایسے شخص کے لیے جس نے نو سال تمہیں منگیتر

رکھنے کے بعد بھی تم سے شادی نہیں کی، اس کے لیے پریشان کیوں ہو، جو شخص تم سے محبت نہیں کرتا، اس کے پیچھے کیوں بھاگتی ہو جس شخص نے تمھیں دھوکا دیا۔''

''اس نے مجھے کوئی دھوکا نہیں دیا، میں نے اسے دھوکا دیا، اس نے مجھے نہیں چھوڑا، میں نے اسے چھوڑا۔'' وہ اس کے الفاظ پر ساکت رہ گیا۔

''تم نے کیوں چھوڑا اسے؟'' اسے اپنی آواز کسی کھائی سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔

''کیونکہ میں اس کی ڈیمانڈز پوری نہیں کر سکتی تھی۔''

''کیا ڈیمانڈز تھیں اس کی؟'' اس نے امید کو نظریں چراتے دیکھا ایمان نے اپنا سوال دہرایا۔

زندگی میں کبھی کسی چیز نے اسے اس حد تک حیران کیا تھا نہ اس کا ذہن ماؤف، اس نے آہستہ آہستہ اسے سب کچھ بتا دیا تھا، کس طرح اس نے جہاں زیب کے ساتھ جانے سے انکار کیا تھا، اس کے سارے احسانات، ساری مہربانیاں، ساری محبت کے باوجود کس طرح وہ ذہنی ابتری کا شکار ہو گئی تھی۔ وہ بہتے آنسوؤں کے ساتھ اسے بتا رہی تھی اور وہ خالی ذہن کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔ سامنے بیٹھی ہوئی یہ عورت اپنی بہت سی کمزوریوں، بہت سی خامیوں کے باوجود صرف ایمان کے لیے صرف دین کے لیے اپنے نفس کے سانپ کو کس طرح مار گئی تھی۔ وہ کسی ترغیب کے زنغے میں نہیں آئی تھی۔ اسے بے اختیار ایک مسلمان عورت کا شوہر ہونے پر فخر ہوا، ایک ایسی عورت جو محبت کو ایمان کے لیے چھوڑ سکتی تھی۔

''تم نے جو کچھ کیا، ٹھیک کیا، تمھیں یہی کرنا چاہیے تھا۔ تمھیں کوئی پچھتاوا نہیں ہونا چاہیے کہ اس نے تم پر احسان کیا ہے اور تم نے اس کا ایک مطالبہ تسلیم نہیں کیا۔ کسی کی کوئی مہربانی، کوئی احسان اور کوئی محبت اگر بدلے میں گناہ مانگے تو اسے اسی طرح چھوڑ دینا چاہیے جس طرح تم نے چھوڑا، تمہاری دوستوں نے تم سے غلط کہا کہ تم نے سچی محبت کھو دی۔ تم نے ایک ایسے خود غرض انسان سے چھٹکارا پایا جو تم کو جہنم میں لے جاتا اور تمہاری دوستیں تمھیں ایک ایسے کام پر اکسا رہی تھیں جس پر اسلام حد نافذ کرتا ہے جس کے کرنے والے کو سنگسار کیا جاتا ہے۔ تم نے محبت اور ایمان میں سے ایمان کا انتخاب کیا ٹھیک کیا۔''

اس نے امید کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔

''مگر وہ مجھے یاد کیوں آتا ہے، میں اسے بھول کیوں نہیں جاتی۔'' وہ اب بری طرح بلک رہی تھی۔

''تم کوشش کرو گی تو اسے بھول جاؤ گی۔''

''میں کوشش کرتی ہوں مگر میں نہیں جانتی، مجھے کیا ہو جاتا ہے شاید میں نارمل نہیں ہوں ایمان! میں چاہتی ہوں، میں ماضی سے پیچھا چھڑا لوں۔ کم از کم اب تو...... میں سب کچھ نئے سرے سے شروع کرنا چاہتی ہوں مگر ایسا نہیں ہو پاتا۔''

وہ بالکل بے بس نظر آ رہی تھی، وہ اسے تسلیاں دینے لگا۔

اس رات اسے سلیپنگ پلز کی مدد سے سلانے کے بعد وہ خود اسٹڈی میں بیٹھا اس کے انکشاف کے بارے میں سوچتا رہا۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

چند دنوں کے بعد ڈاکٹر خورشید نے اس سے کہا کہ وہ اب اپنے مذہب کی تبدیلی کے بارے میں اپنے عزیز و اقارب اور کمپنی کو بتا دے اور اپنے کاغذات میں اپنا نام تبدیل کروا لے۔ اس نے ان کی بات پر سر جھکا دیا۔ وہ خود بھی اب یہی چاہتا تھا، اپنے بچے کی پیدائش سے پہلے وہ چاہتا تھا کہ سب اس کے نئے نام اور مذہب سے واقف ہو جائیں، تاکہ بچے کے لیے کوئی مسئلہ نہ ہو۔

اس نے اپنی کمپنی کے ڈائریکٹر کو تحریری طور پر اپنے طور پر اپنے نام اور مذہب کی تبدیلی سے آگاہ کر دیا اور یہ جیسے سب کے لیے ایک بڑے شاک کے طور پر سامنے آیا تھا اسے ملنے والی پروموشن روک لی گئی تھی اور اسے پہلے ہی اس بات کی توقع تھی۔ مذہب کی تبدیلی ایک ایسا عمل تھا جس سے اس کی کمپنی کی انتظامیہ کو یہ محسوس ہوا کہ اس کی وفاداریاں متاثر ہوں گی۔ ریجنل چیف نے اس سلسلے میں اس سے لمبی چوڑی بات کی اور کمپنی کی انتظامیہ کا موقف اس کے سامنے پیش کر دیا۔ وہ اگر اپنا موقف بیان نہ بھی کرتے تو بھی وہ اچھی طرح اس حقیقت سے آگاہ تھا کہ یہ کمپنی امریکن یہودیوں کے سرمائے سے چل رہی تھی۔ کسی مسلمان کو وہ اتنے بڑے عہدے پر کبھی نہ لاتے۔ ڈاکٹر خورشید سے مشورہ کے بعد اس نے کمپنی میں اسی عہدہ پر کام کرتے رہنے کے بجائے ریزائن کرنے کا فیصلہ کر لیا اور کچھ اور ملٹی نیشنل کمپنیز میں اپلائی کرنا شروع کر دیا۔

امید کو اس نے اس بات سے آگاہ نہیں کیا تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ پریشان ہو، اپنی کمپنی سے ریزائن کرنے کے بعد اس نے جرمنی جا کر اپنے ماں باپ کو بھی اپنے اس فیصلے سے آگاہ کرنا اور اس کے بعد امریکہ جا کر اسے کچھ کمپنیز میں انٹرویو دینے تھے۔ اس نے امید سے یہی کہا کہ وہ آفس کے کسی کام سے جرمنی جا رہا ہے مگر ان ہی دنوں اتفاقاً اس کے ایک فیملی فرینڈ کی ڈیتھ ہو گئی ایمبیسی سے اس نے امریکہ کا ویزا مذہبی رسومات میں شرکت کا بتا کر لیا کیونکہ اس طرح اسے فوری طور پر ویزا مل گیا تھا، اس سے پہلے اس کا خیال تھا کہ وہ جرمنی میں قیام کے بعد وہیں سے ویزہ لے کر امریکہ چلا جائے گا کیونکہ اس کے پاس جرمنی کی شہریت تھی۔

مگر پھر اپنے والدین سے بات کرنے کے بعد اس نے پہلے جرمنی ہی جانے کا فیصلہ کیا تھا، اس نے سوچا تھا کہ وہ وہاں سے اپنے والدین کے ساتھ امریکہ چلا جائے گا اور امریکہ جانے سے پہلے اسے اپنے والدین کو اپنے مذہب کی تبدیلی کے بارے میں بھی بتانا تھا۔ یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ ایئرپورٹ پر اسے ثمن مل گئی۔ وہ اپنی جاب چھوڑ کر پاکستان سے واپس جا رہی تھی۔ فلائٹ میں وہ اس کے ساتھ رہی۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

ایمان کے والدین کے لیے اس کے مذہب کی تبدیلی ایک شاک تھا۔ یہودی یا عیسائی ہونے کی توقع رکھتے ہوئے وہ یہ کبھی نہیں سوچ سکتے تھے کہ وہ مسلمان ہو جائے گا اور پھر مذہب کا انکشاف اس نے تقریباً پوری فیملی کے سامنے کر دیا تھا۔ پیٹرک کا خاص طور پر غم وغصے سے برا حال تھا۔ وہ اپنی فیملی کے سامنے بالکل بے وقعت ہو کر رہ گیا تھا۔ ایک اعلیٰ نسب یہودی کا بیٹا مسلمان ہو جائے تو پھر اس کے پاس باقی کیا بچتا ہے۔ اس کی فیملی نے اسے مجبور کیا تھا کہ وہ ایمان علی کو اسلام چھوڑنے پر آمادہ کرے یا پھر ایمان سے قطع تعلق کر لے پیٹرک اور سبل نے ایمان کو بری طرح مجبور کیا تھا۔ ڈرا کر، دھمکا کر جذباتی طور پر بلیک میل کر کے مگر وہ اپنی بات پر اڑا رہا پیٹرک کو اب احساس ہوا کہ اس نے انھیں اس طرح اچانک گھر کا تحفہ کیوں دیا تھا یقیناً وہ یہی چاہتا تھا کہ جب وہ انھیں اپنے اسلام قبول کرنے کے بارے میں بتائے تو وہ کوئی اعتراض نہ کریں مگر یہ بات ان کے لیے قابل قبول نہیں تھی۔

جب ان دونوں کے بہت سمجھانے پر بھی وہ اپنی بات پر جما رہا تو پھر انھوں نے اس سے کہا کہ وہ اسلام چھوڑ دے یا پھر ہمیشہ کے لیے انھیں چھوڑ دے۔ ایمان علی نے انھیں اپنی بات سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر وہ دونوں بھی اس کی طرح اپنی بات پر جمے ہوئے تھے۔ اسے اپنی فیملی کا ردِعمل دیکھ کر اپنے ماں باپ سے اسی بات کی توقع تھی۔ اپنے ماں باپ کے لیے گھر خریدتے ہوئے بھی وہ جانتا تھا کہ یہ تحفہ اس کی طرف سے اس کے والدین کے لیے آخری تحفہ ہو سکتا ہے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس کے لیے والدین سے الگ ہونا بہت تکلیف دہ تھا اور صرف اس کے لیے ہی نہیں اس کے والدین کے لیے بھی اکلوتی اولاد سے اس عمر میں اس طرح مکمل طور پر الگ ہو جانا بہت مشکل تھا مگر اس کے پاس دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا وہ خود کو پہلے سے اس کام کے لیے ذہنی طور پر آمادہ کر چکا تھا۔ مگر اس کے باوجود جرمنی سے امریکہ جاتے ہوئے اسے بہت زیادہ ڈپریشن تھا۔

امریکہ میں اس نے ان کمپنیز میں انٹرویوز دیے جہاں وہ پچھلے کچھ عرصے سے اپلائی کر رہا تھا، چند دن انٹرویوز میں مصروف رہنے کے بعد ایک شام وہ پیدل قریبی مارکیٹ جانے کے لیے نکلا اسے یہ اندازہ نہیں ہو پایا کہ اس کا تعاقب کیا جا رہا ہے، چند سیاہ فاموں نے یک دم اسے رستے میں روک لیا۔ گن پوائنٹ پر انھوں نے اس کی تمام جیبیں خالی کروا لیں۔ اس نے مزاحمت کی کوشش کی تو ان لوگوں نے اسے بری طرح پیٹا، ریوالور سے سر کے پچھلے حصے میں لگائی گئی ضربوں نے اسے ہوش وحواس سے محروم کر دیا۔ ایک ہفتہ کے بعد اسے جب ہوش آیا تو وہ ہاسپٹل میں تھا۔ اس کے پاس ایسی کوئی چیز نہیں تھی جس سے اس کی شناخت ہو سکتی اس لیے ڈاکٹرز اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہے تھے مگر ہوش میں آنے کے بعد بھی وہ کئی دنوں تک رابطے کے لیے نمبر نہیں بتا سکا تھا۔ آہستہ آہستہ وہ ذہنی طور پر نارمل ہونا شروع ہوا اور تب اس نے سوچا کہ امید کو اس حادثے کی اطلاع دینا بے کار ہو گا۔ وہ خوامخواہ پریشان ہو گی ہاسپٹل سے ڈسچارج ہونے کے بعد اس نے پاکستان فون کیا مگر اسے پتا چلا کہ امید راولپنڈی جا چکی ہے اس نے کچھ دن اور امریکہ میں گزارے اور اسی دوران دو کمپنیز سے اسے جاب کی آفر ہو گئی، وہ مطمئن ہو کر واپس پاکستان آ گیا۔

راولپنڈی میں امید کے رویے نے اسے حیران کیا اور آہستہ آہستہ یہ حیرانی پریشانی میں تبدیل ہونے لگی تھی۔ وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ اس کے باہر جا کر رابطہ ختم کر دینے پر وہ پریشان اور ناراض ہو گی مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ اس طرح کے رویے کا مظاہرہ کرے گی۔ وہ اسے بتانا چاہ رہا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ مگر وہ کچھ سننے پر تیار ہی نہیں تھی۔

لاہور آنے کے بعد بھی اس کا رویہ تبدیل نہیں ہوا وہ لاہور پہنچ کر اپنے کچھ کام نپٹانے گھر سے باہر چلا گیا۔ جب وہ واپس آیا تو گیٹ پر بہت بار ہارن دینے کے باوجود بھی گیٹ نہیں کھلا، وہ کچھ پریشان ہو گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ خود اتر کر چوکیدار کو آواز دیتا گیٹ یک دم کھل گیا۔ چوکیدار کے بجائے امید نے دروازہ کھولا تھا۔ اس کے استفسار پر اس نے کہا تھا کہ وہ کسی ایمرجنسی کی وجہ سے چلا گیا ہے، اس لیے گیٹ کھولنے کے لیے اسے آنا پڑا، گھر کے اندر جانے پر اس نے ملازم کو بھی وہاں نہیں پایا۔ امید نے اس سے کہا کہ وہ اسے بھیج چکی ہے۔ اسے امید کی حرکات کچھ عجیب لگی تھیں مگر اس نے زیادہ غور نہیں کیا۔ اندر بیڈ روم میں آ کر اس نے اپنے سارے گفٹس کمرے کے کارپٹ پر پھیلے ہوئے دیکھے اس کی رنجیدگی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔ اس نے کارپٹ پر سے تمام چیزیں اٹھائیں اور پھر انہیں ڈریسنگ روم میں رکھ دیا۔

وہ روز رات کو ریوالور چیک کر کے رکھا کرتا تھا اس رات بھی۔ اس نے اپنے معمول کے مطابق دراز میں سے ریوالور نکالنا چاہا مگر ریوالور وہاں نہیں تھا۔ باری باری اس نے اپنی تینوں دراز دیکھے مگر ریوالور کہیں بھی نہیں تھا۔ اسے خیال آیا کہ ہو سکتا ہے امید نے ریوالور کہیں اور رکھا ہو مگر امید سے پوچھنے پر اس نے صاف انکار کر دیا۔ وہ اس کے انکار پر ہکا بکا رہ گیا۔ اگر ریوالور امید نے نہیں اٹھایا تھا تو پھر ریوالور کہاں جا سکتا تھا۔ اس کی تشویش میں یکا یک اضافہ ہو گیا پھر اس نے یہ سوچ کر ہر جگہ ریوالور ڈھونڈنا شروع کیا کہ شاید وہ کہیں اور رکھ کر بھول گئی ہے۔ مگر تمام الماریاں دیکھنے کے بعد بھی اسے ریوالور نہیں ملا۔ اس کی پریشانی میں یہ سوچ کر اضافہ ہو رہا تھا کہ امید یہاں اس کی عدم موجودگی میں اکیلی تھی۔ اگر کچھ ہو جاتا اور اسے ریوالور کی ضرورت پڑتی تو پھر کیا ہوتا مگر امید اسے بالکل پریشان نظر نہیں آ رہی تھی وہ بالکل بے فکر تھی۔

اس نے اسے اس کی لاپروائی کا احساس دلانے کی کوشش کی اور جواباً وہ اس سے جھگڑنے لگی۔ وہ اس کی باتیں سن کر حیران رہ گیا۔ وہ اسے جھوٹا، فراڈ اور گناہ گار کہہ رہی تھی۔ وہ بے حد دل برداشتہ ہو گیا۔ وہ اپنا سب کچھ چھوڑ کر یہاں واپس پاکستان آیا تھا صرف اس لیے تاکہ اب اس کی شناخت مسلمان کے طور پر ہو اس کے بچے کو یا امید کو کسی دقت کا سامنا کرنا نہ پڑے مگر وہ اب بھی اس کے ماضی کے حوالے سے طنز کر رہی تھی۔ اس وقت اس کا ذہن بس یہیں تک گیا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ یہ سب اسے کسی اور حوالے سے کہہ رہی ہے۔ اس کی باتوں کے ردِعمل میں وہ بھی خاموش نہیں رہ سکا شاید یہ جھگڑا اور طول پکڑتا مگر پھر وہ یہ سوچ کر خاموش ہو گیا کہ وہ جس حالت میں ہے، اس میں ذہنی طور پر کسی تکلیف سے گزرنا اس کے لیے اچھا نہیں ہو گا، نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے امید کو وضاحت پیش کی تھی۔

اس کی چھٹی حس یک دم اسے کسی خطرے سے آگاہ کرنے لگی تھی۔ ریوالور کا غائب ہونا، چوکیدار کا چلے جانا اور ملازم کا بھی وہاں نہ ہونا...... یہ سب کچھ کوئی باقاعدہ پلاننگ بھی تو ہو سکتی تھی۔ اس نے فون کر کے ایک سیکیورٹی ایجنسی سے گارڈ منگوایا اور پھر انٹر کام پر ملازم کو بلا کر اس سے ریوالور کے بارے میں پوچھا۔ ملازم ریوالور کے بارے میں بے خبر تھا۔ ایمان کی پریشانی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا اس نے ملازم کو واپس بھیج دیا۔ گارڈ کے آنے کے بعد اس نے اندرونی دروازہ بند کرنے سے پہلے پورے گھر کو اچھی طرح چیک کیا کہیں بھی کوئی غیر معمولی چیز نہیں تھی۔

اچھی طرح دروازے لاک کرنے کے بعد اس نے کچن میں جا کر کچھ کھایا اور پھر اسٹڈی میں چلا گیا۔ کچھ دیر وہ پریشانی کے عالم میں وہاں بیٹھا رہا امید کا رویہ اس کے لیے بہت حوصلہ شکن تھا، اس نے اپنے ذہنی انتشار پر قابو پانے کے لیے قرآن پاک کا انگلش ترجمہ نکال کر پڑھنا شروع

کر دیا۔ پندرہ بیس منٹ وہ اس کام میں مصروف رہا پھر وہ قرآن پاک واپس رکھنے کے لیے شیلف کی طرف آیا۔ قرآن پاک واپس رکھتے ہوئے اسے کونے میں پڑی ہوئی وہ کتابیں نظر آئیں جو باہر جانے سے کچھ دن پہلے ڈاکٹر خورشید نے اسے دی تھیں۔ اس نے ابھی تک ان کتابوں کو نہیں پڑھا تھا۔

قرآن پاک رکھنے کے بعد اس نے ان میں سے ایک کتاب نکال لی اور کتاب نکالتے ہی اسے جیسے کرنٹ لگا، کتاب کے پیچھے شیلف پر ریوالور نظر آ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ ریوالور کمرے سے اسٹڈی میں کیسے آ گیا۔ کتاب واپس رکھ کر اس نے ریوالور نکالا اور اس کا چیمبر چیک کیا۔ چیمبر میں پوری گولیاں تھیں جبکہ ریوالور کا سیفٹی کیچ ہٹا ہوا تھا۔ وہ ریوالور لے کر اسٹڈی ٹیبل کی طرف آ گیا۔ کرسی پر بیٹھ کر اس نے ریوالور میں سے ساری گولیاں نکال لیں۔ اس کے ذہن میں خیال آیا کہ شاید امید کسی دن رات کو یہاں اسٹڈی میں کچھ وقت گزارنے آئی ہو اور اس وقت وہ ریوالور بھی ساتھ لے آئی ہو۔ مگر ریوالور کو کتابوں کے پیچھے کس لیے چھپایا گیا۔ کیا امید نے اسے اٹھا کر وہاں رکھ دیا یا پھر ملازم نے اٹھا کر...... مگر کیوں؟ اس کا ذہن ایک بار پھر الجھ گیا۔

ریوالور کی گولیاں نکال کر اس نے دراز میں رکھ دیں جبکہ ریوالور میز پر رکھ دیا۔ اس کا خیال تھا کہ نماز پڑھنے کے بعد وہ دوبارہ ریوالور کو لوڈ کر کے اپنی دراز میں رکھ دے گا۔

پھر وہ نماز پڑھنے میں مصروف ہو گیا، نماز پڑھنے کے دوران ہی اسے احساس ہوا کہ کمرے میں کوئی داخل ہوا۔ اسے حیرت ہوئی، اس کا خیال تھا امید اب تک سو چکی ہو گی۔ سلام پھیرنے کے بعد اس نے اس سے وہاں آنے کے بارے میں پوچھا، وہ اس سے کوئی بات کرنا چاہتی تھی اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اب اس سے کون سی بات کرنا چاہتی تھی مگر اس نے امید سے انتظار کرنے کے لیے کہا۔

نماز پڑھنے کے بعد وہ کھڑا ہو کر پلٹا اور ساکت ہو گیا، اسٹڈی ٹیبل پر موجود ریوالور اب امید کے ہاتھوں میں تھا اور وہ اس کا نشانہ لیے کھڑی تھی۔ پھر اس نے اسے ٹریگر دباتے ہوئے دیکھا اور سب کچھ ایک جھٹکے کے ساتھ اس کی سمجھ میں آ گیا تھا ریوالور وہاں کیوں آیا تھا کس لیے چھپایا گیا، چوکیدار کی عدم موجودگی، ملازم کو بھیجا جانا......

''میرے خدایا کیا یہ عورت جو میری بیوی اور میرے بچے کی ماں بننے والی ہے مجھے قتل کرنا چاہتی ہے...... یہ عورت جس کے لیے میں سب کچھ چھوڑ آیا ہوں۔''

اس نے تکلیف سے سوچا۔ وہ جانتا تھا، ریوالور خالی تھا مگر اس کا دل چاہا کہ کاش وہ ریوالور خالی نہ کرتا...... وہ اسے وہیں رہنے دیتا۔ سب کچھ آگ کی لپٹوں میں آ گیا تھا۔ رشتہ، اعتبار، اعتماد...... اسے یاد آیا ڈاکٹر خورشید نے کہا تھا۔

''تم صحیح رستے پر قدم بڑھا چکے ہو...... مسلمان ہو چکے ہو۔ اب تم آزمائشوں کے لیے تیار رہو، پچھلے ایک ماہ سے وہ ایسی ہی آزمائشوں سے گزر رہا تھا اور ہر بار وہ فخر سے سوچتا تھا کہ آزمائش نے اسے سرنگوں نہیں کیا مگر اب اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ آزمائشوں کے بھی درجے ہوتے ہیں وہ جن آزمائشوں سے گزر رہا تھا وہ ابتدائی نوعیت کی تھیں مگر اب اس کے سامنے جو آزمائشیں آن کھڑی ہوئی تھیں، وہ اس کے لیے بہت سخت ثابت ہوں

گی۔

اس نے امید کی آنکھوں میں پہلے کبھی اپنے لیے اتنی نفرت نہیں دیکھی اس نے اس کی زبان پر اپنے لیے اتنا زہر پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا، اس نے اسے خود پر ریوالور پھینکتے دیکھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ عورت مجھے اتنی تکلیف دے سکتی ہے جسے میں نے کبھی سخت ہاتھ بھی نہیں لگایا اس نے اس پر الزامات کی بارش کر دی تھی۔ وہ چلا رہی تھی وہ سنتا رہا شاید وہ اسی طرح سنتا رہتا اگر وہ اسے ایمان علی کے بجائے ڈینیل ایڈگر نہ کہتی، اسے اس وقت امید کی زبان سے اپنا پرانا نام ایک گالی کی طرح لگا، وہ برداشت نہیں کر سکا، صرف اس ایک نام کے لیے وہ پچھلے ایک ماہ سے کیا کیا برداشت کر رہا تھا اس نے اپنے ماں باپ چھوڑے۔ اس نے اپنا شاندار کیریئر چھوڑ دیا۔ ایک اچھا مسلمان، ایسی چیزوں پر استقامت اور ثابت قدمی دکھاتا ہے میں بھی یہی دکھاؤں گا، پیدائشی مسلمان نہ سہی مگر میں مسلمان ہوں اور مجھے بھی تکلیف اور آزمائش میں صبر سے کام لینا چاہیے وہ سوچتا رہا اور اب ایک بار پھر اسے اس کے پرانے نام سے پکارا جا رہا تھا اس کے ایمان پر شک کیا جا رہا تھا۔

وہ اسے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ کیا صرف ایک شخص کسی کی پوری شخصیت کو اس طرح مسخ کر سکتا ہے اس طرح توڑ پھوڑ سکتا ہے کہ وہ شخص دوبارہ زندگی میں کوئی رشتہ قائم کر کے بھی بے اعتمادی اور بے یقینی کا اس طرح شکار رہے کہ ہر لمحے اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کے پیروں کے نیچے بھی زمین کھینچتا رہے اس نے سوچا تھا اگر اس کی زندگی میں جہاں زیب نہ آیا ہوتا تو کیا یہ پھر بھی ایسی ہوتی۔ وہ اس سے محبت کرتا تھا۔ وہ اس کا یقین چاہتا تھا مگر اس دن اسے احساس ہو رہا تھا کہ شاید یہ ممکن ہی نہیں ہے وہ ساری عمر اسے اسی طرح ایمان کی کسوٹی پر پرکھتی رہے گی۔ وہ اب کم از کم یہ نہیں چاہتا تھا کہ اسے بار بار اس کے سامنے اپنے مسلمان ہونے کا ثبوت دینا پڑے۔ یہ بہت تکلیف دہ کام تھا اس وقت اس کے سامنے کھڑے ہو کر اس کے الزامات کا جواب دیتے ہوئے اس نے سوچا۔ ”اگر کسی شخص کو ابھی بھی اس بات پر یقین نہیں ہے کہ میں مسلمان ہوں یا نہیں تو مجھے کیا کرنا چاہیے۔ کیا اس کے ساتھ بار بار اذیت سے دوچار ہونے کے لیے رہنا چاہیے یا پھر ایک بار اذیت سے گزرتے ہوئے اس سے علیحدگی اختیار کر لینی چاہیے......“

”ہاں شاید مجھے اس سے الگ ہی ہو جانا چاہیے ورنہ کبھی نہ کبھی اس کی بے یقینی میرے ایمان کو ختم کر دے گی۔ میری استقامت اور ثابت قدمی کو ہلا دے گی۔ پھر میں کیا کروں گا۔“ اس نے سوچا، وہ عورت اسے ایمان تک لائی تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اسی کی وجہ سے وہ ایمان کھو دیتا اسے ایک بار پھر فیصلہ کرنے میں چند منٹ لگے تھے۔ اس نے امید کو اختیار دے دیا تھا کہ اس بار وہ انتخاب کر لے۔

وہ اسٹڈی سے نکل کر کچن میں آ گیا، اس کے وجود پر اترتی تھکن اسے مضمحل کر رہی تھی۔ وہ ڈائننگ ٹیبل پر آنکھیں بند کر کے بیٹھ گیا کچھ وقت گزرا تھا پھر اس نے کچن میں اپنے قریب ایک آہٹ سنی اور......

♥......♥......♥

باب11

اسٹڈی کا دروازہ بند ہو گیا تھا۔ بند دروازے نے اس کے اندر بہت سے دروازے کھول دیے تھے جن سے نظر آنے والے راستے اور منظر اس کے لیے ناآشنا نہیں تھے۔ اس نے آہستہ آہستہ اپنا سر اٹھا لیا تھا۔ دھندلی آنکھوں سے دیکھی جانے والی شے ہمیشہ دھندلی نظر آتی ہے۔ شیلف سے ٹیک لگائے لگائے وہ نیچے کارپٹ پر بیٹھ گئی۔ اپنے ہاتھوں کی ہتھیلی کو اپنے سامنے پھیلا کر اس نے اپنی تقدیر کو بوجھنے کی کوشش کی، کچھ تلاش کرنے میں ناکام رہنے کے بعد وہ شیلف سے سر ٹکا کر بیٹھ گئی۔

''ہر رات زندگی میں اندھیرا نہیں لاتی۔ بعض راتیں چاندنی راتیں ہوتی ہیں ان راتوں میں روشنی ہی نہیں ہوتی، سکون بھی ہوتا ہے۔''

بہت سال پہلے اپنے باپ کی کہی ہوئی ایک بات اسے یاد آئی تھی۔

''ہر آسمانی مذہب انسان کو آزماتا ضرور ہے مگر اسلام تو انسان کو اور ہی طرح سے آزماتا ہے یہ ایسی آزمائشیں سامنے لے آتا ہے جو بندے کو کندن بنا دیتی ہیں یا پھر راکھ کا ڈھیر......'' وہ کچھ دیر پہلے اس کے کہے گئے لفظوں کو یاد کر رہی تھی۔ ''اور میری زندگی میں بھی میرا دین چھ سال پہلے ایسی ہی ایک آزمائش لے آیا......اور اس آزمائش نے مجھے کیا بنایا......کندن؟ یا راکھ کا ڈھیر......؟''

اس کا دل بھر آیا......

مجھے ایمان اور محبت میں سے کسی ایک چیز کا انتخاب کرنا تھا، میں نے ایمان کا انتخاب کیا اور اس کے بعد میں آج تک پچھتاوے کا شکار رہی......میں تو پیدائشی مسلمان تھی۔ میرا عقیدہ اور میرا ایمان کسی کمزوری کا شکار نہیں تھا پھر بھی صراطِ مستقیم پر اٹھنے والے پہلے قدم کو میں انگاروں پر چلنے کے مترادف سمجھتی رہی چھ سال پہلے ایمان اور محبت میں سے کیے جانے والے جس انتخاب کے لیے میں کئی ہفتے واہموں اور سوچوں کے طوفان سے گزرتی رہی، وہی انتخاب ایمان علی نامی اس شخص نے چند منٹوں کے اندر میرے سامنے کھڑے ہو کر کسی رنج، پچھتاوے یا کشمکش کے بغیر کر لیا اور یہ وہ شخص ہے جو میرے دین میں صرف دو سال پہلے آیا ہے۔ میں نے بھی ایمان کے لیے محبت کو چھوڑا تھا مگر جس بے رحمی کے ساتھ یہ شخص چھوڑ کر گیا ہے۔ اس طرح نہیں......کیا اس کا ایمان مجھ سے زیادہ مضبوط ہے یا پھر......ایمان صرف اسی کے پاس ہے؟ اور......اور میں......میں کون ہوں؟ کیا ہوں......؟ محبت کے سراب میں گرفتار ایک بے وقوف لڑکی۔

''تمھیں پتا ہے امید! اس شخص نے تمھارے ساتھ کیا کیا؟ اس نے تمھارے اندر بے یقینی کا ایک بیج بویا اور تم نے اس بیج کو سینچ کر درخت بنا دیا۔ اب بے یقینی اور بداعتمادی کا یہ درخت اتنا تناور ہو چکا ہے کہ تم چاہو بھی تو اسے کاٹ نہیں سکتیں۔''

''ہاں ایسا ہی تھا ایمان علی!'' اس نے اعتراف کیا۔ ''میں اس درخت کو کاٹ نہیں سکتی مگر میں اسے جڑ سے اکھاڑ سکتی ہوں۔''

''مجھے محبت کے وجود پر یقین نہیں تھا شاید......شاید اس لیے مجھے محبت ہو گئی اور اس محبت نے مجھے یقین اور ایمان دیا۔'' اس کے کانوں میں

ایمان کی آواز گونج رہی تھی۔ ''تم نے ہمیشہ محبت کے وجود پر یقین کیا محبت تمھیں بھی ہوئی مگر تمہاری محبت نے تمھیں یہ دونوں چیزیں نہیں دیں۔''

''میری محبت نے مجھ سے ایمان اور یقین چھین لیا۔''

''ہاں تم نے ٹھیک کہا، میری محبت مجھے ایمان سے دور لے گئی، تمہاری محبت تمھیں ایمان کے پاس لے آئی فرق صرف اس میں نہیں ہوتا جس سے محبت کرتے ہیں۔ فرق اس میں بھی ہوتا ہے جو محبت کرتا ہے، میں نے محبت کر کے صرف کھویا، تم نے محبت کر کے صرف پایا...... میں کیا کوئی بھی تمھیں اور تمھارے ایمان کو کسی کسوٹی پر پرکھنے کی جرأت نہیں کر سکتا اور میری خوش قسمتی یہ ہے کہ ایسے شخص کو خدا نے میرا مقدر بنایا اور میں...... میں آنکھیں بند کیے دلدل میں اس ہاتھ کو تلاش کرتی رہی جو مجھے بھی دلدل کے اندر کھینچ لینا چاہتا تھا

اور آج اتنے سالوں کے بعد پہلی بار میں تمہاری قید سے آزاد ہو گئی ہوں جہاں زیب پہلی بار مجھے تمھارے چہرے پر لگی ہوئی وہ سیاہی نظر آنے لگی ہے جسے تم میرے چہرے پر محبت کے نام پر مل دینا چاہتے تھے۔

پہلی بار مجھے احساس ہو رہا ہے کہ تب تمہاری طرف بڑھایا جانے والا قدم مجھے کہاں لے جا سکتا تھا۔

پہلی بار مجھے خوف محسوس ہو رہا ہے کہ محبت کے اس بھنور سے اپنے پیروں کو آزاد کرنے پر خوشی کے بجائے ہونے والا پچھتاوا آج تک کس طرح میرے پورے وجود کو بھنور بنائے ہوئے تھا

اور آج تم میرے سامنے ایسی غلاظت بن گئے ہو جس میں پاؤں نہ رکھنے پر ہونے والی شرمندگی میرے لیے ہمیشہ تکلیف دہ رہے گی، مجھے خدا نے ایمان علی کے دل کے تخت پر بٹھایا تمھارے پیروں کی دھول بنا کر روندا نہیں۔

میں نے چھ سال پہلے تمھیں چھوڑ کر کوئی غلطی نہیں کی، آج پہلی بار میں خدا کا شکر ادا کر رہی ہوں کہ چھ سال پہلے میں تمھارے ساتھ نہیں گئی۔

میں خوش ہوں جہاں زیب میں تم جیسی غلاظت سے بچ گئی، میرے پاس وہ ہے جو کسی دوسرے کے پاس نہیں...... میرے پاس ایمان کی محبت ہے۔''

اس کی آنکھوں کی دھند چھٹنے لگی تھی۔

اگر وقت ایک بار پھر پیچھے چلا جائے تو اس بار ایمان اور محبت میں سے انتخاب کرتے ہوئے میں ایمان علی جیسی بے رحمی کے ساتھ فیصلہ کروں گی۔ اتنی ہی استقامت...... اتنی ہی ثابت قدمی اور اتنی ہی جلدی اور میں چاہتی ہوں جہاں زیب! زندگی میں ایک بار تم دوبارہ میرے سامنے آؤ۔ تب میں تم پر تھوک دوں گی اور کہوں گی کہ میرے لیے میرا اللہ کافی ہے۔ وہ جو بدترین چیزوں کے بدلے ہمیں بہترین چیزیں عطا کرتا ہے...... اور تب...... تب تم سوچنا۔

کیا مذہب کبھی آؤٹ ڈیٹڈ ہو سکتا ہے؟

کیا کوئی چیز ایمان کی جگہ لے سکتی ہے؟

کیا کوئی اپنی خواہشات کو شریعت پر ترجیح دے سکتا ہے کیا زندگی صرف نفس کی اطاعت کے بل پر گزاری جا سکتی ہے؟

کیا کبھی کوئی تاریکی کو روشنی اور روشنی کو تاریکی کہہ سکتا ہے

اور پھر اگر ہر سوال کا جواب نفی میں آئے تو تم پاتال میں گرے ہوئے اپنے وجود کو وہیں دفن کر دینا تاکہ یہ دوبارہ کسی کے سامنے ترغیب بن کر آئے نہ کسی کو پاتال میں کھینچنے کی کوشش کرے۔‘‘

وہ آہستہ آہستہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ اپنے دونوں ہاتھوں سے اس نے اپنے گالوں اور آنکھوں کو رگڑا۔ اسٹڈی کا دروازہ کھول کر وہ باہر آ گئی۔ پورے گھر میں تاریکی تھی۔ اسٹڈی کے علاوہ صرف ایک جگہ روشنی تھی اور وہ جگہ کچن تھی وہ جان گئی تھی، وہ کہاں موجود تھا۔ کچن میں جانے کے بجائے وہ بیڈروم میں چلی گئی۔ ڈریسنگ میں جا کر اس نے فرسٹ ایڈ کا سامان نکالا اور دھیمے قدموں کے ساتھ وہ کچن کی طرف آئی وہ کچن کے دروازے میں رک گئی۔

ڈائننگ ٹیبل کے اوپر لٹکنے والے لیمپ کی روشنی میں ڈائننگ ٹیبل کی ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے ایمان کے علاوہ ہر چیز دھندلی نظر آ رہی تھی اس کا وجود اس روشنی میں بے حس و حرکت نظر آ رہا تھا، اور اس کے چہرے پر پڑنے والی روشنی چہرے پر موجود ہر تاثر کو واضح کر رہی تھی۔

تھکن......افسردگی......بے چینی......اضطراب......اور......امید......وہاں کیا تھا؟ وہاں کیا نہیں تھا؟

اس نے ’’ایمان‘‘ کو مجسم حالت میں دیکھا تھا۔ اسے رشک آیا تھا۔ وہ خوش قسمت تھا۔ اسے حسد ہوا وہ ’’منتخب‘‘ لوگوں میں سے تھا؟ اسے فخر ہوا، یہ خوش قسمت منتخب شخص اس کے مقدر میں تھا۔

وہ بے اختیار آگے بڑھ آئی۔ وہ آنکھیں بند کیے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ ایمان علی کو اپنے چہرے پر ہاتھ کے لمس کا احساس ہوا، چند لمحوں کے لیے اس کا جسم تن گیا پھر جیسے سکون اور سرشاری کی ایک لہر اس کے وجود میں دوڑ گئی۔ اس نے آنکھیں نہیں کھولیں۔ وہ بڑی نرمی اور ملائمت سے اس کا زخم صاف کر رہی تھی۔ اس کی کنپٹی سے نیچے بہنے والے خون کو روئی کے ساتھ گردن تک صاف کر رہی تھی۔ اب وہ زخم پر موجود بال کاٹ رہی تھی۔

ایمان ایک دم ہی جیسے بہت پرسکون ہو گیا تھا۔ سر میں ہونے والی تکلیف ختم ہوگئی تھی۔ ہر تکلیف ختم ہوگئی تھی۔ اس کے ہاتھوں کے لمس میں جادو تھا۔ وہ اس کی بینڈیج کر چکی تھی مگر اب بھی اسی طرح اس کے سر پر ہاتھ رکھے پاس کھڑی تھی۔

چند لمحے اور گزرے پھر اس نے اپنے گال پر پانی کے چند قطرے گرتے محسوس کیے۔ اس نے آنکھیں نہیں کھولیں۔ وہ جانتا تھا یہ پانی نہیں تھا۔ آنسو تھے......اپنے آنسو کسی دوسرے کے گال پر بہنے لگیں تو کیا ہوتا ہے۔ وہ سوچ رہا تھا۔

’’کیا یہ پھر......؟ مگر کیوں؟ اور اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟‘‘ پھر اسے یاد آیا ڈاکٹر خورشید نے کہا تھا۔

’’ہمارا ہر عمل اللہ کے لیے ہونا چاہیے۔ ہماری دوستی، ہماری دشمنی......ہماری محبت......ہماری نفرت......اپنے لیے کچھ نہیں ہونا چاہیے۔‘‘

’’اور میں اگر اللہ کے لیے اس کی ساری غلطیاں معاف کر دوں اسے ایک بار پھر یقین اور ایمان کی زمین پر پیر جمانے کا موقع دوں تو......؟ اگر اللہ نے زندگی میں اسے اس کے ایک عمل کے لیے اسے اتنی چیزوں سے نواز دیا ہے تو کیا میں ایک بار پھر اسے اپنی محبت کے طور......‘‘ اس نے

سوچا تھا۔

اس نے اپنے دل کو ٹٹولا، اسے حیرت نہیں ہوئی، اس کے دل میں اب بھی وہی عورت تھی اور وہیں تھی جہاں پہلے دن کھڑی ہوئی تھی۔ وہ مسکرایا۔

''ہاں، یہ معافی ہم دونوں کی آزمائش ختم کر سکتی ہے۔ یہ چند لمحوں کا ایثار اور اعلیٰ ظرفی بہت سے رشتوں کو مضبوط بنا سکتی ہے اور پھر اب...... اب جب ہم زندگی میں ایک نئے رشتے سے آشنا ہونے والے ہیں یہ ضروری ہے کہ میں اس پر مہربانی کروں، ایک پارسا عورت اتنے کی مستحق ہوتی ہے کہ اس کی زیادہ غلطیوں کو معاف کر دیا جائے۔

''کیا امید کی آنکھوں میں آنسو آ سکتے ہیں؟'' آنکھیں اسی طرح بند کیے اس نے مدھم آواز میں پوچھا۔

''ایمان کے لیے آ سکتے ہیں۔'' اس نے بھی اسی طرح سرگوشی میں کہا۔

''اور ''محبت'' کے لیے؟'' امید نے اسے کہتے سنا۔

''اب نہیں......'' وہ کیا پوچھ رہا تھا، وہ جانتی تھی۔ وہ خاموش رہا۔ اس کے چہرے پر نظر جمائے وہ ہر نقش کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ ڈائننگ ٹیبل کے سامنے کھلی کھڑکی سے تیز ہوا کا ایک جھونکا اندر آیا۔ ڈائننگ ٹیبل کے اوپر لٹکنے والا آرائشی لیمپ فضا میں لہرانے لگا۔

وہ اس کے چہرے پر لہراتی تیز اور مدھم ہوتی ہوئی روشنی کو دیکھنے لگی۔ لیمپ آہستہ آہستہ جھول رہا تھا۔ خاموشی اور روشنی عجیب سے رقص میں مگن تھیں۔ وہ اس کے بالوں میں سے آہستہ آہستہ ہاتھ اس کے ماتھے پر لے آئی پھر ہاتھ کی ہتھیلی سے اس نے ایمان کی آنکھیں ڈھک دیں، ایمان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھری یوں جیسے وہ اس کے ہاتھ کی حرکت سے محظوظ ہوا ہو، وہ اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھے۔ چہرہ دیکھتی رہی یوں جیسے اس کی آنکھوں کو روشنی کے لہراتے سایوں سے بچانا چاہتی ہو۔ جیسے سکون دینا چاہتی ہو، وہ گہرے سانس لیتا ہوا بے حد پرسکون نظر آ رہا تھا۔

تیز ہوا کے کچھ اور جھونکے اندر آئے، اس نے ہوا میں گرد محسوس کر لی تھی۔ آندھی آ رہی تھی۔ اس بار اس نے ہر کھڑکی، ہر دروازہ بند کرنا تھا اس بار وہ کسی بھی چیز کو آلودہ ہونے نہیں دینا چاہتی تھی۔ اپنے اردگرد موجود ہر چیز اسے یک دم جیسے بہت قیمتی لگنے لگی تھی۔ وہ ہاتھ ہٹا کر بہت تیزی سے کھڑکی کی طرف گئی۔ ایمان نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔ وہ کھڑکی بند کر رہی تھی۔ ہوا میں یک دم شدت اور تیزی آ گئی۔ اسے دقت ہو رہی تھی، ایمان بے اختیار اٹھ کر اس کی طرف گیا۔ کھڑکی کا پٹ کھینچ کر ایک جھٹکے کے ساتھ اس نے کھڑکی بند کر دی۔ باہر لان میں سے اٹھنے والا ہوا کا ایک بگولا اپنے ساتھ لیے ہوئے پتوں اور مٹی کے ساتھ کھڑکی کے شیشوں سے ٹکرایا۔ مٹی اندر نہیں آ سکی، کھڑکی کے شیشوں سے مٹی اور پتے ٹکراتے ہوئے نیچے گر رہے تھے۔

امید نم آنکھوں کے ساتھ مسکراتے ہوئے سحر زدہ سی کھڑکی سے ٹکرانے والے پتوں اور مٹی کو دیکھ رہی تھی وہ یک دم خود کو بہت محفوظ محسوس کرنے لگی تھی۔

''باہر سے آنے والی گندگی اندر نہیں آ سکی...... اس بار کوئی آلودگی اندر آ ہی نہیں سکتی۔ اس بار ''ایمان'' اور ''امید'' ایک ساتھ کھڑے ہیں۔''

اس نے مسکراتے ہوئے سوچا ایمان برق رفتاری سے کچن کی دوسری کھڑکیاں بند کر رہا تھا۔اس نے پلٹ کر اسے دیکھا اور وہیں کھڑی رہی۔

''مجھے یہ موسم پسند نہیں ہے، اتنی مٹی، ہر وقت کا طوفان......اب پھر صبح سارا گھر صاف کرنا پڑے گا۔''

''سارا دن ضائع کرے گا صابر......میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ کھڑکیاں کیسے کھلی رہنے دیں۔پتا نہیں کس کس کمرے کی کھلی ہوں گی اور پتا نہیں کہاں کہاں سے مٹی اندر آ رہی ہوگی۔'' وہ اب بولتے ہوئے کچن سے نکل رہا تھا۔وہ مسکرا رہی تھی۔اس کے پیچھے کچن سے نکلتے ہوئے اس نے سوچا۔

''ایمان کے شیشے پر کتنی ہی گرد اور مٹی کیوں نہ ہو۔اسے صاف کیا جا سکتا ہے بس صرف ایک ہاتھ پھیرنا پڑتا ہے اور شیشے میں سے عکس نظر آنا شروع ہو جاتا ہے اور پھر ہر ہاتھ کے ساتھ عکس پہلے سے زیادہ صاف اور چمکدار ہوتا جاتا ہے......اور وہ ہاتھ اس محبت کا ہوتا ہے جو ایمان سے ہوتی ہے۔''

ختم شد